سلسلہ نامورانِ اسلام

نمبر دوم

اَلفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری

مؤلفہ

جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈہ
وفیلو یونیورسٹی الہ آباد

حسب اجازت مؤلف موصوف
باہتمام سید محمد شفیع الدین مالک مطبع
[illegible] اعظم [illegible]
سنہ ۱۹۱۵ء

قیمت ۲/
[illegible] مسجد دہلی
تعداد [illegible]

ذیل کے پتہ سے تمام درخواستیں آنی چاہئیں

احسن التفاسیر اردو - مؤلفہ مولانا حاجی حافظ سید احمد حسن صاحب پنشنر متعلقہ حیدر آباد دکن۔ اردو زبان کی قسمت جاگی کلام خدا کی تفسیر کے مستند لباس وہ خوش نصیب زبان نے پہنے۔ مگر احسن التفاسیر ملہ بہشتی ہے جو غیب سے اردو کو ملا علامہ مفسر نے عجیب و غریب حقائق و معارف سے لبریز کر دکھایا ہے۔ اول تو یہ کوشش کیگئی ہے کہ کلام الٰہی کی شرح اسی کے ان مشرح الفاظ سے ہو جو قرآن پاک میں دوسری جگہ وارد ہوئے ہیں اس کے بعد مستند احادیث سے جنپر صحابہ کرام مثلاً خلفاء اربعہ و امام المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے ارشادات سے نامور اور مسلم الثبوت تفاسیر مثل تفسیر ابن کثیر معالم التنزیل وغیرہ سے وہ وہ نکتے فراہم کئے ہیں وہ وہ لطائف چنے ہیں کہ پڑھنے والا بیخود ہو جاتا ہے۔ روایات کی صحت کا التزام حد سے زیادہ۔ شان نزول کی توضیح ایسی کہ حرف حرف آئینہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ جگہ متشابہ آیتوں کی وضاحت۔ ناسخ منسوخ کی حقیقت اپنے اپنے موقع پر ایسی لکھی ہے کہ خطرات و شبہات کا شائبہ باقی نہیں رہتا اس پر طرہ یہ کہ زبان صاف سیدھی۔ دلچسپ اسکو کہتے ہیں۔ ہم خرما و ہم ثواب اسکا ہر ہی بلاغت آمیز انداز یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے ایمان کی شمع روشن کریں اور دیکھیں کہ احسن التفاسیر کے دل آرا الفاظ میں وہ کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے اس تفسیر کو سات حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک منزل کا حصہ قرار دیا ہے قیمت حصہ اول دو روپیہ حصہ دوم ۱۲؎ حصہ سوم ۱۲؎ حصہ چہارم ۱۲؎ حصہ پنجم دو روپیہ حصہ ششم ۱۲؎ حصہ ہفتم ۱۲؎ تفسیر محصول بذمہ خریدار جو صاحب پوری تفسیر یعنی ساتوں منزلیں خریدیں گے ان سے ۱۵؎ علاوہ محصول لئے جائیں گے۔

حیات باقیہ یعنی قدوۃ الکاملین عمدۃ الواصلین فانی فی اللہ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری اور آپکے ملفوظات اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں آپکے مفید اور نتیجہ خیز ملفوظات ہیں۔ دوسرے میں آپکے اخلاق اور عادات سے بحث کیگئی ہے ملفوظات بجائے خود نصائح اور پند سے بھری ہوئی ایک کتاب ہے جو نہایت جامع اور ہر قسم کے مضامین مفیدہ سے مملو ہے جسکو آپکے ایک عقیدتمند مرید نے آپکی زبان مبارک سے سنکر جمع کیا ہے۔ اور نہ صرف خود جمع کرنے پر اکتفا کی بلکہ جمع کرنیکے بعد حضرت خواجہ کی نظر فیض اثر میں گزرانی اور آپنے نظر ثانی فرما کر انکو اصلاح کی اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت میں تمام ملفوظات اول سے آخر تک خود حضرت خواجہ ہی کی تصنیفات ہیں ملفوظات کے مضامین میں ایک ایسی شگفتگی و نفاست اور بلند پروازی پائی جاتی ہے جو تحریر میں نہیں آسکتی تصوف کے باریک اور لطائف مسائل اور عامض اور دقیق مضامین اس خوبی سے حل و صاف کیے گئے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں پیروی سنت کی تحقیق اتباع سنت کی بہی شالیں ہیں اور نیک لوگوں کی روش کے نمونے اس کتاب کے مطالعہ کرنیوالے کو کوئی ذول سکتے ہیں۔ خدا کے دوستوں اور نیک بندوں کے اخلاق کا کامل نمونہ حضرت خواجہ کے اخلاق و عادات کا باب ملاحظہ کتاب سے نظر آسکتا ہے۔ اصل کتاب فارسی میں تھی ہم نے بغرض استفادہ خلائق سلیس بامحاورہ اردو میں ترجمہ کر کے چھاپی ہے۔ سامی صورت کہ اس کتاب کے ہر صفحہ کے دو حصے کئے ہیں ایک میں اصل عبارت فارسی دوسرے میں اردو ترجمہ فی جلد ۱۲؎

مخزن اور ترجمہ اردو **گلشت زار** مصنفہ زبدۃ الحکما جناب حکیم محمد وارث علیخاں مرحوم۔ یہ کتاب فن طب میں ایسی بے مثل اور لاجواب ہے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ علامہ مصنف نے طب کی تمام دشواریوں کو پاکی صاف کر دیا ہے اور دماغ سے پیر پاؤں تک کے تمام امراض کا نہایت تفصیل و تشریح کیساتھ بیان کیا ہے اور ہر مرض کے متعلق صرف وہی نسخے درج کئے ہیں جو فاضل مصنف کے بار ہا تجربہ میں آچکے ہیں اور اسکے معزز نامور خاندان سے معتمد علیہ ہیں سب سے بڑی خوبی اسمیں یہ ہے کہ اکثر امراض کا علاج جڑی بوٹیوں سے بتلایا گیا ہے اور ہر نسخہ نہایت سہل اور کم قیمت بلکہ اکثر بغیر داموں کے دوائیاں بھی ہیں یہ کتاب فارسی میں تھی مطبع نے عام فائدے کے خیال سے سلیس اردو میں ترجمہ کرا دیا۔ تاکہ ہر شخص فائدہ اٹھا سکے صرف یہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے ذریعہ سے انسان جنگل میں بیٹھکر بخوبی علاج کر سکتا ہے اگر آپ علم طب سے کچھ فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور منگائیے اور گھر بیٹھے بیٹھے اپنا اور اپنے خاندان کے بچوں کا علاج کیا کریں۔ غرض یہ کتاب ہر گھر میں ہونی ضروری ہے قیمت ۱۲؎

تفسیر الم نشرح یہ تفسیر جناب مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب مرحوم سجادہ نشین جناب نواب محمد قطب الدین صاحب مرحوم دہلوی کی تصنیف ہے۔ جو نہایت ہی مقبول ہے۔ بڑا اچھی اور ساتھ ہی نہایت خوشخط ہوئی قیمت ۶؎

تاریخ اسپین مصنفہ میسرز کانیلیٹ جسکو مولوی سید محمد احمد خاں صاحب جج سیتا پور نے نہایت سلیس اردو زبان میں ترجمہ کر کے عمدہ کاغذ چکنے ولایتی پر چھاپی ہے سپانیہ کے حالات قابل دید ہیں ایک ہزار صفحوں کے قریب ضخامت ہے قیمت فی جلد للعہ

دیوان راسخ عاشقان حسن سخن کو مژدہ اور شائقین خوبی کلام کو نوید کہ جناب شمس العلما مولوی حافظ عبد الرحمن صاحب راسخ دہلوی کا کلام جو خاص و عام میں شہرت پذیر تھا محمد سیدرہ اب کا خیالی اصورت دیوان مراۃ خیال کوشش بلیغ بہت سے افضل المطابع دہلی میں چھپکر جلوہ آرائے عالم ہوا ہے نہایت خوشخط چھپا صاف کاغذ عمدہ قیمت عہ

قصہ جاپان مصنفہ پیرزادہ مولوی محمد حسین خاں صاحب بہادر ایم اے۔ جج ہائی کورٹ جموں و کشمیر قیمت ایک آنہ ۱؎

سید محمد شفیع الدین مالک افضل الاخبار و افضل المطابع و بک ایجنسی دہلی

فہرست مضامین حصۂ اوّل الفاروق

فہرست مضامین حصہ دوم الفاروق

سلسلۂ نامورانِ اسلام

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری

حصّہ اوّل

جس میں حضرت عمرؓ کے نام و نسب اور ولادت سے لیکر وفات تک کے حالات
اور فتوحات بالتفصیل درج ہیں

مؤلفہ

شبلی نعمانی

حسب اجازت حضرت مؤلف صاحب موصوف مدظلہ
باہتمام سید محمد شفیع الدین مالک مطبع
فضل المطابع دہلی میں طبع ہوئی

تعداد ۵۰۰

رجسٹری شدہ

قیمت

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے ہمہ در پردہ نہاں رازِ تو بے خبر انجام ز آغازِ تو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

تمدن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا ہیولیٰ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً استدلال اور اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب اُن سے کام لیتے تھے۔ لیکن جب ارسطو نے اِن جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اُس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا۔ تاریخ و تذکرہ بھی اِسی قسم کا فن ہے، دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا۔ تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔ تفریح اور گرمی صحبت کے لیے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے پرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں، اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بناء پر عرب۔ عجم ترک۔ تاتار۔ ہندی۔ افغانی۔ مصری۔ یونانی۔ غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جنکو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں مثلاً انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آبا و اجداد کے نام اور اُنکے رشتے ناطے

تمہید تاریخ کا عنصر

عرب کی خصوصیت

دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جنکی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بسلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں، یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جنکو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

عرب میں تاریخ کی ابتداء

اس بنا پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہان حیرہ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے۔ چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتدا ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا اس لیے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ المتوفی سنہ ۶۰ھ کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا، اور اسکو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ نے اسکو صنعاء سے بلایا۔ اور کاتب اور محرر متعین کیے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اسکی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک و اخبار الماضیین لکھا ہے غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معاویہ کے حکم سے طیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد، عوانہ بن الحکم المتوفی سنہ ۱۴۷ھ کا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اسنے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ سنہ ۱۲۵ھ میں ہشام بن عبد الملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی*

سیرت نبوی میں سب سے پہلی تصنیف

سنہ ۱۴۳ھ میں جب تفسیر، حدیث، فقہ، وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں، چنانچہ محمد بن اسحق المتوفی سنہ ۱۵۱ھ نے منصور عباسی کے لیے خاص سیرت نبوی

پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مورخین کا دعویٰ ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ نے آنحضرت کے مغازی قلمبند کیے تھے۔ موسیٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا اسلیے اُنکی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی[1] ہے۔

اسکے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مورخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف کلبی۔ واقدی۔ زیادہ مشہور ہیں۔ اِن لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے۔ قبائل عرب کے مناظرات۔ جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد۔ اِن مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اِس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر بے پایاں تیار ہوگیا۔ اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جُدا تھا۔

اِس دور میں بیشمار مورخ گزرے ہیں۔ اِن میں جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے حالات میں کتابیں لکھیں اُنکی مختصر فہرست یہ ہے۔

قدماء مورخین

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نجیح مدنی	غزوات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؓ اور عائشہؓ کی لڑائی کا حال	
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مورخ ہے۔
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے اُستاد الاستاد تھے
عبداللہ بن سعد زہری المتوفی ۳۸۰ھ	فتوحات خالد بن الولید	
ابو البختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلعم و کتاب فضائل الانصار	۲۰۰ھ میں انتقال کیا
ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ		اسنے آنحضرت اور خلفاء کے حالات

[1] موسیٰ بن عقبہ کے لیے تہذیب التہذیب، مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری دیکھو ۱۲

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
المدائنی۔ المتوفی سنہ ۲۲۴ھ		میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی اسماء الخلفاء و کتابہم	مدائنی کا شاگرد تھا۔
عبد الرحمن بن جیدہ	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی سنہ ۲۶۳ھ	کتاب امراء الکوفہ کتاب امراء البصرۃ	مشہور مؤرخ ہے۔

قدیم کی جو تصنیفات آج موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اسکے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں۔ اُن میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم اُنکے نام اُن کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ المتولد سنہ ۲۱۳ھ و المتوفی سنہ ۲۷۶ھ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہیں۔ محدثین بھی اسکے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں انکی مشہور کتاب **معارف** ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اس میں ایسے مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی سنہ ۲۸۱ھ۔ یہ بھی مشہور مصنف ہیں۔ تاریخ میں انکی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں، خلفاء راشدین فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیدن سنہ ۱۸۸۸ء میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی۔ المتوفی سنہ ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ ہے، اگرچہ اس کا اُستاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے۔ لیکن خود اسکے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اُسنے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اصحابہؓ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجکو اس کے

حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اسکی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے چونکہ اسکو دولتِ عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اسلیئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہی اسکی کتاب جو تاریخ یعقوبی کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ میں بمقام لیدن ۱۸۸۳ء میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحیٰی البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا اسکی وسعتِ نظر اور صحتِ روایت۔ محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں فتوح البلدان۔ انساب الاشراف پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلادِ اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ، یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں اور اُنکے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جسمیں حضرت عمرؓ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں نظر سے گزرا ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے انکو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہی۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصّل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۳۶ء فنِ تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آجتک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اسکی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

مؤرخین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدما کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جو فنِ تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بے شمار مورخ گزرے جن میں سے ابن الاثیر۔ سمعانی۔ ذہبی۔ ابو الفدا۔ نویری۔ سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی

لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔ قدما کی جو خصوصیات تھیں کھودیں اور خود کوئی نئی بات نہیں پیدا کی۔ مثلاً قدما کی ایک یہ خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اسکے کہ اسپر کچھ اضافہ کرسکیں تغیر اور اختصار کے ساتھ اسکا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے اور درحقیقت اسکی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کردیں، لیکن جہاں تک زمانے کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبری سے زیادہ نہیں مل سکتی اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انھوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا وَھَلُمَّ جَرًّا۔ اس سے بڑھکر یہ کہ متاخرین نے قدما کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اسکی بہت سی مثالیں آئیں گی +

قدما کی خصوصیتیں

قدما میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح سلسلہ بسند متصل نقل کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا، ایک اور خصوصیت قدما میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے اسنے فلسفہ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کرسکتی ہے اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح و ستایش کا مستحق ہے۔

بہر حال الفاروق کی تالیف کے لیے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہ یہی قدما کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے آج جو ترقی کی ہے اسکے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کارآمد نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔ تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں۔ اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے! ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے "ان واقعات اور حالات کا پتا لگانا جن سے

تاریخ کی تعریف

یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے" یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن معاشرت، خیالات، مذاہب موجود ہیں سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ اُن سے پیدا ہونے چاہیئے تھے اسلئے اُن گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور اُن کو اسطرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گذشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا، اسی کا نام تاریخ ہے۔

تاریخ کے لیے کیا کیا چیزیں لازمی ہیں

ان تعریفات کی بناء پر تاریخ کے لئے دو باتیں لازمی ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اُس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کیے جائیں یعنی تمدن معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں کے نقص اور اُنکے اسباب

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ رعایا کے اخلاق، و عادات، اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا۔ فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک محدود نہیں بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا، اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا۔ ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا۔ اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں اسکا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے۔ اور چونکہ اُس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی اسلئے سلطنت کے اُصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا واقعات میں سلسلۂ اسباب پر توجہ نکرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اس لیئے فلسفہ تاریخی کے اُصول و نتائج پر اُنکی نظر نہیں پہنچ سکتی تھی یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں روایت کا پلہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جسقدر کام لیا گیا نہ لئے جانیکے برابر تھا۔ اخیر میں ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اُسکے اُصول و آئین منضبط کیے لیکن اُسکو اسقدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اُصولوں سے کام لے سکتا۔ اُس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جسکی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا

یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں انکو مختلف فنوں سے رابطہ ہوتا ہی مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے۔ انتظامی امور قانون سے اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں مؤرخ اگر ان تمام امور کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ اُسکی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک عامی کی ہوسکتی ہے۔ اسکی مثال یہ ہی کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشا پرداز کا گزر ہو جو انجنیری کے فن سے ناواقف ہی تو گو وہ اُس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرائے میں کریگا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے لیکن اگر اُسکے بیان میں خاص انجنیری کے علمی اُصول اور اُس کی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ مِل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھکر بھی فنِ جنگ کے اُصول پر کوئی معتدبہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔

انتظامی اُمور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتا نہیں لگتا کہ مورخین خود قانون داں نہ تھے۔ اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن اُن لوگوں کے ہاتھ میں آ ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ اصولِ قانون، اصول سیاست، علم اخلاق، سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔

واقعات کی صحت کی معیار

یہ بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے۔ اور جسقدر ہوتے ہیں اُنمیں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا لیکن اِن کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہی۔ وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود اُنکی صحت پر کہانتک اعتبار ہوسکتا ہی؟ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں روایت و درایت **روایت** سے یہ مراد ہی کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کے ذریعہ سے بیان کیا جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لیکر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے اسکے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابطہ تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصولِ عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

اس امر پر مسلمان بے شبہہ فخر کرسکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ اُنھوں نے جسقدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ اُنھوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ اُسکو ایک مستقل فن بنا دیا۔ جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لیے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی

اس فیض سے محروم رہا۔ طبری فتوح البلدان۔ طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسند متصل کو
ہیں یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجے پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں
سے بہت پیچھے ہیں انکو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ
جرح وتعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزم۔ ابن القیم۔ خطابی ابن عبد البر نے
متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جسقدر ترقی ہونی
چاہیے تھی نہیں ہوئی اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خالدون نے جو آٹھویں
صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور
باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

ان الاخبار اذا اعتمد فیها علی مجرد النقل و	خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے
لم تحکم اصول العادة وقواعد السیاسة	اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی
وطبیعة العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی	سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے
ولا قیس الغائب منها بالشاهد والحاضر	اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گذشتہ پر نہ قیاس کیا
بالذاهب فربما لم یؤمن فیها من العثور	جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے راویوں کی جرح وتعدیل سے بحث نہیں
کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی
نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں
امکان سے امکانِ عقلی مراد نہیں۔ بلکہ اصولِ عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے
اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کئے انکی آج کہانتک تلافی کیجا سکتی ہے
یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔

اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمرؓ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان
میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے۔ لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اسکی
تلافی ہو سکتی ہے مثلاً الاحکام السلطانیہ لابن الوردی و مقدمہ ابن خلدون وکتاب الخراج سے حضرت

عمرؓ کے طریق حکومت و آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ محمد ابن خلف ابو کیع سے خاص صیغہ قضا کے متعلق انکا طریق عمل معلوم ہوتا ہے کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل میں انکی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان والتبیین للجاحظ میں انکے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے انکا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی نے کتاب الامثال میں انکے حکیمانہ مقولے نقل کیے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں انکے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں انکے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

یہ[1] تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ریاض النضرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرت عمرؓ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لیے میں نے دانستہ اس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لیے **درایت** کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اسکے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہوگئے ہیں ان میں سے جو اصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱- واقعۂ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲- اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳- واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴- اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اسکے قیاس و رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

۵- راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا

[1] ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے سیرۃ العمرین، اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانے میں ہیں اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی تھیں۔ باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔

احتمال ہے کہ راوی اُسکے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں۔

۶۔ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔

ان اُصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اور انکے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جسقدر تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمرؓ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اسبات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اُس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصّب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر تعصب آتا گیا اُسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئیں ہیں۔ تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں۔ لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج طبری وغیرہ) میں یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جسوقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اُسوقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ قبیلۂ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ "جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں اُن کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے"

اصول درایت سے جعلی ہونیکا پتہ لگ سکتا ہے

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں بہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تحقیر و تذلیل کے لئے عیسائیوں کو ایک خاص لباس پر مجبور کیا تھا لیکن زیادہ تر تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اسقدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اسکی مفصل بحث آگے آئیگی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جسقدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اُسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں فدک۔ قرطاس۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر۔ ابن سعد۔ بیہقی۔ مسلم۔ بخاری سب نے نقل کیے ہیں لیکن جسقدر ان بزرگوں کے اُصول اور شدّت احتیاط میں فرق مراتب ہے اُسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے یہاں تک

کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اسکا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئے گا۔

اِن ہی اُصول عقلی کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہونگے۔ مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات سَو برس کے بعد تحریر میں آئے اس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً صف آرائی کی کیفیت، فریقین کے سوال و جواب، ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی۔ پہلوانوں کے داؤں پیچ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدّت تک محسوس صورت میں موجود رہے اس لیئے اُنکی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہہ یقین کے لائق ہیں اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کیئے ایک ایک بچہ اُن سے واقف ہے اور اُنکی نسبت کوئی شبہہ نہیں کیا جاسکتا جسکی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اُسکے لیئے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اسلیئے کہ وہ انتظامات مدّت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے اُنکو شہرت تھی۔

حضرت عمرؓ کے خطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہیں اُنکی نسبت یہ قیاس کرنا چاہیئے کہ جو فقرے زیادہ پُر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کیونکہ ایک فصیح مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہجاتے ہیں اور اُنکا مدت تک چرچا رہتا ہے۔ جن میں کوئی خاص ندرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح خطبوں کے وہ جملے ضرور قابل اعتماد ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے تھے۔

جو واقعات اُس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابلِ ذکر نہ تھے اور باوجود اسکے اُنکا ذکر آجاتا ہے اُن کی نسبت سمجھنا چاہیئے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہوگا مثلاً ہمارے مورخین رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی اُمور کے بیان کرنے کے لیئے عادی نہیں ہیں۔ باایہمہ حضرت عمرؓ کے حال میں عدالت۔ پولیس۔ بندوبست۔ مردم شماری۔ وغیرہ وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آجاتا ہے اُسکی نسبت یہ خیال کرنا چاہیئے کہ جسقدر قلمبند ہوا۔ اُس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے حضرت عمرؓ کے زہد و تقشف۔ سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سینکڑوں روایتیں مذکور ہیں

اور بے شبہ اور صحابہؓ کی نسبت یہ اوصاف اُن میں زیادہ تھے لیکن اسکے متعلق اُن تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیئے جو حلیۃ الاولیا۔ ابن عساکر۔ کنز العمال۔ ریاض النضرۃ۔ وغیرہ میں مذکور ہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گرمیٔ محفل کا سبب ہوتی تھیں اور عوام اُنکو نہایت ذوق سے سنتے تھے اسلیئے خود بخود اُن میں مبالغہ کا رنگ آ گیا ہے اسکی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں اُن میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں اسی لیئے میں نے اس قسم کی جو روائتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں اُن میں بڑی احتیاط کی ہے اور ریاض النضرۃ و ابن عساکر و حلیۃ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

تاریخ اور طرز تحریر

اخیر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آجکل کی اعلیٰ درجے کی تاریخیں جنھوں نے قبول عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاپردازی سے مرکب ہیں اور اس طرز سے بڑھکر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن درحقیقت تاریخ اور انشاپردازی کی حدیں بالکل جُدا جُدا ہیں۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اُسکی ہیئت۔ شکل۔ سمت۔ جہت اطراف اضلاع۔ آب۔ ایک ایک چیز کا احاطہ کرے بخلاف اسکے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لیگا۔ یا اُن کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھائیگا۔ جن میں کوئی خاص اعجوبگی ہو اور جن سے انسان کی قوت منفعلہ پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مورخ لکھیگا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات بیان کر دیگا۔ لیکن ایک انشاپرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کریگا کہ سہراب کی مظلومی و بیکسی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔

مورخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے یورپ میں آجکل جو بڑا مورخ گذرا ہے اور جو طرز حال کا موجد ہے رینکی ہے اسکی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے۔ کہ اُسنے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اُسکا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔

یہ امر بھی جتا دینا ضرور ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔ اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے اس لیے مورخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اُس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اسقدر مخلوط کر دے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔

اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لیے ... اور انداز سے لکھتے ہیں کہ واقعہ بالکل اُن کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص ... اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آ سکتے ہیں اسلیے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آ گئے ہیں۔ اور ایسا ہونا ضرور تھا لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوانوں کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اُس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھائی گئی ہے۔

۲۔ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر اُنھیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

۳۔ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفا و ریاض النضرۃ وغیرہ اُنکا جہاں حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کر لی گئی ہے۔

غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند زدم مہر خموشی بر لب	کس چہ داند کہ دریں پردہ چہ سودا کردم
پیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزان نمود	لختے از ذوق۔ خودش نیز تماشا کردم
محفل از بادۂ دوشینہ نیاسودہ ہنوز	بادۂ تند تر از دوش بہ مینا کردم
یاد خواہم کہ دمم در تن اندیشہ رواں	من کہ مدہوزۂ فیض از دم عیسےٰ کردم
ہمنشین نکتۂ حکمت ز شریعت می جست	لختے از نسخۂ روح القدس املا کردم
شاہد راز کہ کس پردۂ زرویش نگرفت	گرہ از بند قبایش بہ فسوں۔ وا کردم

بسکہ ہر بار گہر پاش گذشتم زین راہ | دشت معنی ہمہ پُر لولوی لالا کردم

نام و نسب سنّ رشد و تربیت

سلسلۂ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العُزّیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوے بن فہر بن مالک۔

اہلِ عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کے نیچے گیارھویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے، ان ہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا، اور اُنکے انتساب سے دس جُدا نامور قبیلے بن گئے۔ یعنی ہاشم۔ امیہ۔ نوفل۔ عبد الدار۔ اسد۔ تیم۔ مخزوم۔ عدی۔ جمح۔ سہم۔ حضرت عمرؓ عدی کی اولاد سے ہیں عدی کے دوسرے بھائی مُرّہ تھے جو رسول اللہ صلعم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلعم سے آٹھویں پشت میں جا کر ملجاتا ہے۔

قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے اسلیئے دُنیاوی جاہ و جلال کیساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی اُن پر سایہ افگن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے اُن لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہوگئے تھے، اور ہر صیغے کا اہتمام جُدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی۔ حجاج کی خبرگیری سفارت۔ شیوخ قبائل کا انتخاب فیصل مقدمات مجلس شوری۔ وغیرہ وغیرہ۔ عدی جو حضرت عمرؓ کے جدّ اعلیٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے۔ یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے، اسکے ساتھ منافرہ کے معرکوں میں ثالث بھی یہی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو فضیلت کا دعویٰ ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس شخص ثالث مقرر کیا جاتا اور دونوں اُسکے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اسقدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے۔ جو لوگ ان معرکوں میں حکم مقرر کیئے جاتے اُن میں معاملہ فہمی کے علاوہ، فصاحت اور زور تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا تھا

لے یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل العرب میں ہے

یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے جدامجد

حضرت عمرؓ کے دادا نفیل بن عبدالعزی نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات اِن کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے جدامجد عبدالمطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعوی پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اُس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے۔

أتنافر رجلاً هو اطول منك قامةً و اوسم وسامةً و اعظم منك هامةً و اكثر منك ولداً و اجزل منك صفداً و اني لا قول هذا و انك لبعيد الغضب رفيع الصوت في العرب جلد المريرة لجبل العشيرة۔

حضرت عمرؓ کے برادر عمزاد

نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو۔ خطاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن انکے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے شخص تھے۔ وہ اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جنھوں نے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بُت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موحّد بن گئے تھے۔ اِن میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قس بن ساعدة۔ ورقہ بن نوفل۔ زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ بُرا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے، اِس پر تمام لوگ انکے دشمن ہوگئے، جن میں حضرت عمرؓ کے والد، خطاب۔ سب سے زیادہ سرگرم تھے، خطاب نے اسقدر اُنکو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے اور حرا میں جارہے تاہم کبھی کبھی چھپکر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں جن سے اُنکے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ دو شعر[1] یہ ہیں۔

أرباً واحداً ام الف رب	ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں کو!
ادين اذا تقسمت الامور	میں نے لات اور عزی (بتوں کے نام تھے)
تركت اللات والعزى جميعاً	سب کو خیرباد کہا
كذالك يفعل الرجل البصير	اور سمجھ دار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

[1] زید کا مفصل حال اسدالغابۃ۔ کتاب الاوائل اور معارف ابن قتیبہ میں ملیگا۔

حضرت عمرؓ کے والد خطاب

خطاب حضرت عمرؓ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے قبیلہ عدی اور بنو عبد شمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اسلیئے غلبہ انہیں کو رہتا تھا عدی کے تمام خاندان نے جس میں **خطاب** بھی شامل تھے۔ مجبور ہو کر سہم کے دامن میں پناہ لی اسپر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطاب نے یہ اشعار کہے۔

ایوعدنی ابو عمرو دونی رجال لا ینهنها الوعید

رجال من بنی سهم بن عمرو الی ابیاتهم یاوی الطرید

کل آٹھ شعر ہیں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں انکو تماما نقل کیا ہے۔ عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا۔ لیکن جب اُنھوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ بیچ ڈالے، لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفا میں بھی باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمرؓ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفا و مروہ کے بیچ میں تھا حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اسکو ڈھا کر حاجیوں کے اُترنے کے لئے میدان بنا دیا۔ لیکن اُسکے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمرؓ کے خاندان کے قبضہ میں رہیں۔

خطاب نے متعدد شادیاں اونچے اونچے گھرانوں میں کیں، چنانچہ حضرت عمرؓ کی ماں جن کا نام حنتمہ تھا ہشام بن المغیرۃ کی بیٹی تھیں۔ مغیرۃ اس رتبے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے لڑنے کے لئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی سے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے انکو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالد انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمرؓ کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ کی ولادت

حضرت عمرؓ مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے انکی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن العاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسے میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً ایک غل اُٹھا دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا، اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی، اُنکے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔

سلہ کتاب المعارف بن قتیبہ ۱۲ سلہ تاریخ مکہ الازرقی ذکر رباع بنی عدی بن کعب ۱۲

اور کیونکر معلوم ہوسکتے اُس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جنکا یہاں نقل کرنا ناموزوں نہوگا۔

سن رشد

سنّ رشد کو پہنچکر خطاب اِن کے باپ نے اُنکو جو خدمت سپرد کی وہ اُونٹوں کا چرانا تھا یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا۔ لیکن خطاب نہایت بیرحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمرؓ کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اُسکا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب (قدید سے) ۱ میل کے فاصلہ پر ہے خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا اُدہر گذر ہوا تو انکو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ "اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کُرتہ پہنے ہوئے اُونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا۔ تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اُوپر اور کوئی حاکم نہیں[1]۔"

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمرؓ اُن شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے۔ عرب میں اسوقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمہ شرافت خیال کی جاتی تھیں۔ نسب دانی۔ سپہ گری، پہلوانی، اور مقرری تھی۔ نسب دانی کا فن حضرت عمرؓ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں تصریح لکھا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ اور اُنکے باپ اور دادا نفیل۔ تینوں بہت بڑے نساب تھے[2]۔ غالباً اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے خاندان میں جیساکہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور فیصلہ منافرہ یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور اُنکے انجام دینے کے لیئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔ حضرت عمرؓ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا یہانتک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے۔ عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اِس غرض سے میلا لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہوکر اپنے اپنے کمالات کے جوہر دکھلاتے تھے، اس

---

[1] طبقات ابن سعد۔ [2] کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۷ و ۱۲۲

لیئے صرف وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذبیانی۔ حسان بن ثابت۔ قس بن ساعدہ۔ خنسا جنکو شاعری اور ملکۂ تقریر میں تمام عرب مانتا تھا۔ اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ کے نسبت علامۂ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بہ سند یہ روایت نقل کی ہے کہ "وہ عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے" اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔ شہسواری کی نسبت ان کا کمال عموماً مسلّم ہے۔ چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اُچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی صریح شہادت موجود نہیں۔ لیکن یہ امر تمام مؤرخین نے باتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیدیا تھا، اور یہ منصب صرف اُس شخص کو ملسکتا تھا جو قوتِ تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہمنے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار انکو یاد تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق اُنھوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔

اس زمانے میں اُنھوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اُس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی علامۂ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرت مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ۱۷ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ اُن میں ایک عمر بن خطاب تھے[1]

اِن فنوں سے فارغ ہو کر وہ فکرِ معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لیئے اُنھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل انکی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا وہ تجارت کی غرض سے دُور دُور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے خودداری بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف جو اُن میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب اِن ہی سفروں کی بدولت تھے۔ اِن سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۱۔

ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے ان پر توجہ نہیں کی، علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اسقدر لکھا ہے کہ۔

ولعمر بن الخطاب اخبار کثیرۃ فی اسفارہ فی الجاھلیۃ الی الشام و العراق مع کثیر من ملوک العرب والعجم وقد اتینا علی مبسوطھا فی کتابنا اخبار الزمان والکتاب الاوسط	عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر کئے اور ان سفروں میں جس طرح وہ عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملے۔ اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں، لیکن قوم کی بد مذاقی سے مدت ہوئی کہ ناپید ہو چکیں، میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمرؓ کے ان حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جسکی بعض جلدیں میری نگاہ سے گذری ہیں حضرت عمرؓ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن اُن میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے اُنکو تمام عرب میں روشناس کر دیا اور لوگوں پر اُنکی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے۔ یہاں تک کہ قریش نے اُنکو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔ قبائل میں جب کوئی پُرخطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت کا طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل مانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے۔ اُنکے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ

قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبینہ اُنکے خاندان میں ایک کنیز تھی جسنے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُسکو بے تحاشا مارتے۔ اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل نکر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے۔ کارکنانِ قضا نے کہا ع

آمد آں یارے کہ ما مے خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے اُنکے تیور دیکھکر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں" اُنھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں"! فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، اُنکی آہٹ پاکر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے لیکن آواز اُنکے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب اُنکی بہن بچانے کو آئیں تو اُنکی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ اُنکا بدن لہو لہان ہو گیا اسی حالت میں اُنکی زبان سے نکلا کہ عمرؓ! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا، اِن الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا اُن کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجکو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھدیئے اُٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ایک ایک لفظ پر اُنکا دل مرعوب ہوتا تھا یہانتک کہ جب اس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلعم ارقمؓ کے مکان میں جو کوہِ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے حضرت عمرؓ نے آستانۂ مبارک پہنچکر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے، اور اس تازہ واقعہ کسی کو اطلاع نہ تھی، اس لیے صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا کہ آنے دو۔ مخلصانہ آیا

آیا ہے تو بہتر، ورنہ اُسی کی تلوار سے اُس کا سر قلم کر دیا جائیگا" حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور اُنکا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پر رعب آواز نے اُنکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لیئے" آنحضرت بیساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے ملکر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، اسوقت تک اگرچہ ۴۰۔ ۵۰ آدمی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت امیر حمزہ سید الشہدا نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعتہً یہ حالت بدل گئی۔ اُنھوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اول اول اُنپر بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جاکر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبد اللہ ابن مسعود کی زبانی اُن الفاظ میں روایت کیا ہے فَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَ قُرَيْشًا حَتّٰى صَلّٰى عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ یعنی جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور اُنکے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی۔

حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔

ہجرت

حضرت عمرؓ کی ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرت کے دعوئ نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے، لیکن اسلام کو جسقدر شیوع ہوتا جاتا تھا۔ اُنکی بے پروائی، غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ایک جماعتِ کثیر اسلام کے حلقے میں آگئی تو قریش نے زور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا، حضرت ابوطالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے۔ لیکن اُنکے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جس کو جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا، یہ حالت پانچ چھ برس تک

---

۵ انساب الاشراف بلاذری وطبقات ابن سعد واسد الغابہ وابن عساکر و کامل ابن الاثیر۔

رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اسکی تفصیل ایک نہایت دردانگیز داستان ہے۔

اسی اثنا میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اسلئے آنحضرت نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابو سلمہ عبداللہ بن اشہل پھر حضرت بلال مؤذن اور عمار یاسر نے ہجرت کی۔ انکے بعد حضرت عمر نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینے کا قصد کیا۔ صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے لیکن ناموں کی تفصیل نہیں ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ زید بن خطاب۔ سعید بن زید بن خطاب۔ خنیس بن حذافہ سہمی۔ عمرو بن سراقہ۔ عبداللہ بن سراقہ۔ واقد بن عبداللہ تمیمی۔ خولی بن ابی خولی۔ مالک بن ابی خولی۔ ایاس بن بکیر۔ عامر بن بکیر۔ خالد بن بکیر۔ ان میں سے زید حضرت عمر کے بھائی۔ سعید بھتیجے خنیس داماد۔ اور باقی دوست احباب تھے۔

حضرت عمرؓ نے ساتھ بیس شخصوں نے ہجرت کی

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی۔ مہاجرین زیادہ تر قبا میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر بھی یہیں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مکان پر ٹھیرے قبا کو عوالی بھی کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر کے بعد اکثر صحابہؓ نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۱۳ بنوی میں خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔

حضرت عمرؓ کا قیام گاہ

مدینہ پہنچکر سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انصار کو بلا کر ان میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جسکا یہ اثر ہوا کہ مہاجر۔ جس انصاری کا بھائی بن جاتا انصاری اسکو اپنی جائداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزوں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا۔ اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے۔ اس رشتے کے قایم کرنے میں آنحضرت طرفین کے رتبہ و حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے۔ یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا تھا اسی رتبے کے انصاری کو اسکا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمر کو جس کا بھائی قرار دیا انکا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلہ بنی سالم کے سردار تھے [۱]

مہاجرین اور انصار میں اخوت

حضرت عمرؓ کے اسلامی بھائی۔

آنحضرت کے تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قبا ہی میں قیام رکھا۔ حضرت عمر بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دیکر بالالتزام آنحضرت کے پاس جاتے اور دن بھر خدمت اقدس

[۱] دیکھو سیرۃ ابن ہشام حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (صفحہ ۳۲۱) میں عتبان کی بجائے اوس بن خولی کا نام لکھا ہے لیکن تعجب ہے کہ خود علامہ موصوف نے اصابہ ابن سعد کے حوالے سے عتبان ہی کا نام لکھا ہے اور اوس بن خولی کا جہاں حال لکھا ہے حضرت عمر کی اخوت کا ذکر نہیں کیا۔

میں حاضر رہتے۔ ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ اُن کے برادر اسلامی عتبان بن مالک آنحضرت کی
خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت سے سنتے حضرت عمرؓ سے جا کر روایت کرتے، چنانچہ بخاری
نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینے میں پہنچکر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض وارکان محدود اور معین کئے جائیں
کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ۔ زکوٰۃ۔ نماز جمعہ
نماز عید صدقہ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی
نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں، یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا چنانچہ
سب سے پہلے آنحضرت نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان
کے لیئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لیئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت
کی ہے کہ یہ خود آنحضرت کی تجویز تھی، بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پاتی تھی کہ حضرت
عمرؓ آنکلے اور اُنھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لیئے کیوں نہ مقرر کیا جائے رسول اللہ
صلعم نے اُسی وقت حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔[۱]

اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ [illegible] کے موافق ہے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے حضرت عمرؓ
کے لیئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم ان ہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

سنہ ۲ ہجری ۶۲۳ء تا وفات رسول اللہ صلعم
غزوات و دیگر حالات

سنہ ۲ ہجری ۶۲۳ء سے آنحضرت کی وفات تک حضرت عمرؓ کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرت
نبوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرت کو جو لڑائیاں پیش آئیں، غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے۔ وقتاً
فوقتاً جو انتظامات جاری کیئے گئے، اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں، ان میں سے
ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات
پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے کیونکہ حضرت عمر

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب الاذان۔

کے یہ کارنامے، گو کتنے ہی عظیم الشان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں اسلیئے جب قلمبند کیئے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ کا نام نامی قرار پائیگا اور حضرت عمرؓ کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئیں گے۔ اسلیئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں اور جن واقعات میں حضرت عمرؓ کا خاص تعلق ہے انکو کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے اس صورت میں اگرچہ حضرت عمرؓ کے کارنمایاں ہوکر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے اُسکی اصلی شان قائم نہیں رہتی، تاہم اسکے سوا اَور کوئی تدبیر نہ تھی۔ اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ اُن واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائیگا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے اُنھوں نے مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا۔ صرف اسقدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے۔ لیکن آنحضرت نے خبر پا کر اُن کے روکنے کے لیئے تھوڑی تھوڑی سی فوجیں بھیجدیں اور وہ وہیں رُک گئے۔

واقعہ بدر سنہ ۲ھ

سنہ ۲ھ ۶۲۴ء میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لیکر شام سے واپس آرہا تھا۔ راہ میں یہ غلط خبر سُنکر کہ مسلمان اُس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ اُمنڈ آیا۔ رسول اللہ صلعم یہ خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی اُس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ

جیسا کہ تجکو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے (مدینہ) سچائی پر نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی گویا وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اسکو دیکھ رہے ہیں اور جبکہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور

غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ	تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے۔

ان آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ

(۱) جب آنحضرت نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

(۲) مدینے سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات الشوکۃ یعنی ابوسفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لیئے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔ اس کے علاوہ ابوسفیان کے قافلے میں کل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے تین سو آدمی ۴۰ آدمیوں کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے۔ اس لیئے اگر آنحضرت قافلے کے لوٹنے کے لیئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان اُن کے مقابلہ کو موت کے موہنہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہر حال ۸ رمضان سنہ ۲ ہجری کو آنحضرت ۳۱۳ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے۔ مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریباً ۶ منزل ہے۔ معرکہ ہوا اور کفار کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے قریش کی طرف ۷۰ مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابوجہل۔ عتبہ بن ربیعۃ، شیبہ، اور بڑے بڑے روٴسائے مکہ تھے اور انکے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمرؓ اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر، جانبازی، و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے۔ لیکن انکی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمرؓ کے قبیلے میں سے ایک متنفس بھی شریک جنگ نہیں ہوا۔ اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جاسکتا ہے صرف حضرت عمرؓ کے رعب داب کا اثر تھا۔[1]

(۲) حضرت عمرؓ کے ساتھ انکے قبیلہ اور حلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے۔ جن کے نام یہ ہیں

[1] طبری میں ہے ولم یکن بقی من قریش بطن الا نفر منھم ناس الا بنی عدی بن کعب لم یخرج منھم رجل واحد صفحہ ۱۳۰۷

زید۔ عبداللہ بن سراقہ۔ واقد بن عبداللہ۔ خولی بن ابی خولی۔ مالک بن ابی خولی۔ عامر بن ربیعہ۔ عامر بن بکیر۔ عاقل بن بکیر۔ خالد بن بکیر۔ ایاس بن بکیر

(۱) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔[۵۱]

(۲) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمرؓ کا ماموں تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔[۵۲] یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر اُن پر کبھی غالب نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اسکی پہلی مثال ہے۔

اس معرکہ میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے اُنکی تعداد کم وبیش ۷۰ تھی اور اُن میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے مثلاً حضرت عباس۔ عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابوالعاص بن الربیع۔ ولید بن الولید۔ ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہؐ کی زوجہ مبارکہ سودہؓ کی نظر جب اُن پر پڑی تو بے اختیار بول اُٹھیں اَعْطَيْتُمْ بِاَيْدِيْكُمْ هٰذَا مُتَمَرِّدًا کَرِیْمًا۔[۵۳]

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہؐ نے تمام صحابہ سے رائے لی اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اسلئے ان سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ وقرابت کو دخل نہیں ان سبکو قتل کر دینا چاہیئے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کردے، علی عقیل کی گردن ماریں۔ حمزہ عباس کا سر اُڑا دیں، اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا میں تمام کردوں۔[۵۴]

آنحضرتؐ نے شان رحمت کے اقتضاء سے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ الخ	کسی پیغمبر کیلئے یہ زیبا نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وُہ خوب خونریزی نہ کرے۔

[۵۱] ابن ہشام صفحہ ۴۹۰ [۵۲] ابن جریر صفحہ ۵۰۹ و استیعاب ۱۲

[۵۳] تم مطیع ہوکر آئے ہو، شریفوں کی طرح لڑکر مر نہیں گئے؟ [۵۴] طبری صفحہ ۱۳۵۵

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور اسکے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ آنحضرت جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلے میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دینگے اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئے گا تو مسلمانوں کی مدد کرینگے، لیکن جب آنحضرت بدر سے فتحیاب آئے تو انکو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر، اُنکے برابر کے حریف نہ بن جائیں، چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ قریش والے فن حرب سے ناآشنا تھے ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اسکو کہتے ہیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرت نے شوال سنہ ۲ ہجری میں اُن پر چڑھائی کی اور بالاخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اُسکی ابتدا اسی سے ہوئی۔

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بے تاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لونگا غسل تک نہ کرونگا چنانچہ ذوالحجہ سنہ ۲ھ میں وہ دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینے کے قریب پہنچکر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑ کر اور اُنکو قتل کر دیا۔ رسول اللہ کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہانتک کہ شوال سنہ ۳ھ ۶۲۵ء میں جنگ اُحد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

غزوہ سویق

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور اور بہت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جا سکتا ہے، ابوسفیان نے قبول کیا اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔

غزوہ احد سنہ ۳ھ

ابوسفیان ان سب کا سپہ سالار بن کر بڑے سروسامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا اور ماہ شوال، بدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچکر مقام کیا، آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھیر کر قریش کا حملہ روکا جائے لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر آنحضرت مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور ۷۰۰ سو زرہ پوش تھے میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے (اس وقت تک یہ دونوں صاحب

اسلام نہیں لائے تھے) اور سر کل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں سّو زرہ پوش اور صرف دو سّو سوار تھے مدینہ سے قریب تین میل پر اُحد ایک پہاڑ ہے اُسکے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ آنحضرت نے عبد اللہ بن جبیر کو ۵۰ ہزار تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ اُدھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج لیکر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، ابو دجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور انکی صفیں اُلٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ہو چکا اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہوئے۔ تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعۃً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔

مسلمان چونکہ ہتیار ڈالکر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفار نے رسول اللہ صلعم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہانتک کہ آپکے دندان مبارک شہید ہوئے پیشانی پر زخم آیا۔ اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چُبھ گئیں۔ اسکے ساتھ آپ ایک گڈھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظر سے چھپ گئے،، اسی برہمی میں غل پڑ گیا کہ رسول اللہ مارے گئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو اور متنزلزل کردیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہوکر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت کے ساتھ اخیر وقت تک کسقدر صحابہ ثابت قدم رہے صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اُحد میں آنحضرت کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہ رہ گئے تھے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرت کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد نے ۱۴ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں[۱] حافظ ابن حجر نے فتح الباری نے ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب اِدھر اُدھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعۃً عقب سے حملہ کیا اور مسلمان سراسیمہ ہوکر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا، لوگ آنحضرت کے پاس پہنچتے گئے،،

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کی شہادت کی خبر مشہور

---

[۱] یہ پوری تفصیل فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ہفتم صفحہ ۲۷۰ میں ہے۔

ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ اُنہوں نے مدینے سے اِدھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ **حضرت عمرؓ** اس تیسرے گروہ میں تھے۔ علامہ طبری نے بسند متصل جسکے رواۃ ابن حمید، سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نضر نے حضرت عمرؓ، طلحہؓ اور اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، ان لوگوں نے کہا رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ انس بولے رسول اللہ کے بعد زندہ رہکر کیا کروگے؟ تم بھی اُنہی کی طرح لڑکر مرجاؤ۔ یہ کہکر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی[1]۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے خود حضرت عمرؓ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ پر کیا گزری میں نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس نے کہا رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے، یہ کہکر تلوار میان سے کھینچ لی اور اسقدر لڑے کہ شہادت حاصل کی[2]۔ ابن ہشام میں ہے کہ انس نے اِس واقعہ میں ستر زخم کھائے۔

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں **طلحہ** کا نام بھی ہے اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں اُن سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا بہر حال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمرؓ میدانِ جنگ سے نہیں ہٹے اور آنحضرت کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمتِ اقدس میں پہنچے طبری اور سیرت ابن ہشام میں ہے

فلما عرف المسلمون رسول اللہ نہضوا بہ ونھض	پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرت کے
نحو الشعب معہ علی بن ابی طالب و ابوبکر بن	پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لیکر پہاڑ کے درّہ پر چڑھ گئے اُسوقت
ابی قحافۃ وعمر بن الخطاب وطلحۃ بن عبید اللہ	آپکے ساتھ حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، طلحہ بن عبید اللہ
والزبیر بن العوام والحارث بن صمۃ	زبیر بن العوام، اور حارث بن صمۃ تھے۔

علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمرؓ کے حال میں یہ لکھا ہے۔

[1] طبری صفحہ ۱۴۰۶۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۵۔

یعنی حضرت عمرؓ ان لوگوں میں تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے۔ لیکن خدا نے اُن کو معاف کر دیا۔	وَکَانَ مِمَّنْ انْکَشَفَ یَوْمَ اُحُدٍ فَغُفِرَ لَہٗ

علامۂ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبد اللہ ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں کیونکہ اسکا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبد اللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔

لیکن یہ روایت قطع نظر اسکے کہ درایۃً غلط ہے کیونکہ معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جسکو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اُصولِ روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ علامۂ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اُس میں عباس بن عبد اللہ الباکسائی اور عفیص بن الحق ہیں۔ اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اسکے علاوہ اور تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستہ فوج کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے، رسول اللہ اُسوقت تیس صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا! یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھکر حملہ کیا اور اُن لوگوں کو ہٹا دیا[1]۔

ابو سفیان سالار قریش درہ کے قریب پہنچکر پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں یا نہیں۔ آنحضرتؐ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابو سفیان نے پھر حضرت ابو بکر و عمرؓ کا نام لیکر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا "او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں" ابو سفیان نے کہا اُعْلُ ھُبَلُ یعنی اے ہُبل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو" رسول اللہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو اَللّٰہُ اَعْلیٰ وَ اَجَلُّ "یعنی خدا بلند و برتر ہے"[2]۔

اس سال حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انکی صاحبزادی حضرت رسول اللہ کے عقد

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۷۶ و طبری صفحہ ۱۴۱۱۔ [2] سیرۃ ہشام صفحہ ۵۸۲ و طبری ۱۴۲۱۔

بن آئیں۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر سے خواہش کی کہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا پھر حضرت عثمان سے درخواست کی۔ وہ بھی چپ رہے کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلعم حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں چنانچہ شعبان ۳ھ میں آنحضرت نے حفصہ سے نکاح کیا۔

۴ھ میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے آنحضرت نے اُن سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقض عہد کیا اور اس جرم میں مدینے سے نکال دیئے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے ۴ھ میں آنحضرت ایک معاملہ میں استعانت کے لیے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو جسکا نام عمرو بن حجاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت کے سر پر پتھر کی سل گرا دے وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت کو خبر ہو گئی آپ اُٹھکر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ انھوں نے انکار کیا اور مقابلہ کی تیاریاں کیں، آنحضرت نے اُن پر قابو پا کر جلا وطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے؛ کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الربیع اور حُیی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچکر مطمئن ہوئے تو آنحضرت سے انتقام لینا چاہا۔ مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا، اور تمام ملک میں ایک آگ لگا دی۔ چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے اور شوال ۵ھ میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں یہ سیلاب مدینہ کا رُخ کیا۔ آنحضرت نے مدینے سے باہر نکل کر سلع کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا اسلئے کفار کو اس کی کچھ تدبیر بن نہ آئی۔ مجبوراً محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق اُتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرت نے اس غرض سے خندق کے ادھر کچھ کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو

حاشیہ: تعلق بالعدیہ ۴ھ بنونضیر — جنگ خندق یا احزاب ۵ھ

لہ طبری صفحہ ۱۴۵۲ — سلع یہ مدینے سے ملا ہوا ایک پہاڑ ہے +

معین کر دیا تھا کہ دشمن اُدھر سے نہ آنے پائے ایک حصہ پر حضرت عمرؓ معین تھے چنانچہ یہاں
اُن کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے
زبیرؓ کے ساتھ آگے بڑھکر روکا اور اُنکی جماعت درہم وبرہم کر دی[1]۔ ایک اور دن کافروں کے
مقابلے میں اسقدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت
کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقعہ نہ دیا رسول اللہ نے فرمایا میں
نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو پانسو سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت
علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد اُدھر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی
اِدھر نعیم بن مسعود نے جو اسلام لا چکے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی جوڑ توڑ
سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوا دی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینے کے اُفق پر چھا گیا تھا
روز بروز چھٹتا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

واقعہ حدیبیہ ۶ھ ۶۲۸ء

۶ھ ۶۲۸ء میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اس غرض سے
کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتیار باندھکر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے ۶ میل پر
ایک مقام ہے) پہنچکر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں، چنانچہ رسول اللہ کی
خدمت میں عرض کی اور آپ نے اُنکی رائے کے موافق مدینہ سے ہتیار منگوا لیئے۔ جب مکہ معظمہ
دو منزل رہگیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں
کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دینگے"۔ رسول اللہ نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں
کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں چنانچہ حضرت عمرؓ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا اُنھوں نے عرض کی کہ
قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں
عثمانؓ کے عزیز و اقارب وہیں ہیں اس لئے اُنکو بھیجنا مناسب ہوگا آنحضرت نے اس رائے
کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان کو روک رکھا اور جب کئی دن
گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ نے یہ سُن کر صحابہ سے جو

[1] یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے میں نے کسی کتاب میں اسکی سند نہیں پائی۔

تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بیعۃ الشجرۃ کے نام سے مشہور ہوا قرآن مجید کی اس آیت میں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اسکو بیعۃ الرضوان بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں عبداللہ بن عمر باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں، اُنھوں نے بھی جاکر بیعت کی۔ حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سج رہے ہیں عبداللہ نے اُن سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ اُسی وقت اُٹھے اور جاکر آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتے۔ بڑے ردوبدل کے بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان اُلٹے واپس جائیں اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھیریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اس اثنار میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اُس کو قریش کے پاس واپس بھیجدیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو اُنکو اختیار ہوگا کہ اُسکو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا، معاہدہ ابھی لکھا نہیں جاچکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دبکر کیوں صلح کیجائے، اُنھوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی، لیکن حضرت عمرؓ کو تسکین نہیں ہوئی، خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔ یارسول اللہ! کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ۔ بیشک ہوں۔

حضرت عمرؓ کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ۔ ضرور ہیں۔

حضرت عمرؓ۔ پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔
رسول اللہ صلعم۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔
حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا چنانچہ بعد میں اُنکو سخت ندامت ہوئی اور اس کے کفارہ کے لیے روزے رکھے، نفلیں پڑھیں، خیرات دی، غلام آزاد کیے۔ تاہم سوال و جواب کی اصل بنا اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب سے۔ چنانچہ اسکی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اُس پر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جس میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرت نے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی آنحضرت نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجکو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، یہ کہکر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا[1]
محدثین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا، اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز زیادہ پھیلتے گئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۱۸ برس ماقبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے[2] جس بنا پر رسول اللہ نے صلح کی تھی اور ابتداءً حضرت عمرؓ کی فہم میں نہ آسکی، وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورۂ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا

اس زمانے تک کافرہ عورتوں کا عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی کہ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ تو یہ امر ممنوع ہو گیا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافرہ تھیں طلاق دیدی۔ اِن میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا اُم کلثوم بنت جرول تھا۔ ان دونوں کے طلاق دینے کے بعد، حضرت عمرؓ نے جمیلہ سے جو ثابت بن ابی الافلح کی بیٹی تھیں نکاح کیا حضرت عمرؓ کے فرزند عاصم انہی کے بطن[3] سے تھے۔

[1] طبری صفحہ ۱۵۴۶ و صحیح بخاری و تتمہ حلبیہ [2] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۳۴۰ ذکر حدیبیہ [3] بخاری واقعات ۶

سنہ ۷ھ ۶۲۹ء جنگ خیبر

اسی سال رسول اللہ صلعم نے سلاطین اور والیان ملک کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔

سنہ ۷ھ میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ انہی میں سے سلام وکنانہ وغیرہ نے سنہ ۵ھ میں قریش کو جا کر بھڑکایا اور ان کو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اس تدبیر میں اگرچہ انکو ناکامی ہوئی لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۶ھ میں قبیلہ بنی سعد نے انکی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرت کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علی کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور پانسو اونٹ غنیمت میں ہاتھ آئے[۱]۔ پھر قبیلہ غطفان کو آمادہ کیا۔ چنانچہ جب آنحضرت خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سد راہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضرور تھا کہ یہودیوں کا زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض سنہ ۷ھ میں آنحضرت نے چودہ سو پیدل اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کا رخ کیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا لئے تھے۔ مثلاً حصن ناعم۔ حصن قموص۔ حصن صعب۔ وطیح اور سلالم، یہ سب قلعے جلد فتح ہو گئے لیکن وطیح وسلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمر مامور ہوئے وہ برابر دو دن جا کر لڑے۔ لیکن دونوں دن ناکام رہے، آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دونگا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ، علم نبوی کی امید میں بڑے سروسامان سے ہتیار سج سج کر آئے ان میں حضرت عمر بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی۔ لیکن قضا وقدر نے یہ فخر حضرت علی کے لئے اُٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرت نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت علی کو بلا کر علم انکو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا اور اُس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ خیبر کی زمین آنحضرت نے مجاہدین کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا حضرت عمر کے حصے میں آیا، حضرت عمر کے حصے میں آیا، حضرت عمر نے اسکو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں

[۱] مواہب لدنیہ وزرقانی ذکر سریۃ علیؓ الی بنی سعد ۱۲

یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقت تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال آنحضرت نے حضرت عمرؓ کو ۳۰۔ آدمیوں کے ساتھ قبیلۂ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا اُن لوگوں نے حضرت عمرؓ کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

فتح مکہ

۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اُس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایۂ امن میں آ جائے چنانچہ قبیلۂ خزاعہ نے آنحضرت کا اور خاندان بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان قبیلوں میں مدت سے اَن بَن تھی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی روسے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے لیکن چندی روز کے بعد بنو بکر نے نقض عہد کیا اور قریش نے اُن کی اعانت کی یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جاکر پناہ لی تب بھی اُنکو پناہ نہ ملی خزاعہ نے جاکر آنحضرت سے استغاثہ کیا۔ ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اُٹھکر حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملہ کو طے کرا دیجئے حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل نا اُمید ہو گیا۔

آنحضرت نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں اور رمضان ۸ھ میں ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے مقام مرالظہران میں نزولِ اجلال ہوا تو حضرت عباس، آنحضرت کے خچر پر سوار ہوکر مکہ کی طرف چلے اُدھر سے ابوسفیان آرہا تھا حضرت عباس نے اُس سے کہا۔ آمیں تجکو رسول اللہ سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں، ابوسفیان نے غنیمت سمجھا۔ اور حضرت عباس کے ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ حضرت عباس اس کی سفارش کے لیئے جارہے ہیں بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ مدت کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے کہ اسکی گردن مار دوں۔ حضرت عباس رضؓ نے کہا کہ عمرؓ! ابوسفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہوتا، اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس طرح اُس کی جان کے خواہاں نہوتے،

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجکو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اُس وقت ہوئی تھی جب آپ اسلام لائے تھے"، آنحضرت نے حضرت عباس کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا۔

آنحضرت بڑے جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور دکعبہ پر کھڑے ہوکر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جو بعینہٖ تاریخوں میں منقول ہے پھر حضرت عمر کو ساتھ لیکر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے حضرت عمر آنحضرت سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت بیگانہ عورت کو ہاتھ سے مس نہیں کرتے تھے، حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو، چنانچہ تمام عورتوں نے اُنھیں کے ہاتھ پر آنحضرت سے بیعت کی۔

غزوہ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین[۱] کے نام سے مشہور ہے۔ ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتدا سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے آنحضرت جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے چنانچہ اُسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑے سرو سامان سے روانہ ہوکر حنین میں ڈیرے ڈالے آنحضرت نے یہ خبر سُنی تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، حنین میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہوازن کو بھگا دیا لیکن جب غنیمت سے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اسقدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گئی اور بارہ ہزار آدمیوں میں سے معدودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے، اُن کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے اور ان میں حضرت عمر بھی شامل ہیں، چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق نے جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں اور مغازی و سیر کے امام مانے جاتے ہیں کتاب المغازی میں لکھا ہے۔

دبا پیغمبر چند تن از مہاجرین و انصار و اہل بیت باز ماندہ بودند مثل ابوبکر و علی و

[۱] حنین عرفات کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے قریب دس میل ہے [۲] تاریخ طبری ۱۶۶۲ صحیح مسلم غزوہ حنین۔

وعمر و عباس[۱]، الخ۔

لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر پلٹ گئی یعنی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

سنہ ۹ھ (۶۳۱ء) میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آنحضرت نے یہ سنکر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا اس لیے لوگوں کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں حضرت عمر نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لا کر آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا[۲]۔ غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا ہو گیا تو آنحضرت مدینہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن مقام تبوک میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ اس لیے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

اسی سال آنحضرت نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر اُن سے علیحدگی اختیار کی۔ اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی اس لیے تمام کو نہایت رنج و افسوس تھا تاہم کوئی شخص آنحضرت کی خدمت میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمر نے حاضر خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمرؓ نے پکار کر دربان سے کہا "شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہ (حضرت عمر کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لیے آیا ہوں، خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر حفصہ کی گردن مار دوں[۳]"، آنحضرت نے فوراً بلا لیا، حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ "کیا آپ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں" حضرت عمر نے کہا۔ تمام مسلمان مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں، آپ اجازت دیں تو اُنکو یہ مژدہ سُناؤں۔ اِس واقعہ سے حضرت عمر کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے" چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے انھیں واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ عمر! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے ہو یہاں تک کہ اب ازواج کے

---

[۱] ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نے نہیں دیکھی لیکن اُس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ زبان فارسی میں میری نظر سے گزرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے یہ ترجمہ سنہ ۶۲۰ھ میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اسکا ایک نہایت قدیم نسخہ الہ آباد کے کتب خانہ عام میں موجود ہے۔

[۲] ترمذی و ابو داؤد میں یہ واقعہ فضائل ابوبکر کے تحت میں منقول ہے لیکن غزوہ کی تعیین نہیں ہے ۱۲ [۳] صحیح مسلم باب الطلاق ۱۲

معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو"

سنہ ۱۰ھ میں تمام اطراف عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آ گئے۔

اسی سال آنحضرت نے حج کے لیئے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا آخری حج تھا۔

سنہ ۱۱ھ ماہ صفر میں آنحضرت نے رومیوں کے مقابلہ کے لیئے اسامہ بن زید کو مامور کیا اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ اُنکے ساتھ جائیں، لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

آنحضرت بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے بیہقی نے بسند صحیح ۱۰ دن کی تعداد بیان کی ہے سلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اسقدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت اسقدر بحال تھے کہ آپ دروازے تک آ گئے اور پردہ اُٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ **قرطاس** کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے واسطے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آیندہ گمراہ نہ ہوگے اس پر **حضرت عمر** نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لیئے قرآن کافی ہے" حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) روایت میں ھجر کا لفظ ہے جسکے معنی ہذیان کے ہیں۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے، ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی و سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلعم بستر مرگ پر ہیں اور اُمت کے درد اور غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھدوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے" یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اسلیئے اُس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا باوجود اسکے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے" طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان

له فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۰

سے تعبیر کیا تھا (نعوذ باللہ)

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصولِ درایت سے کسی نے کام نہیں لیا اس لیے اصل مسئلہ نامنفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھیڑ گیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرت عوارضِ انسانی سے بری نہ تھے۔ یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لیے پہلے واقعاتِ ذیل کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) آنحضرت کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لیے اس واقعہ کے بعد آنحضرت چار دن تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدتِ بیماری میں آنحضرت کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلالِ حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) باایں ہمہ بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

(۵) عبداللہ بن عباس کی عمر اس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

(۶) اس سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سنا۔[۱]

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ

---

[۱] بخاری باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے۔ اس لیے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور بدلائل قطعی ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو باب فتح الباری کتابۃ العلم ۱۲

بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں [۱]۔

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت کے اختلال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں، صرف اسقدر کہنے سے کہ "قلم دوات لاؤ" لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہوسکتا تھا؟ فرض کرو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہوسکتا ہے لیکن اسکے تو یہ معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وقت کے قریب یہ کہنا کہ "قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھدوں کہ تم آیندہ گمراہ نہ ہو" اس میں ہذیان کی کیا بات ہے [۲]؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح بھی جائے تب بھی اسقدر بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرماتے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہوسکتا ہے اسکے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبد اللہ بن عباس اسکے راوی ہیں اور یہ کہ انکی عمر اسوقت کل ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے! ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری و مسلم کی حدیث پر شبہہ کیا جائے لیکن اسکو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

---

[۱] علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر ان کو ناز ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار اور استفہام کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرت کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے خدانخواستہ آنحضرت کا قول ہذیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جائے۔" یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں مثلاً ہجر ہجر (دو دفعہ) یا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یھجر (صحیح مسلم) ۱۲

[۲] ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلعم لکھنا نہیں جانتے تھے اس لیے آپکا یہ فرمانا کہ "میں لکھدوں" ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنی لکھوانے کی بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع و ذائع ہے۔

غرض آنحضرت اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اس اثناء میں وقتاً فوقتاً بہت سی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، عین وفات کے دن آپ کی حالت اسقدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا اور حضرت ابو بکرؓ اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے[1] لیکن حضرت عمرؓ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے ۱۲ ربیع الاول سلہ دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلنے پر مدفون ہوئے۔ جماعتِ اسلام کو آپ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اُس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اسقدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجدِ نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرت نے وفات پائی اُس کو قتل کر ڈالوں گا" لیکن قرائن اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے ہمارے نزدیک چونکہ مدینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرت کی وفات کا منتظر تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے مصلحۃً اس خبر کے پھیلنے کو روکا ہوگا اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس سے مطابق نہیں ہو سکتیں ÷

سقیفۂ بنی ساعدہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو اُنکے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ اُنکو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں، اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسندِ حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں سے (حضرت ابو بکر و عمرؓ) سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کیے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اُس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؓ و خاندانِ بنی ہاشم، اُن پر فطرتی

[1] طبری صفحہ ۱۸۱۰-۱۸۱۱۔

تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے اُنکو آنحضرت کے درد وغم اور تجہیز و تکفین سے اِن باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت در ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر (و ابوبکر وغیرہ) آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ اُنھوں نے سقیفہ میں پہنچکر خلافت کے بارے میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا اُن پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا یہ بھی سچ ہے کہ اُنھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی سے بھی بزور منوانا چاہا گو بنو ہاشم نے آسانی سے اُن کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کیا خلافت کا سوال، حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

(۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

(۳) کیا حضرت علی اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہیئے تھا یا نہیں۔

دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب مسند ابویعلیٰ[1] کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفة بنی ساعدة فادرکوا ھم ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب! (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو ہٹو ہم لوگ آنحضرت کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اُسنے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے، یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں اس لیئے جلد پہنچکر اُن کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اسوقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو۔

اِس سے ظاہر ہوا کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے

[1] دیکھو فتح الباری جلد ۷، صفحہ ۲۳

سقیفۂ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اُس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ بنو ہاشم جس میں حضرت علی شامل تھے۔ مہاجرین جن کے رئیس و افسر حضرت ابوبکر و عمرؓ تھے۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ سعد بن عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرت کی وفات کے دن حضرت علی مکان سے باہر نکلے، لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے۔ چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی حضرت علی رضؓ نے کہا خدا کے فضل سے آپ اچھے ہو گئے۔" حضرت عباس نے اِن کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے، کیونکہ مجھکو اس کا تجربہ ہے کہ خاندانِ عبد المطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے، آؤ چلو رسول اللہ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد یہ منصب (خلافت) کس کو حاصل ہوگا،" اگر ہم اسکے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لیئے وصیت فرما دینگے"۔ حضرت علی نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت نے انکار کر دیا تو پھر آیندہ کوئی اُمید نہ رہیگی۔[1]

اِس روایت سے حضرت عباس کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی کو آنحضرت کی وفات کا اُس وقت تک یقین نہ تھا اس لیئے اُنھوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے علاوہ اُن کو اپنے انتخاب کیئے جانے پر بھروسا نہ تھا۔

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور اُنکے اتباع شریک تھے اور حضرت علی اُنکے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر کی زبانی روایت ہے۔

کان من خبرنا حین توفی اللہ نبیہ ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرھم فی سقیفۃ بنی ساعدۃ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما واجتمع المھاجرون الی ابی بکر۔	ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھالیا تو انصار نے قاطبۃً ہماری مخالفت کی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی اور زبیر اور اُن کے ساتھیوں نے مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوئے۔[2]

[1] صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری [2] صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلیٰ ۱۲

یہ تقریر حضرت عمر نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جس میں سیکڑوں صحابہ موجود تھے اِس لیے اسبات کا گمان نہیں ہوسکتا کہ اُنھوں سے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو۔ ورنہ لوگ اُنکو وہیں ٹوکتے۔

امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہوگیا ہے؛ اسکے یہ الفاظ ہیں۔

وان علیا والزبیر و من کان معہما تخلفوا فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ	اور علی اور زبیر اور جو لوگ اُن کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہرا کے گھر میں ہم سے الگ ہوکر جمع ہوئے۔
تاریخ طبری میں ہے۔ وتخلف علی والزبیر واخترط الزبیر سیفہ وقال لا اغمدہ حتی یبایع علی۔	اور حضرت علی و زبیر نے علیحدگی اختیار کی اور زبیر نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار کو میان میں نہ ڈالونگا

اِن تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ۔

(۱) آنحضرت کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہوگئے۔ انصار۔ مہاجرین۔ بنو ہاشم

(۲) مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کے، اور بنو ہاشم حضرت علی کے ساتھ تھے۔

(۳) جس طرح حضرت عمر وغیرہ آنحضرت کو چھوڑکر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علی بھی آنحضرت کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علی کا نجانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت کے غم والم میں مصروف تھے اور اُن کو ایسے پردرد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکتا تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین و انصار جمع تھے اور وہاں دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی کے دعوے کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بیجا تھا یا بجا؟ اسکو ہر شخص جو ذرا بھی اُصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اسبات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کردیں۔ اس نازک وقت میں کیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع و فزع اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا

[1] فتح الباری شرح حدیث مذکور [2] تاریخ طبری صفحہ ۱۸۲۰۔

انتظام کر لیا جائے اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے۔ انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا۔ کیونکہ قریش جو انصار کو اسقدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار اُن کے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرت کو مخاطب کرکے کہا کہ محمد! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے کس طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم کرسکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ میں جو خطبہ پڑھا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا وان العرب لا تعرف ھذا الامر الا لھذا الحی من قریش اسکے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضرور تھا کہ انصار کے دعوی خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے اُن میں سب سے با اثر اور بزرگ اور معتمر حضرت ابوبکر تھے، اور فوراً اُنکا انتخاب ہو بھی جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعۃً حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمان۔ ابوعبیدہ جراح۔ عبدالرحمن بن عوف نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی سے ایک اُٹھتا ہوا طوفان رُک گیا، اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے ادعا پر رُکے رہے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر نے بزور اُن سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علی کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے، حضرت فاطمہ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ "یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہمکو سب سے زیادہ محبوب ہیں، تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے، گھر میں آگ لگا دوں گا"، اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اعتبار ظاہر نہیں کرسکتے۔ کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہوسکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر

سلہ ابن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ اول صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔

نے نہایت تیزی و سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں، لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ان ہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعتِ اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چلکر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے۔ کیونکہ اُنھوں نے جمادی الثانی ۱۳ھ میں انتقال کیا۔ اس عہد میں اگرچہ جسقدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمرؓ ہی کی شرکت سے انجام پائے تاہم اُن واقعات کو ہم "الفاروق" میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں اور اُس شخص کا حصہ ہیں جسکو حضرت ابوبکرؓ کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکر کو اگرچہ مدتوں کے تجربے سے یقین ہوگیا تھا کہ خلافت کا بار گراں حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی سے اُٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب، اُنھوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبد الرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا اُنھوں نے کہا عمرؓ کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا اُنکی سختی اسلیئے تھی کہ میں نرم تھا، جب کام اُن ہی پر آپڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عثمان کو بلا کر پوچھا اُنھوں نے کہا۔ میں اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے۔ اور ہم لوگوں میں اُن کا جواب نہیں"۔ جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا چنانچہ طلحہؓ نے حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے، عمرؓ کا لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہونگے تو خدا جانے کیا کریں گے، آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اُس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا، یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بلایا اور عہد نامۂ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمان نے یہ دیکھکر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھدیئے کہ "میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں"۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان سے کہا کہ کیا لکھا ہے مجکو پڑھکر سناؤ۔ حضرت عثمان رضہ نے پڑھا تو بے ساختہ اَللّٰہُ اکبر پکار اُٹھے اور کہا کہ خدا تمکو جزائے خیر دے۔ عہد نامہ لکھا جا چکا تو

حضرت ابوبکر نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر مجمع عام میں سنائے، پھر خود بالاخانہ پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ نہیں مقرر کیا بلکہ عمرؓ کو مقرر کیا کیا تم لوگ اس پر راضی ہو، سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت مؤثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لیے عمدہ دستور العمل کے بجائے کام آئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی سنہ ۱۲ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ سنہ ۱۳ ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہی مہمات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کو فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بایدہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اس کے حالات بالکل نامعلوم ہیں، تاہم اس قدر مشہور ہے کہ عاد و عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا عرب عاربہ جو یمن کے فرمانروا تھے انکی حکومت ایک زمانہ میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا اور بیت المقدس کی بربادی نے اسکے نام کو شہرت دیدی ہے جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اسکے مطیع ہو گئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی اعرابوں نے مستقل حکومت قائم کر لی جس کا پہلا فرمانروا مالک بن فہم عدنانی تھا۔ اس خاندان میں جذیمۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی اسکا بھانجا عمرو بن عدی جو اس کے بعد تخت نشین ہوا اس نے

حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دور میں اسقدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرہ میں اُس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اس زمانے میں آردشیر بابک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگزار بنالیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاہ پور بن اردشیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرماں روا تھا اسکے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے اور امرء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا اسلئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سابور ذی الاکتاف جب صغر سنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی یہاں تک کہ قبیلہ عبد القیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا اور ایاذ نے عراق کے صوبے دبا لیے۔ شاپور بڑا ہو کر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ بحر میں پہنچکر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبد القیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رؤسائے عرب جو گرفتار ہو کر اسکے سامنے آتے تھے اُن کے شانے اُکھڑوا ڈالتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوی الاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانے میں تھا۔ عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیلِ مذہب پر یا اور کسی سبب سے پرویز نے اُسکو قید کر دیا اور قید ہی میں اُسنے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیے تھے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا۔ پرویز نے اُس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اُسنے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار سوار کے ساتھ بھیجا کہ بزور چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام میں بڑے سروسامان سے جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی۔ اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ

هذا اول یوم انتصفت العرب من العجم یعنی "یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا"

سلہ ہشام کلبی نے یہ تصریح کتاب التیجان میں کی ہے۔

عرب کے تمام شعرا نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے جن میں
جب رسول اللہ صلعم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اسکے کہ ان خطوط
میں جنگ و جدل کا اشارہ تک نہ تھا پرویز نے خط پڑھکر کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجکو یوں لکھتا ہے"
اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ باذان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیجدو کہ محمد کو گرفتار کرکے دربار
میں لائے، اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اُس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ
یہیں تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلیح و غسان و جذام وغیرہ شام کے
سرحدی اضلاع میں جاکر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی
قبضہ کر لیا تھا اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کرکے شام کے بادشاہ کہلانے لگے۔ لیکن یہ لقب
خود ان کا خانہ ساز لقب تھا ورنہ جیسا کہ مؤرخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے درحقیقت وہ رومی سلطنت
کے صوبہ دار تھے۔ ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اس وجہ سے
اُنکو رومیوں کے ساتھ ایک خاص قسم کی یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح
وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے سنہ ۶ھ میں جب رسول اللہ صلعم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا اور
وحیہ کلبی جو خط لیکر گئے تھے، واپس آتے ہوئے ارض جذام میں پہنچے تو ان ہی شامی عربوں نے وحیہ
پر حملہ کیا اور ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دیکر بصریٰ کے
حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شرحبیل نے اُن کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ اُس کے انتقام کے لیے رسول اللہ
نے سنہ ۸ھ میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس لڑائی میں زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار
عبد اللہ بن رواحہ جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوگئے اور گو خالد کی حکمت عملی سے فوج صحیح
و سلامت نکل آئی تاہم نتیجہ جنگ درحقیقت شکست تھا۔

سنہ ۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملے کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلعم خود
پیشقدمی کرکے مقام تبوک تک پہنچے تو اُن کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہوا۔ اگرچہ اُس وقت عارضی طور
سے لڑائی رک گئی۔ لیکن رومی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے بھی غافل نہیں رہے یہانتک کہ مسلمانوں
کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ کی نسبت

مشہور ہوا کہ آپ نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دیدی تو ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے جا کر کہا کچھ تم نے سُنا!! حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں؟ کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے؟ اسی حفظ ماتقدم کے لئے سللھ ہجری میں رسول اللہؐ نے اُسامہ بن زیدؓ کو سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور بڑے بڑے نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اُسامہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہؐ نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص مارا جائیگا شہید ہو گا۔ اور جو بچ جائیگا مُدافع عن الدین ہو گا۔ یعنی دین کو اُسنے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہو گا"

اِن واقعات سے ظاہر ہو گا کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمرؓ نے جسکی تکمیل کی اُس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحات[1] عراق[2]

فارس کی حکومت کا چوتھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے نوشیروان عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے آنحضرتؐ کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی۔ لیکن اسکے مرنے کے ساتھ دفعتہً ایسی ابتری پیدا ہوگئی کہ ایوانِ حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اُسکے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش ۱۵ تھے قتل کرا دیا۔ اُس کے بعد اُسکا بیٹا اردشیر ۷ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا

---

[1] جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کیئے ہیں یعنی جو حصہ عرب سے ملحق ہے اُسکو عراق عرب اور جو حصہ عجم سے ملحق ہے اُسکو عراق عجم کہتے ہیں۔ عراق عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں جزیرہ جنوب میں بحر فارس، مشرق میں خوزستان اور مغرب میں دیار بکر ہے جس کا مشہور شہر موصل ہے۔ دارالسلطنت اس کا بغداد ہے اور جو بڑے بڑے شہر اس میں آباد ہیں وہ بصرہ۔ کوفہ۔ واسط وغیرہ ہیں +

[2] ہمارے مؤرخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سنین کو عنوان قرار دیتے ہیں لیکن اس میں یہ نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آتے ہیں کہ سنہ ختم ہوا چاہتا ہے اور اُن کو اُس سنہ کے تمام واقعات لکھنے میں اِس لیئے قبل اس کے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں یا موزوں موقع پر اُن کا سلسلہ ٹوٹے۔ شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھیڑ دینا پڑتا ہے۔ اس لیئے میں نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جا۔ شام کو ایک جا۔ اور مصر کو ایک جا لکھا ہے ۱۲

لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اسکو قتل کر دیا، اور آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ سنہ ہجری کا بارھواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اسکو قتل کرکے جوان شیر کو تخت نشین کیا وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولاد ذکور باقی نہیں رہی تھی۔ پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزدگرد سن شعور کو پہنچ جائے گا تو وہی تاج و تخت کا مالک ہوگا۔[51]

پرویز کے بعد جو انقلاب حکومت ہوتے رہے اسکی وجہ سے ملک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی چنانچہ پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوانِ شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اِس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی جمعیت پہنچا کر عراق کی سرحد حیرۃ و اُبلہ کی طرف غارتگری شروع کی۔ یہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد سیف اللہ یمامہ در دیگر قبائل عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے مثنیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ۔ خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن اسوقت تک انکا تمام قبیلہ عیسائی یا بُت پرست تھا۔ حضرت ابوبکر کی خدمت سے واپس آکر اُنھوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[52]

اِن نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ لیکر عراق کا رُخ کیا۔ ادھر حضرت ابوبکر نے خالد کو مدد کے لیے بھیجا خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لیئے اور حیرہ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے خورنق ایک مشہور محل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالد کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن اُنکے بیان کرنے کا یہ محل نہیں خالد نے مہماتِ عراق کا فیصلہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اُدھر شام کی مہم درپیش تھی اور جس زور شور سے

---

[51] شیرویہ کے بعد سلسلہ حکومت کی ترتیب اور ناموں کی تعیین میں مورخین اسقدر مختلف ہیں کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہیں۔ فردوسی کا بیان سب سے الگ ہے۔ میں نے بلحاظ قدیم العہد اور فارسی النسل ہونے کے ابوحنیفہ دینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے ۱۲

[52] اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری ۱۱۱ [53] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۴۱۔

وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اُسکے مقابلے کا وہاں پورا سامان نہ تھا حضرت ابوبکر نے ربیع الثانی ۱۳ھ ۶۳۴ء میں[1] خالد کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور مثنیٰ کو اپنا جانشین کرتے جائیں، خالد ادھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعۃً رُک گئیں۔

حضرت عمر مسندِ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی۔ بیعت خلافت کے لیے تمام اطراف و دیار سے بیشمار آدمی آئے تھے اور تین دن تک اُن کا تانتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمر نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمعِ عام میں جہاد کا وعظ کہا۔ لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومتِ فارس کا پایہ تخت ہے اور وہ خالدؓ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا اس لیے سب خاموش رہے حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے اُٹھ کر کہا کہ "مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مرد میداں نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں"، حاضرین میں ابو عبید ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے۔ وہ جوش میں آکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا لھذا یعنی "اس کام کے لیے میں ہوں" ابو عبید کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اُٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ اور مضافات سے ہزار آدمی[2] انتخاب کیے اور ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرت کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا یعنی صحابی نہ تھے۔ اس وجہ سے اُنکی افسری پر کسی کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ "عمرؓ! صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دو فوج میں سینکڑوں صحابی ہیں اور اُن کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے"، حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ "تم کو جو شرف تھا وہ ہمت و استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چرائیں وہ افسر مقرر کیے جائیں"، تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضرور تھی۔ ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ اُن کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں اُن سے مشورہ لینا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اُس نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا چنانچہ پوران دخت

---

[1] بلاذری صفحہ ۲۵۰ [2] یہ بلاذری کی روایت ہے ابو حنیفہ دینوری نے ۵ ہزار تعداد لکھی ہے ۱۲

نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کرکے کہا کہ تو سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ یہ کہہ کر اُس کے سر پر تاج رکھا اور درباریوں کو جن میں تمام امراء اور اعیانِ سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نکریں" چونکہ اہل فارس اپنی نااتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے اُنھوں نے دل سے اِن احکام کی اطاعت کی، اسکا اثر یہ ہوا کہ چند روز میں تمام بدانتظامیاں مٹ گئیں۔ اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کر لی جو ہرمز و پرویز کے زمانے میں اُسکو حاصل تھی ✦

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ اضلاعِ عراق میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیئے جنھوں نے مذہبی حمیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے برخلاف بغاوت پھیلا دی چنانچہ ابو عبید کے پہنچنے سے پہلے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے" پوران دخت نے رستم کی اعانت کے لیئے ایک اور فوج گراں تیار کی نرسی و جاپان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اُسکو خاص عداوت تھی۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض اضلاع قدیم سے اُسکی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے اِدھر ابو عبید و مثنیٰ حیرہ تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے۔ جاپان نمارق پہنچکر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبید نے اس اثنا میں فوج کو سر و سامان سے آراستہ کر لیا۔ اور پیشقدمی کرکے خود حملے کے لیئے بڑھے، نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جاپان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ۔ بدقسمتی سے اُسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جاپان اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اُسکو گرفتار کیا تھا وہ اُسکو پہچانتا نہ تھا جاپان نے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں تمھارے کس کام کا ہوں مجکو چھوڑ دو۔ اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اُس نے منظور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جاپان کو پہچانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن ابو عبید نے کہا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں ✦

ابو عبید نے اس معرکے کے بعد کسکر کا رُخ کیا جہاں نرسی فوج لیے پڑا تھا۔ سقاطیہ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا، خود کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ میمنہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی میں دیر کرتا تھا کہ پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبید کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی، انھوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ بہت بڑے معرکے کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبید نے خود سقاطیہ میں مقام کیا اور تھوڑی تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہے ان کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراوندا جو بارو سما اور زوابی کے رئیس تھے مطیع ہو گئے۔ چنانچہ اظہار خلوص کے لیے ایک دن ابو عبید کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابو عبید نے دریافت کیا کہ یہ سامان کل فوج کے لیے ہے یا صرف میرے لیے؟ فرخ نے کہا اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو عبید نے دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جس کو نوشیرواں نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح و ظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا، بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اس پار اُتر کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابو عبید کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا ہم کو اسی طرف رہنا چاہیے لیکن ابو عبید جوش شجاعت کے نشے میں سرشار تھے سمجھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے۔ سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں'' مردان شاہ جو پیغام لیکر آیا تھا اُس نے کہا ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ ''عرب مرد میدان نہیں ہیں'' اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا اور ابو عبید نے اُسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دیدیا۔ مثنیٰ اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت و شان میں اُن کا

رتبہ ابوعبید سے بڑھکر تھا۔ جب ابوعبید نے اصرار کیا تو اُن لوگوں نے کہا اگرچہ ہمکو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہوگی تاہم اسوقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں، غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اُتر کر غنیم سے معرکہ آرا ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا اس لیے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کرسکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا، بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے اور بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا بدک کر پیچھے ہٹے۔ ابوعبید نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو للکارا کہ جانبازو! ہاتھیوں کو بیچ میں سے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت اُلٹ دو، اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی ابوعبید یہ دیکھکر پیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مستک سے الگ ہوگئی ہاتھی نے بڑھکر اُن کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھدیے کہ ہڈیاں تک چُور چُور ہوگئیں۔

ابوعبید کے مرنے پر اُن کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اُس نے ابوعبید کی طرح اُن کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابوعبید کے ہم نسب اور خاندانِ ثقیف سے تھے، باری باری علم ہاتھ میں لیے اور مارے گئے آخر میں مثنیٰ نے علم ہاتھ میں لیا۔ لیکن اُس وقت لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی۔ طرہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پل کے تختے توڑ دیے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے لیکن لوگ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے مثنیٰ نے دوبارہ پل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار اُتار دے خود بچی کھچی فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رُک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا

کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔

اسلام کی تاریخ میں میدانِ جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ و نادر وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آگیا ہے تو اُس کا عجیب افسوسناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے، اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے، مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ لوگ مسلمانوں کی بدقسمتی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے۔ جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں روپوش تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس جا کر اُن کو تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم اوْ متحیزاً الی فئۃٍ میں داخل ہو۔ لیکن ان کو اس تاویل سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ حسب بیان بلاذری ۲۳ ہفتہ کے دن رمضان ۱۳ھ میں واقع ہوا۔ اس لڑائی میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے۔ وہ سلیط۔ ابوزید انصاری۔ عقبہ و عبداللہ پسران قبطی ابن قیس یزید بن قیس الانصاری۔ ابوامیۃ الفزاری وغیرہ تھے۔

واقعہ بویب رمضان ۱۴ھ

اس شکست نے حضرت عمرؓ کو سخت برہم کیا اور نہایت زور شور سے حملہ کی تیاریاں کیں تمام عرب میں خطبا اور نقیب بھیجدیئے۔ جنھوں نے پرجوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگادی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل اُمنڈ آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا، بنوتمیم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لیکر پہنچے۔ اسی طرح قبیلہ رباب۔ بنو کنانہ۔ خثعم۔ بنو حنظلہ۔ بنوضبہ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں،" ان دونوں سرداروں کے ساتھ اُن کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریر بجلی دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ ایک مشہور سردار تھا اور جناب

رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے رسول اللہ صلعم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا تو انھوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیجدیئے کہ جہاں جہاں اسکے قبیلے کے آدمی ہوں تاریخ معین پر اسکے پاس پہنچ جائیں۔ جریر یہ جمعیت اعظم لیکر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

اُدھر مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقبا بھیجکر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار انتخاب کیے جائیں اور مہران بن مہرویہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اُس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کرسکتا تھا کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ مہران پایہ تخت سے روانہ ہوکر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا۔ صبح ہوتے فرات اُتر کر بڑے سروسامان سے لشکر آرائی شروع کی مثنیٰ نے بھی نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصے کرکے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیئے چنانچہ میمنہ پر مذعور، میسرہ پر نسیر۔ پیدل پر مسعود، والنیٹر پر عاصم۔ گشت کی فوج پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہوچکا تو مثنیٰ نے اِس سرے سے اُس سرے تک ایکبار چکر لگایا اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہوکر کہا۔ "بہادرو! دیکھنا تمھاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آئے۔"

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج حربہ و ہتیار سے آراستہ ہوجاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرے پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مثنیٰ نے دوسری تکبیر بھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھکر مسلمان ضبط نہ کرسکے اور کچھ لوگ جوش میں آکر صف سے آگے نکل گئے مثنیٰ نے غصے میں آکر ڈاڑھی دانتوں میں دبالی اور پکارے کہ "خدا کے لیئے اسلام کو رسوا نہ کرو"، اِس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آکر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہکر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اُٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو للکار کر گھبرانا نہیں یہ نامردانہ غل ہے عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہمقوم ہو

اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ اُنھوں نے لبیک کہا مثنیٰ نے اِن سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لیکر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اسطرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے للکار کر مسلمانو! کہاں جاتے ہو؟ میں کھڑا ہوں" اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے۔ مثنیٰ نے اُن کو سمیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے اُن کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی۔ مثنیٰ نے للکارا کر مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہیں شرفا یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمھارے علم جھکنے نہ پائیں۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ میرے مرنے سے بیدل نہ ہونا"

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اُتر کر اُسکو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کُل کا کُل برباد ہو گیا۔ شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکف لڑ رہا تھا کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پکارا میں ہوں تغلب کا نوجوان[51] اور رئیس عجم کا قاتل۔

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پُل کے پاس پہنچکر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اِس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا اُدھر گزر ہوا تو اُنھوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ اُن کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے آخیر دن آگئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم[52] سے لڑ چکا ہوں۔ اُس وقت

---

[51] الاخبار الطوال لابی حنیفۃ الدنیوری ۱۲ [52] طبری بروایت سیف ۱۲

تو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکے کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اُس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچاکر اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا پایہ تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ زنانہ حکومت، اور آپس کے اختلاف کا یہی نتیجہ تھا؛ اُسی وقت پوران دخت کو تخت سے اُتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس کا جوان تھا اور خاندانِ کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہ گیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست و بازو تھے اور آپس میں عناد رکھتے تھے درباریوں نے اُن سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کیے دیتے ہیں غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آگئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں۔ عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں عجم کا سہارا پاکر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمر کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں اُن کو طلبی کا حکم بھیجدو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔"

اس کے ساتھ خود بڑے سروسامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں، ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاعِ عرب میں جہاں جہاں کوئی بہادر رئیس۔ صاحب تدبیر۔ شاعر۔ خطیب۔ اہل الرائے ہو فوراً دربارِ خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان اُمنڈ آیا۔ سعد بن وقاص نے تین ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضرت موت۔ صدف۔ مذحج۔ قیس عیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لیکر آئے۔ مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار بنو تمیم درباب کے چار ہزار۔ بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

سلہ یہ ابو حنیفہ دینوری کی روایت ہے طبری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے ۱۲

حضرت عمر حج کرکے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو، میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہراول پر طلحہ، میمنہ پر زبیر، میسرہ پر عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علیؓ کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود مدینے سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے پر کمریں باندھ لیں۔ صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیرالمؤمنین کا خود معرکۂ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا اس لئے صرار میں فوج کو جمع کرکے تمام لوگوں سے رائے طلب کی، عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ "امیرالمؤمنین! یہ مہم آپ کے بغیر سر نہ ہو گی"، لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کرکے کہا کہ میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا، لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں۔ غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمر خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا۔ ابو عبیدہ و خالد شام کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی گئی مگر انہوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی حیص و بیص میں تھے کہ دفعۃً عبدالرحمٰن بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پا لیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاص۔

سعد بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ کے ماموں تھے ان کی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس بنا پر حضرت عمر کو پھر بھی تردد تھا لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے کی تائید کی تو چار و ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات قبضۂ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی ان کی خاص

ہدایت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمرؓ نے نامزد کردی تھیں چنانچہ مورخ نے نام بنام اُن کی تصریح کردی ہے۔

غرض سعدؓ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷۔ ۱۸ منزلیں طے کرکے ثعلبہ پہنچے[1] اور یہاں مقام کیا۔ ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے مثنیٰ کو سعدؓ کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہوکر کوفہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اُسی کے صدمے سے انتقال کیا۔ سعدؓ نے ثعلبہ سے چلکر شراف میں ڈیرے ڈالے یہاں مثنیٰ کے بھائی مُعنّیٰ اُن سے آکر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے سعدؓ سے بیان کیئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ جہاں فوج کا پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھکر آئیں۔ سعدؓ نے اُس مقام کا نقشہ۔ لشکر کا پھیلاؤ۔ فرودگاہ کا ڈھنگ۔ رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے اُن کو اطلاع دی۔ وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں بہت سی ہدایتیں۔ اور فوج کی ترتیب سے قواعد تھے سعدؓ نے اِن احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جایزہ لیا جو کم و بیش تیننس ۳۳ ہزار ٹھیری پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کرکے ہر ایک پر جُدا جُدا افسر مقرر کیئے۔ فوج کے جُدا جُدا حصّوں اور اُنکے افسروں کی تفصیل۔ طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

حصّہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ	جاہلیت میں یہ بحرین کے بادشاہ تھے رسول اللہؐ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہوکر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔
میمنہ (دایاں حصہ)	عبداللہ بن المعتصم	صحابی تھے۔
میسرہ (بایاں حصہ)	شرجیل بن السمط	نوجوان آدمی تھے۔ مرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی۔

[1] بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زرود لکھا ہے یہ دونوں مقام آپس میں نہایت متصل اور بالکل قریب ہیں ۱۲

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ساقہ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجرد (بیقاعدہ فوج)	سلمان بن ربیعۃ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبداللہ بن ذی السہمین	
قاضی و خزانچی	عبدالرحمن بن ربیعۃ الباہلی	
رایدیعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنیوالے	سلمان فارسی	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے۔
مترجم	ہلال ہجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طبیب[1]		

امرائے اعشار میں سے سترہ صحابہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ تین سو وہ جو بیعت الرضوان میں حاضر تھے۔ اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے۔ سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی میں تھے کہ دربارِ خلافت سے ایک اَور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ "شراف سے آگے بڑھکر قادسیہ[2] میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہانتک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو"۔

قادسیہ نہایت شاداب اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے مشہور مقام تھا حضرت عمر جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرے تھے اور اس موقع کی ہیئت او کیفیت سے واقف تھے۔ چنانچہ

[1] افسوس ہے کہ طبری نے طبیبوں کے نام نہیں لکھے صرف اسقدر لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فوج کے ساتھ طبیب بھیجے

[2] یہ کوفہ سے ۴۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا ۱۲

سعد کو جو فرمان بھیجا اُس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا تاہم چونکہ پُرانا تجربہ تھا سعد کو لکھا کہ قادسیہ پہنچکر سرزمین کا پُورا نقشہ لکھکر بھیجو۔ کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام سے پُورے حالات مجکو معلوم نہ تھے" سعد نے نہایت تفصیل موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے۔ دربارِ خلافت سے روانگی کی اجازت آئی چنانچہ سعد شراف سے چلکر عذیب پہنچے، یہاں عجمیوں کا میگزین رہا کرتا تھا اور وہ مفت ہاتھ آیا قادسیہ پہنچکر سعد نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبریں لائیں اُنھوں نے آکر بیان کیا کہ رستم (پسر فرخ زاد) جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مداین سے چلکر ساباط میں ٹھہرا ہے۔ سعد نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور اُن کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعد نے سردارانِ قبائل میں سے چودہ نامور شخص انتخاب کیئے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ عطارد بن حاجب۔ اشعث بن قیس حارث بن حسان۔ عاصم بن عمر۔ عمرو معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معنی بن حارثہ۔ قد و قامت اور ظاہری رعب وداب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن ابی رہم۔ حملہ بن جویۃ۔ حنظلہ بن الربیع التمیمی۔ فرات بن حیان العجلی۔ عدی بن سہیل۔ مغیرہ بن زرارہ۔ عقل و تدبیر۔ اور حزم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پایہ تخت، قدیم زمانے میں اصطخر تھا لیکن نوشیرواں نے مدائن کو دار السلطنت قرار دیا تھا اور اُس وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰۔۴۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔ سفرا گھوڑا اڑاتے ہوئے سیدھے مداین پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزر ہوتا تھا۔ تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچکر ٹھیرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتیار تک نہ تھا تاہم بیباکی اور دلیری اِن کے چہروں سے ٹپکتی تھی اور تماشائیوں پر اسکا اثر پڑتا تھا، گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اُس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سفرا آئے ہیں یہ سُن کر بڑے سر و سامان سے دربار سجایا اور سفرا کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جبّے پہنے، کاندھوں پر

یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لیئے، موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھادی تھی، یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اُس پر ایک ہیبت طاری ہوئی۔●

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا بُرد۔ اس نے فارسی معنی کے لحاظ سے کہا "جہاں بُرد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی ان لوگوں نے کہا "سوط"، وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس را سوختند"۔ ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لیئے آگے بڑھے پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیئے پھر کہا کہ ہم تمام دُنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں جزیہ یا تلوار یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیجدیا جاتا تھا اور وہ تمھارا بل نکال دیتے تھے۔ اسپر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نکرسکے اور اُٹھکر کہا کہ یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کرکے) رؤساء عرب ہیں اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی نہیں کرسکتے۔ انھوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں۔ اُن کو میں بیان کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹے مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سے ممتاز تھا۔ اول اول ہم نے اُسکی مخالفت کی وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اسکی بات نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا اُس نے ہمکو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمھارے برابر ہیں جن کو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں جسکو دونوں باتوں سے انکار ہو اُسکے لیئے تلوار ہے"۔ یزدگرد غصے سے بیتاب ہوگیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہکر مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا "میں"، ملازموں نے ٹوکرا اُسکے

سر پر رکھدیا۔ وہ گھوڑا اُڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کر فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہمکو دیدی"!
اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنتِ فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا ساباط میں لشکر لیئے پڑا تھا۔ اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لیئے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے اس عرصہ میں بعض بعض رئیس اُدھر سے ادھر آگئے۔ ان میں جوشن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو رعایا جوق جوق یزدگرد کے پاس پہنچکر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہلِ عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چار ناچار رستم کو مقابلہ کے لیئے بڑھنا پڑا ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچکر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پیکر مستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنتِ عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جسدن ساباط سے بڑھیں سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ۔ لشکر کی ترتیب۔ اُتار۔ تاریخ۔ ان باتوں کے دریافت کے فوجی افسر متعین کیئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہوجاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ طلیحہ۔ رات کے وقت دشمن کے لشکر میں لباس بدلکر گئے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی۔ اس عرصہ میں لوگ جاگ اُٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ اُس نے قریب پہنچکر برچھی کا وار کیا۔ انھوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انھوں نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہوگئی۔ اُس کے ساتھ دو اور سوار تھے۔ اُن میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصہ میں تمام فوج میں ہل چل پڑگئی اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلیحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعد کے سامنے آکر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار

سوار کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اسکی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔ رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعد نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب ہیئت سے چلے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔ اس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے سر و سامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش۔ زریں گاؤ تکیے حریر کے پردے۔ صدر میں مرصع تخت ربعی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی اداسے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتیار رکھوا لینا چاہا انھوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں۔ تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں الٹا پھر جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے عرض کی۔ اس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی اداسے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا اسکی انی اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے تھے کہ پر تکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے تخت کے قریب پہنچکر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آر پار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا "اس لیے کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے" رستم نے کہا کہ میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دونگا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس آکر ان کے ہتیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ اور جب اس کے کاٹ کی آزمایش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربعی نے انکے ٹکڑے اڑا دیئے۔ ربعی اس وقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اخیر سفارت میں مغیرہ گئے، اس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر

ندیم وافسر نئے تاج زریں پہنکر کرسیوں پر بیٹھے۔ خیمے میں دیباو سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خدام اور منصبدار قرینے سے دو رویہ پرے جماکر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے۔ اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اِس گستاخی پر تمام دربار برہم ہوگیا یہاں تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر اُن کو تخت سے اُتار دیا۔ مغیرہؓ نے افسران دربار کیطرف خطاب کرکے کہا کہ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ تم نے بلایا تھا اس لیئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بنکر بیٹھے اور تمام لوگ اُس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں"۔ مترجم نے جسکا نام عبود تھا اور حیرہ کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا پھر بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لیکر کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا مغیرہ نے کہا کہ "آگ کی لَو گو چھوٹی ہو۔ پھر بھی آگ ہے"۔ رستم نے اُنکی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا کسقدر بوسیدہ ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔ اس نوک جھوک کے بعد معاملہ کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان وشوکت کا ذکر کرکے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلا دیا جائیگا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھکر کہا کہ "اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا"۔ رستم غصہ سے بھڑک اُٹھا اور کہا آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کردوں گا۔ مغیرہ اُٹھکر چلے آئے اور صلح وآشتی کی تمام اُمیدوں کا خاتمہ ہوگیا۔

قادسیہ[1] کی جنگ اور فتح

محرم ۱۴ھ؁ ۶۳۵؁ ہجری

رستم ابتک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا۔ لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اُسکو اسقدر غیرت دلائی کہ اُسی وقت کمربندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنادی جائے

[1] قادسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا اور مدائن سبعہ کے وسط میں تھا اب ویران پڑا ہوا ہے نقشہ میں اسکو شہر مدائن کے متصل سمجھنا چاہیئے۔

صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آگئی۔ خود سامانِ جنگ سے آراستہ ہوا۔ دُہری زرہیں پہنیں۔ سر پر خود رکھا ہتیار لگائے۔ پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ وہ کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا" کسی سپاہی نے کہا۔ ہاں اگر خدا نے چاہا۔ بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی"

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا۔ ہودجوں اور عماریوں میں ہتیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لیئے موقع جنگ سے پایہ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیئے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقعِ جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق النسا کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ بالا خانے پر میدان کی طرف رُخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد اُن ہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں، فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقتِ جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعرا اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعرا میں۔ شماخ۔ حطیئہ۔ اوس بن مغرا۔ عبدۃ بن الطیب۔ عمرو بن معدی کرب، اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرۃ۔ غالب۔ ابن الہذیل الاسدی۔ بسر بن ابی رہم الجہنی۔ عاصم بن عمرو۔ ربیع معدی۔ ربعی بن عامر۔ میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ اُن پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

یا معاشر معد اجعلوا حصونکم السیوف خاندان سعد تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلہ میں شیر

کونوا علیھم کالاسود الاجمۃ ادرعوا العجاج وغضوا الابصار فاذا کلت السیوف فارسلوا الجنادل فانھا یوذن لھا فیما لا یوذن للحدید	بنکر جاؤ گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کرو جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں اجازت ملتا ہے تلواروں کو نہیں ملتا +

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورہ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ جسکی تاثیر سے دل ہل گئے اور آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز، دیبا کی قبازیب بدن کئے۔ زریں کمر بند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے، میدان میں آیا، ادھر سے عمرو معدی کرب اُسکے مقابلے کو نکلے اُس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انھوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچکر کمر بند میں ہاتھ ڈال مُعلّق اُٹھا زمین پر دے پٹکا اور تلوار سے گردن اُڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ "یوں لڑا کرتے ہیں"، لوگوں نے کہا ہر شخص معدی کرب کیونکر ہوسکتا ہے" اسکے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالے پر جو سب میں ممتاز تھا ہاتھیوں کو ریلا۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ دفعتہً بدکے اور منتشر ہوگئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں اُن کے پاؤں بھی اُکھڑے جاتے تھے۔ سعد نے یہ ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے ساتھیوں سے کہا، عزیزو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے"۔ تمام قبیلہ نے جوش میں آکر باگیں اُٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لیکر حملہ آور ہوئے۔ اُنکی پامردی سے اگرچہ کالی آندھی ذرا تھم گئی۔ لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تمیم کو جو قدر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ کیا تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہوسکتی؟ یہ سُن کر وہ دفعتہً بڑھے اور اسقدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچکر تمام ہودے اور عماریاں اُلٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھاگئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا۔ اور عربی میں اسکو یوم الارماث کہتے ہیں +

سعد جس وقت بالاخانے پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے انکی بی بی سلمیٰ بھی ان کے برابر بیٹھی تھی ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصّے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اُٹھی کہ وا افسوس آج مثنیٰ نہ ہوا! سعد نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا۔ سلمیٰ نے کہا واہ بحال اینہمہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی!! یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک تھے۔

اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولین کی لاشیں اُٹھوا کر دفن کرائیں اور جسقدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لیئے عورتوں کے حوالے کیئے۔ پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اُٹھا گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہؓ نے شام سے امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آ پہنچیں حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کیں اُسی زمانے میں ابو عبیدہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیجدی گئی تھی اُسکو حکم دو کہ سعد کی فوج سے جا کر ملجائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ سعد کے بھائی اسپہ سالار تھے۔ اور ہراول قعقاع رکاب میں تھا۔ قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ اُدھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اُٹھے کہ لینا ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے" دونوں حریف تلوار لیکر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کی ردوبدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ شہر براز، اعور بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھودیئے تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔

شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیئے تھے اور جب ایک دستہ میدان میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھاتا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اُس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لیے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے۔ ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کرسکیں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک۔ ربیل بن عمرو طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمر التیمی کو تلواریں حوالہ کیں۔ اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کیے۔ ربیل نے فخر کے جوش میں آکر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الاقوام انا احقهم	اذا حصلوا بالمرهفات البواتر
سب لوگوں کو معلوم ہے کہ ہمیں سب سے زیادہ مستحق ہیں	جس وقت لوگوں نے لینے والی نازک تلواریں پائیں

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور شاعر اور بہادر تھے اور جنکو شراب پینے کے جرم پر سعد نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے۔ آخر نہ ضبط کرسکے سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لیے اس وقت مجکو چھوڑ دو۔ لڑائی سے بیتا بچا تو خود آکر میں بیڑیاں پہن لوں گا سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پُر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے

کفی حزناً ان تردی الخیل بالقنا	واترک مشدوداً علیّ وثاقیا
اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں	اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں
اذا قمت عنانی الحدید واغلقت	مصاریع من دونی تصم المنادیا
جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی	اور دروازے بھی بند کر دیے جاتے ہیں کہ پکارنیوالا پکار پکار کے تھک جاتا ہے

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آکر بیڑیاں کاٹ دیں، انھوں نے فوراً اصطبل میں جاکر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا اور میدان جنگ میں پہنچکر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے سعد بھی حیران تھے اور دل میں

کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا ہے لیکن وہ تو قید خانہ میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے قید خانے میں آ کر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کیے۔ سعد نے اسی وقت اُنکو رہا کر دیا اور کہا خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اُسکو سزا نہیں دے سکتا۔ ابو محجن نے کہا بخدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔[۱]

خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی اس معرکہ میں شریک تھی اور اُس کے چاروں بیٹے بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اُس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لم تنب بکم البلاد ولم تفحکم السنة
ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فوضعتموها بین
ایدی اهل فارس والله انکم لبنو رجل واحد
کما انکم بنو امرأة واحدة ما خنت اباکم ولا فضحت
خالکم انطلقوا فاشهدوا اول القتال وآخره

پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا
باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے
آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح
ایک باپ کے بھی ہو میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی
نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ لو جاؤ اخیر تک لڑو!!!

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اُٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ خدایا! میرے بیٹوں کو بچانا۔

اُس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے اس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کیوقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور شام کی طرف نکل جائیں۔ پو پھٹے سو سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اُڑاتے ہوئے آئیں اور رسالے بھی اسی طرح برابر آتے جائیں چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ

[۱] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۸ و ۱۹ ۔ خنساء کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں۔ اس کا دیوان بیروت میں چھپ گیا ہے اور اُس کے مفصل حالات علامہ ابو الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھے ہیں اصناف شعر میں مرثیہ گوئی میں کوئی اس کا نظیر نہیں گزرا چنانچہ بازار عکاظ میں اسکے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا ارثی العرب یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوئی تھی۔

نئی امدادی فوجیں آگئیں۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق یہ کہ ہشام جنکو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لیئے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سات سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے یزد جرد کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور برابر فوجیں بھیجتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا کہ تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہوگا معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا۔ اسکا ڈیل ڈول دیکھکر لوگ اُس کے مقابلے سے جی چُراتے تھے۔

لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجربہ اٹھاکر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کردی تھیں۔ عمرو معدیکرب نے رفیقوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ ورنہ عمرو معدیکرب مارا گیا تو پھر معدیکرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہکر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعۃً اُن پر ٹوٹ پڑیں اور اسقدر گرد اُٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھ کر ان کی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جابجا برچھیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ انھوں نے اسکے گھوڑے کی دُم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اُتر کر بھاگ نکلا اور یہ اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رُخ کرتے ہیں دل کا دل پھٹ جاتا ہے۔ ضخم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے۔ انھوں نے کہا کہ انکی سونڈ اور آنکھیں بیکار کردی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر اور گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض اور دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا۔ سعد نے قعقاع۔ عاصم۔ حمال۔ ربیل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیجدیئے کہ ہاتھیوں کو نرغہ میں کرلیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لیکر پیل سفید کی طرف بڑھے عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے۔ ہاتھی جھرجھری لیکر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے علیحدہ ہو گئی ادھر

ربیل وحال نے اجرب پر حملہ کیا وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اُسکے پیچھے ہو لئے اور دم کی دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکے کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے نئے سرے سے ترتیب دی۔ قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا، اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ اُنکے بعد پیدل فوجیں، اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کیے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور اپنی رکاب کی فوج لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اُصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعد کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اللہم اغفرلہ وانصرہ یعنی اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اُسکا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع۔ بجیلہ۔ کندہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدایا اسکو معاف کرنا اور یاور رہنا۔ اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں، اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھکر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ حمیضہ نے اُس پر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زرہوں پر اُچٹ کر رہ گئیں۔ سردار قبیلہ نے للکارا سب نے کہا زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اُس نے غصہ میں آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھکر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامۂ کارزار گرم رہا، لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اس پر بھی جب فتح اور شکست کا فیصلہ نہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کیے اور سپہ سالار فوج رستم کی طرف رخ کیا ساتھ ہی قیس۔ اشعث۔ عمرو معدی کرب۔ ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے

ساتھیوں کو للکار کر دیکھو! یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں" اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی۔ اور فیروزان و ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ چلا۔ ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے سے آگئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی ہلال بھی کود پڑے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا ہلال نے لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ "رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا" ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھاگڑ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خروشے بکردار رعد		زنیکسوئے رستم زیک سوئے سعد	
چو دیدار رستم بخوں تیرہ گشت		جوان مرد تازی بروچیرہ گشت	

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعے میں سرے سے شریک ہی نہ تھے۔

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے ان میں سے شہریار۔ ابن الہربذ۔ فرخان اہوازی۔ خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ جان دی۔ لیکن ہرمزان اہود۔ قارن موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اس فتح میں چونکہ سعد شریک جنگ نہ تھے فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

سلہ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عمرو معدی کرب۔ طلیحہ بن خویلد۔ قرط بن جماح ان تینوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ میں نے جو روایت لکھی ہے وہ اخبار الطوال کی روایت ہے ۱۲

وقاتلت حتی انزل اللہ نصرہ	وسعد بباب القادسیۃ معصم
میں برابر لڑا کیا یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی	لیکن سعد قادسیہ کے دروازے ہی سے چپٹا رہا
فابنا وقد امت نساء کثیرۃ	ونسوۃ سعد لیس فیھن ایّم
ہم واپس پھرے تو سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں	لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کرکے آبلوں کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد نے حضرت عمرؓ کو نامۂ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے اُدھر سے ایک شتر سوار آرہا تھا بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژدۂ فتح لیکر آتا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اُس سے حالات پوچھنے شروع کیے۔ اُس نے کہا خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت عمرؓ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے انکو امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ ڈر سے کانپ اُٹھا اور کہا حضرت نے مجکو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا فرمایا نہیں کچھ حرج نہیں تم سلسلۂ کلام کو نہ توڑو۔ چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے۔ مدینے پہنچکر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک نہایت پُر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا "مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔"

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑ آئے تھے بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی سعد نے دربارۂ خلافت

کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو بلا کر رائے لی۔ اور سب نے باتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیدیا
گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ آ کر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ
اکثر بزرگوں نے اُن میں رشتہ داریاں کرلیں۔

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر **بابل** میں مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام
تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کرلیئے تھے۔ اور فیروزان کو سرلشکر قرار دیا تھا۔ سعد
نے اُن کے استیصال کے لئے ۱۵ھ ہجری میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے
کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصبری سد راہ ہوا اور میدان جنگ میں
زخم اُٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا صلح کرلی اور بابل تک
موقع بموقع پل تیار کرادیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے
بڑے سردار نخیرجان۔ ہرمزان۔ مہران۔ مہرجان۔ وغیرہ۔ جمع تھے۔ لیکن پہلے ہی حملہ میں بھاگ نکلے۔
سعد نے خود بابل میں مقام کیا۔ اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ عجمی فوجیں
بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھیری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا اُن کا سپہ سالار تھا۔
زہرہ کوثی سے گذرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں آکر پکارا کہ جو بہادر تمام
لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا
یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائیگا۔ یہ کہکر نابل کو جو قبیلۂ بنی تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا
اُسنے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا۔ نابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک
گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نابل
کے منہ میں آگیا۔ نابل نے اس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا۔ نابل موقع پا کر اُس کے سینے پر چڑھ
بیٹھا اور تلوار سے پیٹ کو چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا نابل نے
زرہ وغیرہ اُس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لاکر رکھدیں۔ سعد نے عبرت کے لئے حکم دیا کہ
نابل وہی لباس اور اسلحہ سج کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ
ہو کر وہ مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید رکھا تھا چنانچہ

قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اسکی زیارت کو گئے اور درود پڑھکر یہ آیت پڑھی تلک الایام نداولھا بین الناس کوثی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کبھی زوال نہیں آسکتا، یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت ہلا ہوا تھا اور اسی لیے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا سعد نے اس بہادری پر اُن کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھکر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے ادھر اُدھر پھیل کر ہزار آدمی گرفتار کر لیے۔ شہرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے اُن کے نام دفتر میں درج کر لیے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا۔ لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکلکر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے۔ اُن کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدلکر نئی پہن لیجیے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں؟ کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر اُن ہی کو آکر لگا لوگوں نے نکالنا چاہا تو اُنھوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اُسی وقت تک میں بھی زندہ ہوں چنانچہ اُسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر تک لڑکر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اُڑایا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف **دجلہ** حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیئے تھے۔ **سعد** دجلہ کے کنارے پہنچے تو نہ پل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا "برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔ یہ کہکر گھوڑا دریا میں ڈالدیا ان کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی اور دفعۃً سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا

اگرچہ نہایت ذخار اور متواج تھا لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آ آ کر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یمین و یسار کی جو ترتیب تھی اُس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی تو اُن کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں، جن ہیں، چنانچہ دیواں آمدند[1] دیواں آمدند کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیراندازوں کے دستے متعین کر دیئے ایک گروہ دریا میں اتر کر سدّراہ ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیراندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندانِ شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سُن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں۔ کم ترکوا من جنّٰت و عیونٍ و زروعٍ و مقامٍ کریمٍ و نعمۃٍ کانوا فیہا فاکہین کذٰلک و اورثنٰہا قوماً اٰخرین۔

ایوانِ کسریٰ میں تختِ شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا چنانچہ جمعہ کی نماز اُسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہوگا کہ سعد نے باوجودیکہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جنابِ رسالت مآب کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جس قدر مجسّم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں[2]۔

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لا کر ایک جا جمع کئے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لیکر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقانِ چین۔ راجہ داہر۔ قیصرِ روم۔ نعمان بن منذر۔ بہرام چوبیں کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ۔ ہرمز اور قباد کے خنجر تھے۔ نوشیرواں کا تاج زرنگار۔ اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت موتی پروئے ہوئے تھے ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصّع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی

---

[1] تاریخ طبری میں بعینہ یہی الفاظ ہیں ۱۲ [2] علامہ طبری نے جو بڑے محدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے ۱۲

بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اُس پر بیٹھکر شراب پیتے تھے۔ اِس رعایت سے اُس میں بہار کے تمام سامان مہیا کئے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا چاروں طرف جدولیں تھیں ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے۔ طرّہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین۔ زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت۔ حریر کے پتے۔ جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے راستباز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لاکر افسر کے پاس حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لاکر سجایا گیا اور دُور دُور تک میدان جگمگا اٹھا۔ تو خود سعد کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا بے شبہہ انتہا کے دیانت دار ہیں۔ مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصّہ دربار خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو اُن کو بھی فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

محلم نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیرواں کے ملبوسات اُسکو لاکر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے سواری کا جدا۔ دربار کا جدا۔ جشن کا جدا۔ تہنیت کا جدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جاوے خود حضرت عمرؓ کا بھی یہی منشا تھا لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولت نوشیروانی کے مُرقع کے ٹکڑے اُڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی۔ لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دنیوی کی عزت نہیں کیجاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا

جلولا[۱] سنہ ۱۶ ہجری

سنہ ۱۶ھ ۶۳۷ء

[۱] جلولا بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے جو بسبب چھوٹے ہونیکے نقشے میں مندرج نہیں بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں پڑتا ہے

یہ معرکہ فتوحاتِ عراق کا خاتمہ تھا۔ مداین کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کرلی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سرلشکر تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گزرگاہوں پر گوکھرو بچھا دیئے سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع میمنہ پر مشعر بن مالک میسرہ پر عمرو بن مالک۔ ساقہ پر عمرو بن مرۃ مقرر ہوں **ہاشم** مداین سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولاء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے اس طرح اسی معرکے ہوئے۔ لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ موجود تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی بیدل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور شور سے نکلے مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعۃً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے۔ لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ گوکھرو بچھوا دیئے اور فوج کو سرو سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے اول تیروں کا مینہ برسا۔ ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا قعقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہونچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انھیں کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے نقیبوں سے پکروا دیا کہ سپہ سالار، قلعہ کے دروازے تک پہونچ گیا ہے، فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعۃً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے تھے گوکھرو بچھے ہوئے تھے مسلمانوں نے بیدریغ قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے

مارے گئے اور تین کرور غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مژدۂ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدہ فتح لیکر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور انھوں نے اس فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات بیان کیے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمر بول اٹھے کہ خطیب اسکو کہتے ہیں انھوں نے برجستہ کہا

ان جندنا اطلقونا　۱　بالفعال لساننا

اسکے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اسوقت شام ہو چکی تھی اسلیے تقسیم ملتوی رہی اور صحن مسجد میں انکا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی۔ درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے۔ حضرت عمر بیساختہ رو پڑے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔

یزدگرد کو جلولاء کی شکست کی خبر پہونچی تو حلوان چھوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا۔ سعد خود جلولاء میں ٹھیرے اور قعقاع کو حلوان کی طرف روانہ کیا۔ قعقاع قصر شیریں (حلوان سے تین میل پر ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شنوم خود آگے بڑھکر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھاکر بھاگ نکلا قعقاع نے حلوان پہنچکر مقام کیا اور ہر طرف امن کی منادی کرادی۔ اطراف کے رئیس آآکر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلۂ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے آغاز ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں شام پر کئی طرف سے

لشکر کشی کی ابو عبیدہ کو حمص پر، یزید بن ابو سفیان کو دمشق پر، شرجیل کو اردن پر، عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۲۴۰۰۰ تھی۔ عرب کی سرحد سے نکل کران افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلے کے لئے تیار تھے۔ ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلہ پر بھیجیں، یہ دیکھ کر افسران اسلام نے باہم اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں اس کے ساتھ حضرت ابو بکر کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کیجائیں، چنانچہ خالد بن ولید جو عراق کی مہم پر مامور تھے عراق سے چلکر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے، دمشق پہنچے اور اسکو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لئے روانہ کی جس نے اجنادین پہنچکر جنگ کی تیاریاں شروع کیں خالد اور ابو عبیدہ خود پیشقدمی کر کے اجنادین پر بڑھے اور اور افسروں کو لکھا کہ وہیں آکر ملجائیں، چنانچہ شرجیل، یزید، عمرو بن العاص وقت مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھکر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جسمیں تین ہزار مسلمان مارے گئے فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحق ۲۸ جمادی الاولی ۱۳؁ھ میں واقع ہوا، اس مہم سے فارغ ہو کر خالد نے پھر دمشق کا رخ کیا اور دمشق پہنچکر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اگرچہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں شروع ہوا لیکن چونکہ فتح حضرت عمرؓ کے عہد میں حاصل ہوئی۔ ہم اس معرکے کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا، اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اسکی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ ان وجوہ سے خالد نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کئے۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص باب توما پر شرجیل باب الفرادیس پر۔ ابو عبیدہ باب الجابیہ پر متعین ہوئے اور خود خالد نے پانچ ہزار

فوج لیکر باب الشرقی کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرے کی سختی دیکھ کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصاً اِس وجہ سے کہ اُن کے جاسوس جو دریافت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے آکر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری، ثابت قدمی، راستبازی، عزم اور استقلال پایا جاتا ہے، تاہم اُن کو یہ سہارا تھا کہ ہرقل سر پر موجود ہے اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ نے انتقال کیا اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کی برداشت نہیں کر سکتے اسلئے موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھنٹ جائیگا۔ لیکن اُن کی دونوں اُمیدیں بیکار گئیں۔ مسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ اُدھر خالد نے ذوالکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلہ پر متعین کردیا تھا کہ اُدھر سے مدد نہ آنے پائے چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجیں تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یاس ہوگئی، اِسی اثنا میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا۔ یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جسکی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلسے کیئے اور اس کثرت سے شرابیں پیں کہ شام سے پڑ کر سورہے خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے اِس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آسکتا تھا اُسی وقت اُٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی مشک کے سہارے پار اُترے اور کمند کے ذریعے دیوار پر چڑھ گئے اُوپر جاکر رسی کی سیڑھی کمند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی اِس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جان نثار فصیل پر پہنچ گئے۔ خالد نے اُتر کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دیئے۔ ادھر فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی۔ دروازے کھلتے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی اور پہرہ کی فوج کو تہ تیغ کردیا۔ عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے

۱ یہ طبری کی روایت ہے بلاذری کا بیان ہے کہ خالد کو عیسائیوں کے جشن کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور سیڑھی بھی عیسائی ہی لائے تھے۔

خود کھلوا دیئے اور ابوعبیدہ سے ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچایئے۔ مقسلاط میں جو شمشیروں کا بازار تھا ابوعبیدہ و خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کیا تھا اگرچہ لڑ کر فتح ہی تھا لیکن ابوعبیدہ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی رجب ۱۴ھ میں ہوئی۔

فحل۔ ذوقعدہ ۱۴ ہجری

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیئے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رُخ کیا تھا۔ اس لیئے اُنھوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد میں جو فوجیں بھیجی تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں۔ وہ بھی اس میں آکر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع ہو گیا جس کا سپہ سالار سکلار نام ایک رومی افسر تھا۔

موقعہ جنگ کے سمجھنے کے لیئے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین مشہور اضلاع ہیں۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے اسی کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جسکا پرانا نام سلا اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام اب بالکل ویران ہے تاہم اسکے کچھ کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعتہً نہ آپڑیں۔ آس پاس جسقدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دیئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے۔ لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر

عیسائی مستعد ہوئے اور ابو عبیدہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بنکر آئے۔ ابو عبیدہؓ نے
معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں دیباے زریں کا فرش
بچھا ہے وہیں ٹھیر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا گھوڑا میں تھام لیتا ہوں، آپ دربار میں جا کر بیٹھئے
معاذ کی بزرگی و تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے واقف تھے۔ اس لیے وہ واقعی
انکی عزت کرنی چاہتے تھے اور انکا باہر ٹھہرا رہنا ان کو گراں گزرتا تھا معاذؓ نے کہا میں اس
فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا، یہ کہکر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں
نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمھاری عزت کرنی چاہتے تھے لیکن تمکو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری
ہے۔ معاذ کو غصہ آیا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جسکو تم عزت سمجھتے ہو مجکو اُسکی
پروا نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھکر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟
رومی انکی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے یہاں تک کہ ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں
تم سے بھی کوئی بڑھکر ہے؟ اُنھوں نے کہا "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ ہوں"
رومی چپ ہو گئے۔ معاذؓ نے کچھ دیر تک انتظار کرکے مترجم سے کہا کہ "ان سے کہدو کہ اگر تم
کو مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں" رومیوں نے کہا ہم کو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس
طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابی سینیا کا ملک تم سے قریب ہے۔ فارس کا بادشاہ مرچکا ہے
اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے، ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا۔ حالانکہ
ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذرّوں
کے برابر ہیں۔ معاذؓ نے کہا "سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے
قبلہ کی طرف نماز پڑھو۔ شراب پینا چھوڑ دو۔ سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمھارے
بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے اگر تم
آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہمکو قلت اور کثرت کی پروا نہیں خدا نے کہا ہے کَمْ مِنْ فِئَةٍ
قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ تمکو اسپر ناز ہے کہ تم ایسے شاہنشاہ کی رعایا ہو جسکو تمھاری جان و مال
کا اختیار ہے۔ لیکن ہم نے جسکو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں
دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اُسکو درے لگائے جائیں چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔

پڑوسے میں نہیں بیٹھتا اپنے آپکو ہمسے بڑا نہیں سمجھتا مال و دولت میں اُسکو ہم پر کوئی ترجیح نہیں" رومیوں نے کہا اچھا ہم تمکو بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں تم یہ ملک چھوڑکر فارس جاؤ" معاذ نے انکار کیا اور اُٹھ کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہ راست ابوعبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی، چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا جسوقت وہ پہنچا۔ ابوعبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جنکو اُلٹ پلٹ کر رہے تھے قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و حشم رکھتا ہوگا اور یہی اُسکی شناخت کا ذریعہ ہوگا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اُٹھاکر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران رہگیا، اور تعجب سے اُنکی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابوعبیدہ نے کہا "ہاں" قاصد نے کہا ہم تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ" ابوعبیدہ نے انکار کیا قاصد برہم ہوکر اُٹھا، ابوعبیدہ نے اُسکے تیور دیکھ کر فوج کو کمربندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمر کو لکھ بھیجے حضرت عمر نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ "ثابت قدم رہو خدا تمہارا یاور اور مددگار ہے"[1]

ابوعبیدہ نے اُسی دن کمربندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے اگلے دن تنہا خالد میدان میں گئے صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا، رومیوں نے بھی جنگ کی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کرکے باری باری سے میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالد کی طرف باگیں اُٹھائے چلا آتا تھا کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر اُن کا آگا روکا اور سخت کشت و خون ہوا، یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے سبرہ بن مسروق کو اشارہ کیا، وہ اپنی رکاب کی فوج لیکر مقابل ہوئے تیسرا لشکر بڑے سروسامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار سپہ سالار تھا۔ اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا، قریب پہنچکر خود ٹھیر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی آکر مل گئیں دیر تک

---

[1] فتوح الشام ازدی میں ہے کہ یہ خط ایک شامی لیکر گیا تھا اور حضرت عمر کی ترغیب سے مسلمان ہوگیا۔

شروع ہا مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا اور اُلٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے اب ہماری باری ہے اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتہً ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دباتے چلے گئے۔ عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے خالد اُن کی یہ چال سمجھ گئے۔ اور ابوعبیدہ سے کہا کہ دشمن ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں حملے کا یہی وقت ہے، چنانچہ اُسی وقت نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہوگا، فوج سر و سامان سے تیار رہے دو رات کے پچھلے پہر ابوعبیدہ بستر خواب سے اُٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا۔ ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی افسری دی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالد کی ماتحتی میں دیئے گئے۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابوعبیدہ نے اِس سرے سے اُس سرے تک ایک چکر لگایا ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

یعنی اے خدا سے مدد چاہتے ہو ثابت قدم رہو کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے"	عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصابرین

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے۔ آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جنکی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوجیں۔ اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ خالد چونکہ ہراول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اسقدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالد اُدھر سے پہلو دیکر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اس میں سوار ہی سوار تھے قدر انداز نہ تھے، رومیوں کے حوصلے اسقدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا، خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دُور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں اُلٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسر اُنکے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُدھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے، علم ہلا کر کہا و خدا کی قسم جب تک اسکو قلب میں پہنچکر نہ گاڑ دوں گا

پھر ایک آواز لگائی یہ کہکر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اسقدر
قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی اور
تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے
بھاگے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو نامہ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک
کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ رعایا ذمی قرار دی جائے اور زمین بدستور زمینداروں
کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

اس معرکہ کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے
اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان و مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادتگاہیں
سب محفوظ رہینگی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لیجائیگی۔"

حمص سنہ ۱۴ ہجری ۶۳۵ء

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اسکو ایمیسا کہتے
ہیں۔ قدیم زمانے میں اسکی شہرت زیادہ اسوجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا
ہیکل تھا۔ جسکے تبرک کے لئے لوگ دور دور سے آتے تھے اور اسکا پجاری ہونا بڑے فخر کی
بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا
۱؎ شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس۔ حمص اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا۔ حمص ان دونوں
کی نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا، اسلئے لشکر اسلام نے اول
اسکا ارادہ کیا راہ میں بعلبک پڑتا تھا، وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ حمص کے قریب
رومیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ میں
مسلمانوں کے مقابل ہوئی لیکن خالد کے پہلے ہی حملہ میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خالد نے
سمط بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ میں رومیوں کی کوئی چھوٹی فوج

۱؎ واقعہ حمص کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے۔ طبری وغیرہ نے اس کو نہایت اختصار کے ساتھ لکھا
ہے اور واقعہ کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔

وہی جو، دمشق میں پھیلی ہوئی تھیں، سبب یہ تھی اور مسلمانوں کا سیاب ہے،

اس معرکے میں شرحبیل حمیری نے سات سواروں کو قتل کیا۔ اور فوج سے الگ ہوکر جریدہ حمص کی طرف بڑھے شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے انکو تنہا دیکھکر حملہ کیا، انھوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی، یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا، جا پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی، یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں زخمی ہوکر شہادت حاصل کی۔ جسر وسے کے بعد خالد اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رخ کیا اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیئے۔ چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ لڑ سکیں گے اس کے ساتھ ہرقل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے، چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی، لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے یہ خبر سنکر کچھ فوجیں بھیجدیں جنہوں نے ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہوکر صلح کی درخواست کی، ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف روانہ ہوئے۔ حماۃ والوں نے انکے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ وہاں سے روانہ ہوکر شیزر اور شیزر سے معرۃ النعمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کرلی، ان سے فارغ ہوکر لاذقیہ کا رخ کیا، یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ فینشن عہد میں اسکو لاؤڈکیا کہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلہ پر مقام کیا۔ اور اسکی مضبوطی اور استواری دیکھکر ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے اور اُن کا تمام کاروبار بند تھا۔ اسکو تائید غیبی خیال کیا اور شہرپناہ کا دروازہ کھولکر کاروبار میں مصروف ہوئے مسلمان اسی رات کو واپس

معجم البلدان ذکر حماۃ ۱۲ یہ ایک قدیم شہر حمص اور قنسرین کے درمیان میں واقع ہے ۱۲

آکر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر دفعۃً حملہ کیا اور دم کے دم میں سارا شہر فتح ہوگیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہرقل کے پایہ تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلالی گئیں۔ اور بڑے بڑے شہروں میں نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے۔ خالد ایک فوج کے ساتھ دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابو عبیدہ نے خود حمص میں اقامت کی۔

یرموک۔ ۵ رجب سنہ ۱۵ھ ۶۳۶ء

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں، جمعیت میں، سر و سامان میں کم ہیں، پھر تم اُن کے مقابلہ میں کیوں نہیں ٹھیر سکتے، اسپر سب نے ندامت سے سر جھکالیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک سے ایک برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، اوروں پر ظلم کرتے ہیں، اس کا یہ اثر ہے کہ اُنکے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔

قیصر درحقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے، قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم۔ قسطنطنیہ جزیرہ۔ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے

سلہ فتوح الشام ازدی صفحہ ۱۳۱-۱۲

گئے کہ تمام فوجیں پایۂ تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام ضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں، ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا، انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ نے جو مقامات فتح کر لیئے تھے وہاں کے اُمرا، اور رئیس اُنکے عدل و انصاف سے اسقدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالفت مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لیئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے، چنانچہ اُن کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ اُنھوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اُسکی جانچ میں پورے اُترے چنانچہ اُس کے صلے میں خدا نے ہمیشہ تمکو مظفر و منصور رکھا۔ اب تمھارا دشمن اس سروسامان سے تمھارے مقابلے کے لیئے چلا ہے کہ زمین کانپ اُٹھی ہے اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں، اسکے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔ شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اِس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیئے، یزید نے جو رائے دی بے شبہہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اس کا مخالف ہوں شہر والے عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں۔ یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکالدیں شرجیل نے اُٹھکر کہا کہ اے امیر! تجکو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے اِن عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں۔ اسلیئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھیر کر امدادی فوج کا انتظام کیا جائے! ابو عبیدہ نے کہا اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ

تھے بلا کر کہا کہ ہم عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم ان کو ان کے دشمنوں سے بچا سکیں لیکن اسوقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم انکی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لیئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب انکو واپس دیدو اور ان سے کہدو کہ ہمکو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے اس لیئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تمکو واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کردی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اسقدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش سے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔" یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا، انہوں نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہکر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے۔ اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔

ابو عبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جسقدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جسقدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کردیجائے۔

غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے۔ اور ان تمام حالات سے حضرت عمر کو اطلاع دی حضرت عمرؓ یہ سنکر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص سے چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ "خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہوگا" ابو عبیدہ کو جواب لکھا کہ "میں مدد کے لیئے سعید بن عامر کو بھیجتا ہوں لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے"

ابو عبیدہ نے دمشق پہنچکر تمام افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان شرجیل بن حسنہ۔ معاذ بن جبل۔ سب نے مختلف رائیں دیں، اسی اثنا میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لیکر پہنچا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے۔ ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہمنے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ

ؔ ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان صفحہ ۱۳۷ میں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں صفحہ ۸۱ (ازدی) فتوح الشام صفحہ ۱۳۸ میں تفصیل لکھا ہے۔

دشمن محفوظ مقامات سے نکل گئے اور اسلامی فوجیں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں اکٹھا ہو جائیں خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو، میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچکر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آکر ملے یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لیے اِس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی، اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ اُدھر رومیوں کی آمد اور اُن کے سامان کا حال سُن سُن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے، راہب اور خانقاہ نشین جنھوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا، نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھکر سنایا، تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ "امیر المومنین! خدا کے لیے ہمکو اجازت دو۔ کہ ہم اپنے بھائیوں پر جاکر نثار ہو جائیں خدانخواستہ اُنکا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سُود ہے،، مہاجرین و انصار کا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا کہ "امیر المومنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہمکو ساتھ لیکر چل،، لیکن اور صحابہ نے اِس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اور امدادی فوجیں بھیجی جائیں حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہانتک آ گئے ہیں۔ اُس نے کہا "یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے،، حضرت عمرؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے عرصہ میں مدد کیونکر پہنچ سکتی ہے؟ ابو عبیدہ کے نام نہایت پُر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جاکر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا کہ "عمرؓ یقرء علیک السلام و یقول لکم یا اھل الاسلام اصدقوا اللقاء و شدوا علیھم شد اللیوث ولتکونوا اھون علیکم من الذر فانا قد کنا علمنا انکم علیھم منصورون

ملہ یہ تفصیلی واقعات فتوح الشام ازدی سے لیے ہیں لیکن ابوعبیدہ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلا آنا ابن واضح عباسی و دیگر مورخین نے بھی بیان کیا ہے ۱۲

یہ عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا، اُسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی اور انھوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ رومی فوجیں یرموک کے مقابل دیر الجبل میں اتریں خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبے کے صحابی تھے۔ میمنہ پر مقرر کیا قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کئے ایک کو اپنی رکاب میں رکھا۔ باقی پر قیس بن ہبیرہ۔ میسرہ بن مسروق عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا، یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے اور اس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے، رومی بھی بڑے سروسامان سے نکلے۔ دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی اور ۲۴ صفیں تھیں جن کے آگے آگے اُنکے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لیئے جوش دلاتے جاتے تھے، فوجیں بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا، یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل نساء الحی فی حجالها	الست یوم الحرب من ابطالها
پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو	کیا میں لڑائی کے دن بہادروں سے کام نہیں آتا

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتیار بھی نہیں سنبھال چکا تھا کہ اُن کا وار چل گیا تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اُتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہوا، اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے۔ عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلے میں جُدا جُدا فوجیں متعین کی تھیں، لیکن سب نے شکست کھائی، اُس دن یہیں تک نوبت پہنچکر لڑائی ملتوی رہ گئی،

رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کرکے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ پڑ چکا بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر اُن کو یہاں سے ٹالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیجدو،، ہم اُس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا قاصد

جو پیغام لیکر آیا اُس کا نام جارج تھا۔ جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہکر کھڑے ہوئے اور جس محویت سکون ووقار، ادب وخضوع سے اُنھوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہانتک کہ جب نماز ہو چکی تو اُس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کیے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں

یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم سے لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللہ ولا الملائکۃ المقربون تک مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا، تو جارج بے اختیار پکار اُٹھا کہ بے شک عیسیٰ کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمھارا پیغمبر سچا ہے،، یہ کہکر اُس نے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اِس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اُسکے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رومیوں کے لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لیئے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دور تک سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اِس بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے اُن پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے، باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اُس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا، اور لاکر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمھارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن ہم نے جس کو سردار بنا رکھا ہے اُسکو ایک لحظہ کے لیئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اُسکو معزول کر دیں، باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کرکے کہا کہ ،، اہل عرب! تمھاری قوم کے جو لوگ ہمارے

ملک میں آکر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ اُنکے ساتھ دوستانہ سلوک کیے، ہمارا خیال تھا کہ اس
مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو
کہ ہمکو ہمارے ملک سے نکال دو، تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے
کیے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں، اب تمکو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل، وحشی، اور
بے سروسامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے،، ہم اسپر بھی درگزر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے
جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو
سو سو دینار دلا دیئے جائینگے۔ باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالدؓ اُٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا
کہ بے شبہہ تم دولتمند ہو مالدار ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو
سلوک کیا وہ بھی ہمکو معلوم ہے لیکن یہ تمھارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی
جسکا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہوگئے اور آج تمھارے مقابلے میں تمھارے ساتھ ہو کر ہمسے لڑتے ہیں۔ یہ سچ
ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگدست اور خانہ بردوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی
کمزور کو پیس ڈالتا تھا۔ قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنا رکھے تھے،
اور انکو پوجتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اُنکی عبادت کرتے تھے لیکن خدا نے ہمپر
رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض،
زیادہ پاک خو تھا، اُسنے ہمکو توحید سکھلائی اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، وہ بیوی اور اولاد
نہیں رکھتا۔ اور بالکل یکتا و یگانہ ہے، اُسنے ہمکو یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے
پیش کریں، جسنے اُسکو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے جسنے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا
ہے اُس کے ہم حامی اور محافظ ہیں، جسکو دونوں سے انکار ہو اُسکے لیئے تلوار ہے۔

باہان نے جزیہ کا نام سُن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے
کہا کہ یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں، غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور
خالدؓ اُٹھ کر چلے آئے۔ اب اُس اخیر لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جسکے بعد رومی پھر کبھی
سنبھل نہ سکے خالدؓ کے چلے آنیکے بعد۔ باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تمنے سُنا۔
اہل عرب کو دعویٰ ہے کہ جبتک تم اُنکی رعایا نہ بن جاؤ اُنکے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے تمکو اُنکی

غلامی منظور ہے؟ تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائینگے، مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہوسکتی
صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سروسامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہوگئی۔ خالد نے یہ دیکھکر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اُس کے ۳۶ حصے کیے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں۔ قلب فوج ابو عبیدہ کو دیا، میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرجیل مامور ہوئے میسرہ یزید بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ اِن کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کیے چُن کر اُن لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطبا۔ جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں ہل چل ڈالدیتے تھے اِس خدمت پر مامور ہوئے کہ پرجوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں انھیں میں ابوسفیان بھی تھے جو فوجوں کے آگے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے اللّٰہ۔ انکم ذادة العرب وانصار الاسلام وانھم ذادة الروم وانصار الشرك۔ اللھم ان ھذا یومٌ من ایامك اللھم انزل نصرك علی عبادك عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایھا الناس غضوا ابصارکم واشرعوا الرماح والزموا مراکزکم فاذا حمل عدوکم فامھلوھم حتی اذا رکبوا اطراف الاسنۃ فثبوا فی وجوھھم وثوب الاسد	یارو! نگاہیں نیچی رکھو برچھیاں تان لو اپنی جگہ پر جمے رہو پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو۔ یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک پر آجائیں تو شیر کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑو۔

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن تمام عرب میں انتخاب تھے ان میں سے خاص وہ بزرگ جنھوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے۔ سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ ہمدان خولان۔ لخم۔ جذام کے مشہور سردار تھے، اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں، امیر معاویہ کی ماں ھند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں عضدوا الغلفان بسیوفکم امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے سورۂ انفال (جس میں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

اُدھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پانوں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دولاکھ کا ٹڈی دل ایک ساتھ بڑھا۔ ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کے جَے پکارتے جاتے تھے۔ یہ سروسامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر کسقدر بے انتہا فوج ہے"۔ خالد نے جھلا کر کہا چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سُم اچھے ہوتے تو میں کہدیتا کہ "عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھا لیں"۔

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیروں کا مینھ برساتے بڑھے مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہوگیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آگئے عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا، اور خیمہ کی چوبیں اُکھاڑ لیں اور پکاریں کہ نامردو ادھر آئے تو چوبوں سے تمھارا سر توڑ دیں گے۔ خولہ یہ شعر پڑھکر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یا ھاربا عن نسوۃ تقیات		رمیت بالسھم والمنیات

یہ حالت دیکھکر معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصہ کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کرسکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ اُن کے بیٹے نے کہا ہاں۔ یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہوکر اچھا لڑ سکتا ہوں، غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھُسے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اُکھڑے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبید کے سردار تھے پانسو آدمی لیکر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے، آگا روک لیا۔ میمنہ میں قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا، عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور اُن پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف، سر، ہاتھ، بازو، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن انکے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار

مارتے جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ "ازدیوا دیکھنا مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے" تو بڑے بڑے بہادر اُن کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعۃً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں ابتر کر دیں۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا "عیسائیوں میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمہارے مقابلے میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے؟" یہ کہکر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے۔ عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالد نے اپنے زانو پر اُنکا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا "خدا کی قسم عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے" غرض عکرمہ اور اُنکے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے خالد کے حملوں نے اور بھی اُنکی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر اُنکو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد اُن کو دباتے ہوئے سپہ سالار (درنجار) تک پہنچ گئے درنجار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لیئے کہ "اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں"

عین اُس وقت جب ادھر میمنہ میں بازار قتال گرم تھا ابن قناطیر[1] نے میسرہ پر حملہ کیا، بدقسمتی سے اس حصہ میں اکثر لخم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اُسکا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں اُنکے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھکر بے اختیار نکل پڑیں اور اُن کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی، لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم۔ سعید بن زید یزید بن ابی سفیان۔ عمرو بن العاص۔ شرجیل بن حسنہ، داد شجاعت دے رہے تھے قباث

---

[1] تاریخ طبری واقعہ یرموک ۱۲ [2] رومیوں کے میمنہ کا سپہ سالار تھا ۱۲

کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر اُن کے تیور پر بل نہ آتا تھا نیزہ ٹوٹ کر گرتا تھا تو کہتے کہ کوئی ہے ! جو اُس شخص کو ہتیار دے جسنے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدانِ جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا" لوگ فوراً تلوار یا نیزہ اُن کے ہاتھ میں لاکر دیدیتے اور وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ ابو الاعور گھوڑے سے کود پڑے اور اپنی رکاب کی فوج سے مخاطب ہوکر کہا کہ "صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت۔ دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نجانے پائے" سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے رومی اُن کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا، یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے اتفاق سے اُنکے باپ ابو سفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے اُنکی طرف آ نکلے۔ بیٹے کو دیکھکر کہا "جانِ پدر! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے، تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لیگیا تو تیرے لیئے شرم کی جگہ ہے۔ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے زغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ "خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟" یہ آواز جسکے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا یہاں تک کہ اُکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شرجیل نے اُن کو لیکر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رُک گئے۔

اُدھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آکھڑی ہوئیں اور چلا کر کہتی تھیں کہ میدان سے قدم ہٹایا تو پھر "ہمارا مُنہ نہ دیکھنا"

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعۃً قیس بن ہبیرہ جنکو خالد نے فوج کا ایک حصہ دیکر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا۔ رومی

دُور تک ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو تالہ تھا اُس کے کنارے تک آگئے تھوڑی دیر میں اُنکی لاشوں نے وہ تالہ بھر دیا اور میدان خالی ہوگیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جسوقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کسی نے اُنکے پاؤں میں تلوار ماری اور ایک پانوں کٹ کر الگ ہوگیا۔ حباش کو خبر تک نہوئی تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پانوں کیا ہوا؟ اُسکے قبیلہ کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن اوفی ایک شاعر نے کہا۔

ومنا ابن عتاب وناشد رجله ومنا الذی ادی الی الحی حاجبا

رومیوں کے جسقدر آدمی مارے گئے اُنکی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے، مسلمانوں کی طرف تین ہزار نقصان ہوا جن میں ضرار بن ازور، ہشام بن العاصی۔ ابان۔ سعید وغیرہ تھے قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اُسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی۔ چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا "الوداع اے شام"

ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح بھیجا۔ اور ایک مختصر سی سفارت بھی جس میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے۔ حضرت عمر۔ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعۃً سجدے میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابو عبیدہ یرموک سے حمص کو واپس گئے۔ اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے اول مقابلہ کیا لیکن پھر قلعہ بند ہوکر جزیہ کی شرط پر صلح کرلی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلۂ تنوخ مدت سے آکر آباد ہوگیا تھا، یہ لوگ برسوں تک کمل کے خیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن کا یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنوالی تھیں حضرت ابو عبیدہ نے ہمقومی کے لحاظ سے اُن کو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب مسلمان ہوگئے صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہوگیا۔ قبیلہ طے کے

سلہ یہ تمام واقعہ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱ میں مذکور ہے ۱۲۔

بھی بہت لوگ یہاں آباد تھے انھوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے حلب کا رُخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ اُنھوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہ کی آمد سُن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ اور اُن کی جان۔ مال۔ شہر پناہ مکانات۔ قلعے۔ اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھدیا گیا۔ اس کے بعد انطاکیہ آئے۔ چونکہ یہ قیصر کا خاص دارالسلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آکر پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا، چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ اِن صدر مقامات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا عیسائی خود آکر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا، جومہ، سرمین، توزی، قورس، تل عزاز، دلوک، رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اِس آسانی سے فتح ہوگئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا، اسی طرح بالس اور قاصرین بھی پہلے دہلہ میں فتح ہوگئے جرجومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے اُن کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائی کوچک کی سرحد ملتی تھی یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان۔ تنوخ۔ ایاد۔ رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے اُن پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

بیت المقدس ۱۶ھ

ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر صوبہ پر الگ الگ افسر

تھے۔ چنانچہ فلسطین عمرو بن العاص کے حصے میں آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں فتح کر لیئے تھے اور فاروقی عہد تک نو نابلس۔ لد۔ عمواس۔ بیت جبرین تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام واقعہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابو عبیدہ سے ملتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے اُس وقت حضرت ابو عبیدہ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے، چنانچہ اُدھر سے فرصت پاکر بیت المقدس کا رُخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لیئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمرؓ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح اِن کے ہاتھوں سے لکھا جائے ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں آپ اِنکی اس درخواست کو رد کر دیں تو اُنکو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھکر کہ مسلمان اُنکو بالکل حقیر سمجھتے ہیں بغیر کسی شرط کے ہتیار ڈال دینگے"۔ لیکن حضرت علیؓ نے اسکے خلاف رائے دی حضرت عمرؓ نے انہی کی رائے کو پسند کیا۔ اور سفر کی تیاریاں کیں، حضرت علیؓ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار اُنکو سپرد کیئے اور رجب سنہ ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ **فاروق اعظم** کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سرو سامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ و نوبت اخدم و حشم ال او لشکر۔ ایک طرف معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظمؓ نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دیجا چکی تھی کہ جابیہ میں آکر اُن سے ملیں اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب

سلہ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸ ۔ سلہ یہ طبری کی روایت ہے یعقوبی نے حضرت علیؓ کی بجائے حضرت عثمانؓ کا نام لیا ہے سلہ یعقوبی صفحہ ۱۶۷

کی سادگی باقی نہیں رہی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پُر تکلف قبائیں تھیں اور زرق برق پوشاک و ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اُتر پڑے اور سنگریزے اُٹھا کر اُنکی طرف پھینکے کہ اسقدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ قباؤں کے نیچے ہتیار ہیں (یعنی سپہگری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے فرمایا "تو کچھ مضایقہ نہیں"، شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا، عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی کم ترکوا من جنات وعیون الخ پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمرؓ کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی، چنانچہ رئیسان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لیے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمرؓ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعتہً کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اُڑاتے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں، مسلمانوں نے فوراً ہتیار سنبھال لیے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آتے ہیں غرض معاہدہ صلح لکھا جا کر بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔[1]

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سُم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رُک رُک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اُتر پڑے لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو اُیل کرنے لگا فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تونے کہاں سیکھی۔ یہ کہکر اُتر پڑے اور پیادہ پا چلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۲ [2] یہ طبری کی روایت ہے بلاذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا اس معاہدے کو بتمامہ ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصے میں نقل کیا ہے۔ دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ صفحہ (۱۰۰)

حضرت عمر کا لباس اور سر و سامان جس معمولی حیثیت کا تھا اسکو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی، حضرت عمر نے فرمایا کہ "خدا نے ہمکو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے"۔ غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد میں گئے۔ محراب داؤد کے پاس پہنچکر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر اُدھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کیے۔ ایک دن بلال (رسول اللہ کے مؤذن) نے آکر شکایت کی کہ امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف دیکھا۔ اُنھوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیدیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دونگا۔ لیکن آج (اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجا لاؤنگا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آگیا اور رقت طاری ہوئی ابو عبیدہ و معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے، حضرت عمر کی ہچکی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا۔ ایکدن مسجد اقصیٰ میں گئے اور کعب احبار کو بلایا اور اُن سے پوچھا نماز کہاں پڑھی جائے مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے جو انبیاء سابقین کی یادگار ہے اسکو صخرہ کہتے ہیں اور یہودی اُسکی اُسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی حضرت عمر نے قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ صخرہ کی طرف حضرت عمر نے فرمایا کہ تم میں ابتک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آکر جوتی اتار دی۔ اس واقعہ سے حضرت عمر کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصے کے صفحہ ۱۳۹ و ۶۹ اکو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔

حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش ۱۷ھ ۶۳۸ء

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسی سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا ایران اور روم کی مہمیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لیے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا۔ کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے چنانچہ جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجئے، ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی ادھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔

ابو عبیدہ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفیں جمائیں ساتھ ہی حضرت عمرؓ کو تمام حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آ جائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دیئے۔ قعقاع بن عمرو کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لیکر حمص پہنچ جائیں سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچکر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچکر عرب کے اُن قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے، جزیرہ والوں نے جب سُنا کہ خود اُنکے ملک میں مسلمانوں کے قدم آ گئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد نے کہلا بھیجا کہ افسوس میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجکو تمہارے ٹھیرنے اور چلے جانے کی مطلق پروا نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔

اُدھر فوج نے ابو عبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ اُنھوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا میری جو رائے ہے معلوم ہے، عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے، اسپر بھی ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پُر زور اور مؤثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئیگا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملیگی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا" فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بیقرار تھی۔ ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا اور دفعتہً سب نے ہتیار سنبھال لیے، ابو عبیدہ قلب، فوج اور خالد و عباس میمنہ اور میسرہ کو لیکر بڑھے قعقاع جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آتے تھے حمص سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سُنی۔ فوج چھوڑ کر سو سواروں کے ساتھ ابو عبیدہ سے آ ملے مسلمانوں کے حملے کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹے اُن کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ مرج الدیباج تک اُنکے قدم نہ جمے یہ اخیر معرکہ تھا جسکی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جسکے بعد پھر اُنکو کبھی پیشقدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

حضرت خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ ۶۳۸ء کے واقعات میں حضرت خالد کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے عام مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آتے ہیں۔ لیکن یہ اُنکی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں۔ خود ہی ۱۳ھ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی ۱۷ھ کے واقعات میں اُنکی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالد کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے تاہم آغاز خلافت میں اُن سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد کی عادت تھی کہ وہ

کا غذات حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لیے اُنکو تاکید کی کہ آیندہ سے اسکا خیال رکھیں خالد نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابو بکر کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آتا ہوں اور اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر کو اُنکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابۃ میں حضرت خالد کے احوال میں تفصیل لکھا ہے۔

بااینہمہ اُنکو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابو عبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۷ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیئے۔ پرچہ نویسوں نے اُسی وقت حضرت عمر کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمر نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ خالد جس کیفیت سے معزول کیے گئے وہ سننے کے قابل ہے قاصد نے جو معزولی کا خط لیکر آیا تھا مجمع عام میں خالد رض سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر کا حکم تھا کہ اُن سے درگزر کیجائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر اُن کے سر سے ٹوپی اُتار لی اور اُن کی سرتابی کی سزا کے لیئے اُن ہی کے عمامہ سے اُنکی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایسا بڑا سپہ سالار جسکا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جسکی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمر کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچکر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمر رض نے مجھکو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھکو معزول کر دیا۔ اس فقرے پر ایک سپاہی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چپ رہ! ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے"۔ خالد نے کہا ہاں! لیکن عمر کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے[1]۔

[1] دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ (۸۶) اور تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۶

خالد مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ خدا کی قسم تم میرے معاملے میں ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی خالد نے کہا کہ مال غنیمت سے۔ اور یہ کہکر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جسقدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپکے حوالے کرتا ہوں چنانچہ بیس ہزار روپیہ زیادہ نکلے اور بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالد کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالد! واللہ تم مجکو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں یہ کہکر تمام عمالان ملکی کو لکھ بھیجا کہ "میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ اُنکے مفتوں ہوتے جاتے ہیں۔ اِس لئے میں نے اِن کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ یہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے" اِن واقعات سے ایک نکتہ بیں شخص بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وبا ۱۸ھ ۶۳۹ء

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی۔ اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۸ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اُسکی تدبیر و انتظام کے لیئے خود روانہ ہوئے۔ سرغ[1] پہنچکر ابو عبیدہ وغیرہ سے جو اُن کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ لیکن مہاجرین فتح نے یک زباں ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھیرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے اُنکو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کہا۔

افرارًا من قدر اللہ	یعنی اے عمرؓ تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے اُنکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

نعم افر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ	یعنی ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کیطرف ہوں

[1] طبری صفحہ ۲۵۱۱ ۔ سرغ ایک مقام کا نام ہے۔

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہ کو لکھا کر مجکو تم سے کچھ کام ہے کچھ دنوں کے لیئے یہاں آجاؤ ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہی۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ خط پڑھکر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں اُتری ہی وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے۔ اس لیئے کوئی عمدہ موقع تجویز کرکے وہاں اُٹھ جاؤ۔ ابو عبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جاکر مقام کیا جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔ جابیہ پہنچکر ابو عبیدہ بیمار پڑے جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت پُراثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں ادھر نماز ختم ہوئی اُدھر انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بیماری اُسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا اُنہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اسلیئے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیئے۔ معاذ نے سُنا تو ممبر پر چڑھکر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا۔ بلا نہیں ہی بلکہ خدا کی رحمت ہی۔ خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کہا یا بنی الحق من ربک فلا تکونن من الممترین یعنی اے فرزند دیکھ یہ خدا کی طرف سے ہی۔ دیکھ شبہہ میں نہ پڑنا۔ بیٹے نے جواب دیا ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجکو صابر پائیں گے۔ یہ کہکر انتقال کیا معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی۔ بڑے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وبا کا زور تھا اور ہزاروں آدمی طعمہ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذ اُسکو خدا کی رحمت سمجھا کیئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ اُنھوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہی تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے۔ اس لیئے تمام فوج کو یہاں سے اُٹھکر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیئے اگرچہ اُنکی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہمخیال تھے ناپسند آئی یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ "تو جھوٹ کہتا ہے"، تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج اُنکے حکم کے مطابق ادھر اُدھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اُس وقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار

مسلمان جو آدمی دنیا کے فتح کرنے کے لیئے کافی ہو سکتے تھے، موت کے مہمان ہو چکے تھے ان میں ابو عبیدہ۔ معاذ بن جبل۔ یزید بن ابی سفیان۔ حارث بن ہشام سہیل بن عمر۔ عتبہ بن سہیل بڑے درجے کے لوگ تھے۔ حضرت عمر کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرجیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔ اس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعۃً رک گیا فوج بجائے اسکے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی۔ ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ بن گئیں۔ جو لوگ مرے تھے اُنکا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمر نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علی کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے یرفا انکا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اُسکے اونٹ پر سوار ہو لئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمھارے آگے"! اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا۔ گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لیئے ایلہ کے پادری کو حوالہ کیا، اُسنے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے۔ اور اُس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمر نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق گئے اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کیئے۔ فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں جو لوگ وہاں وبا میں ہلاک ہوئے تھے اُنکے دور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر اُنکی میراث دلائی سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو اسامیاں خالی ہوئی تھیں اُنپر نئے عہدہ دار قائم کیئے ان باتوں کی پوری تفصیل دوسرے حصہ میں آیگی۔ چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا، اور جو انتظامات کیئے تھے اُنکے متعلق تقریر کی۔

اِس سال عرب میں سخت قحط پڑا۔ اور اگر حضرت عمر نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مرجاتے۔ اسی سال مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کیئے، چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصہ میں آئیگی +

قیساریہ کی فتح شوال سنہ ۱۹ ہجری

یہ شہر بحر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے آج ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے اس شہر پر اول اول سنہ ۱۳ہجری میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کیئے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہوسکا۔ ابوعبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو اُنکی جگہ مقرر کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی مہم پر جائیں۔ وہ ۱۷ ہزار کی جمعیت کیساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن سنہ ۱۹ہجری میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کرکے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے سر و سامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہوسکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا۔ امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سُرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اُسکی راہ قلعہ کے اندر پہنچکر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے مؤرخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسّی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی۔ چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اسکی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہوگیا۔

جزیرہ[۱] سنہ ۱۶ ہجری

مدائن کی فتح سے دفعتہً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب اُنکو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اُسکی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی وہاں سے عبداللہ بن المعتم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمرؓ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربعی بن الافکل۔ میمنہ پر بن حُستان۔ میسرہ پر فرات بن حیان۔ ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن المعتم پانچہزار کی جمعیت سے تکریت[۲] کی طرف بڑھے اور شہر کا

---

[۱] جزیرہ اُس حصہ آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں ہے اُسکی حدود اربعہ یہ ہیں مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک، جنوب شام، مشرق، عراق، شمال آرمینیہ کے کچھ حصے۔ یہ مقام درج نقشہ ہے

[۲] تکریت جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جسکی حد عراق سے ملی ہوئی ہے دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے ۶ منزل پر ہے ۱۲

محاصرہ کیا۔ مہینے سے زیادہ محاصرہ رہا اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے۔ چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد۔ تغلب۔ نمر بھی شریک تھے۔ عبد اللہ نے خفیہ پیغام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اسکا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو۔ ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملیں گے یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا ہوا۔ عجمی مقابلے کو نکلے تو خود انکے ساتھ کے عربوں نے عقب سے اُن پر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر پامال ہوگئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اسکا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اس لیے مورخین اسلام، جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے اور خود اُس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ ۱۷ھ میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچہزار کی جمعیت سے اِس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صلح کر لی۔ رہا کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اِس سرے سے اُس سرے تک فتح ہوگیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں اُنکے نام یہ ہیں۔ رقہ۔ حران۔ نصیبین۔ میافارقین۔ سمساط۔ سروج۔ قرقیسیا۔ زوزان۔ عین الوردۃ۔

خوزستان[1]

۱۶ھ ہجری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد، بصرہ سے ملی ہوئی ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ اس کے فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن وامان قائم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ۱۶ھ کے شروع میں اہواز پر جسکو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دیکر صلح کر لی۔ مغیرہ وہیں رک گئے۔ ۱۷ھ میں مغیرہ معزول ہو کر

---

[1] خوزستان اُس حصۂ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے اُسمیں ۱۴ بڑے شہر ہیں جس میں سب سے بڑا شہر "اہواز" ہے جو نقشہ میں بھی درج کر دیا گیا ہے۔

اُن کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی۔ اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اُسنے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بنکر تقسیم کیے گئے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اس معرکہ میں مہاجرین زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے اُنکا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ ابو موسیٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے۔ ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اُس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اسکو امن دیدیا جاتا تھا بدقسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا۔ سوس کے بعد رامہرز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یزدگرد اس وقت قم میں مقیم تھا اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اُسکو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دیدیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اُسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ کر دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں یہیں تھیں ہرمزان نے وہاں پہنچکر قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا اس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لیے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت عظیم فراہم ہو گئی۔ ابو موسیٰ نے دربار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہاں سے

عمار بن یاسر کے نام جو اسوقت کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن غنیم نے جو سروسامان کیا تھا اسکے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابوموسیٰ نے دوبارہ لکھا جسکے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدمی فوج کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لیکر خود ابوموسیٰ کی مدد کو جاؤ۔ اُدھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لیکر جلولا پہنچا۔ ابوموسیٰ نے اس سروسامان سے شوستر کا رُخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ ہرمزان کثرت فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابوموسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی میمنہ براء بن مالک کو دیا۔ (یہ حضرت انس (مشہور صحابی) کے بھائی تھے)

میسرہ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں۔ براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہر پناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ اُدھر ہرمزان فوج کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا براء مارے گئے ساتھ ہی مخزاۃ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھکر وار کیا لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجمی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپکر ابوموسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا دوں ابوموسیٰ نے منظور کیا۔ اسنے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بہتی ہے پار اُتر کر ایک تہ خانہ کی راہ شہر میں داخل ہوا۔ اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا ہرمزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے انکو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابوموسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اُسکے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابوموسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا سو دو سو بہادروں نے بڑھکر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اُسی تہ خانہ کی راہ شہر پناہ کے دروازے

پر پہنچے۔ اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھولدیئے۔ ادھر ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اُسنے برج پر چڑھکر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اُتر آتا ہوں کہ تم مجکو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمرؓ کے ہاتھ سے ہو"۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انسؓ کو مامور کیا کہ مدینہ تک اُس کے ساتھ جائیں ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لیئے۔ مدینہ کے قریب پہنچکر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصّع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کی۔ اور شاہانِ عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے کمر سے مرصّع تلوار لگائی۔ غرض شان شوکت کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اُسکا دربار بھی بڑے سر و سامان کا ہوگا۔ حضرت عمرؓ اسوقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ "یہ دُنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں"۔ اسکے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اُسوقت تک مترجم نہیں آیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے، اس لیئے اُنھوں نے ترجمانی کی حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے، اسلئے کہا کہ۔ از کدام ارضی؟ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا۔[1] شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اسکے ہاتھ سے مارے گئے تھے حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اسقدر رنج تھا کہ اُنھوں نے ہرمزان سے

[1] ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے ۱۲

قتل کا پورا ارادہ کرلیا تھا تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ ملسنے کہا کہ عرب! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔ یہ کہکر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لیکر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں حضرت عمرؓ نے منظور کیا اُسنے پیالہ ہاتھ سے رکھدیا اور کہا کہ میں نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجکو قتل نہیں کرسکتے۔ حضرت عمرؓ اس مغالطے پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا اور کہا میں پہلے ہی اسلام لاچکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیئے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی، اس کے واسطے دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کردیا۔ حضرت عمرؓ فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا۔ جو شوستر سے ۲۴ میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا۔ ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے مسلمانوں کو اُن کے اطمینان پر تعجب ہوا اور اُس کا سبب دریافت کیا شہر والوں نے کہا تم ہکو جزیہ کی شرط پر امن دیچکے اب کیا جھگڑا رہا۔ سبکو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے ابوموسیٰ نے کہا ایک غلام کی خودرائی حجت نہیں ہوسکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے تھے آخر حضرت عمرؓ کو خط لکھا گیا۔ اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جسکو اُس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دیچکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھادیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نیا ملک اضافہ ہوگیا ؛

عراق عجم سنہ ۲۱ ہجری

سلہ عقد الفرید لابن عبد ربہ۔ باب الکیدۃ فی الحرب ۱۲ سلہ سرزمین عراق دو حصوں پر منقسم ہے مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہیں۔ اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال میں طبرستان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان، اور مغرب میں شہر مراغہ واقع ہے اُس وقت اُس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان، اور رَے، سمجھے جاتے تھے۔ اس وقت رَے بالکل ویران ہوگیا اور اُسی کے قریب طہران آباد ہوگیا ہے۔ جو شاہان قاچار کا دار السلطنت ہے ۱۲

جلولا کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یزدگرد ری چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس ابان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اس لیئے رَے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا یہاں پہنچکر مرو اقامت کی۔ آتش پارسی ساتھ تھی۔ اُسکے لیئے آتشکدہ تیار کرایا اور مطمئن ہوکے پھر سلطنت اور حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا اور ہرمزان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سُن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اُسکا وہ پہلا رعب داب باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعۃً نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اُسوقت تک یہ سمجھتے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچکر رک جائیگی۔ اس لیئے اُنکو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا۔ لیکن خوزستان کے واقعہ سے اُنکی آنکھیں کھلیں ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے اس سے دفعۃً طبرستان، جرجان، نہاوند، رَے، اصفہان، ہمدان سے گذر کر خراسان اور سندھ تک تلاطم برپا ہو گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل قم میں آکر ٹھیرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو جو ہرمز کا فرزند تھا سر لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں درفش کاویانی جسکو عجم فال ظفر سمجھتے تھے مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک عَلَم کا پھریرا اُس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اسوقت کوفہ میں گورنر تھے حضرت عمر کو ان حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمر عمار کا خط لیئے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سبکو سنا کے کہا کہ گروہ عرب! اس مرتبہ تمام ایران کمربستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔ طلحہ بن عبید اللہ نے اُٹھکر کہا کہ امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے۔ ہم اسکے کچھ نہیں جانتے کہ جو آپ حکم دیں بجا لائیں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میری رائے ہے کہ شام ویمن بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر عراق کو روانہ ہوں۔ اور آپ خود اہل حرم کو لیکر مدینہ سے اُٹھیں کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے عَلَم کے نیچے جمع ہوں اور پھر نہاوند کی طرف رخ کیا جائے حضرت عثمان کی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ لیکن حضرت علی چپ تھے حضرت عمر نے اُنکی طرف دیکھا وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائیگا اور آپنے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائیگی اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہو گا

میری بھی رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام، یمن، بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیجدیئے جائیں کہ جہاں جہاں جسقدر فوجیں ہیں ایک ایک ثلث اُدھر روانہ کردیجائیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں اسکا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم میں سپہ سالار بنکر کون جائے لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور اور مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اُنھوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف اُنکی نگاہ میں تھے چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھکر کون کرسکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے اسکی تائید کی نعمان تیس ہزار کی جمعیت لیکر کوفہ سے روانہ ہوئے اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے حذیفہ بن الیمان عبداللہ بن عمر۔ جریر بجلی مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو معدی کرب۔ زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوسوں کو بھیجکر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے نو میل ادھر اسپدہان ایک مقام تھا وہاں پہنچکر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمرؓ نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں اُنکو لکھا کہ ایرانی اُس طرف سے نہاوند بڑھنے نہ پائیں۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لیے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بنکر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار سجایا۔ مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زریں پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شہزادے، دیبائے زرکش کی قبائیں سر پر تاج زر، ہاتھوں میں سونے کے کنگن، پہن کر بیٹھے۔ اُن کے پیچھے دُور دُور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں جنکی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا۔ اہل عرب! سب سے زیادہ بدبخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہوسکتی ہے تم ہو۔ یہ قدر انداز جو میرے تخت سے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کردیتے لیکن مجکو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک

خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تمکو معاف کردوں گا۔" مغیرہ نے کہا ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل وحقیر تھے۔ لیکن اس ملک میں آکر ہمکو دولت کا مزہ پڑگیا اور یہ مزے ہم سے اُسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔" غرض سفارت بیکار گئی اور دونوں طرف جنگ کی طیاریاں شروع ہوگئیں۔ نعمان نے میمنہ اور میسرہ حذیفہ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ مجردہ پر قعقاع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع متعین ہوئے۔ اُدھر میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھا دیئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھکر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خویلد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہوکر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں۔ اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دیکر بھیجا کر شہر پر حملہ آور ہوں۔ عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست کے لیئے کہ کوئی پیچھے نہ ہٹنے پائے جسقدر بڑھتے آتے تھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے۔ قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے یہاں تک کہ گوکھرو کی حد سے نکل آئے۔ نعمان نے ادھر جو فوجیں جما رکھی تھیں موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جوں ہی عجمی زد پر آئے اُنھوں نے حملہ کرنا چاہا لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر برسا رہے تھے اُس سے سینکڑوں ہزاروں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے جاتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی، تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے نعرہ پر فوج سر و سامان سے درست ہوگئی، دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تول لیں۔ تیسرے پر دفعۃً حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان میں اسقدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہوگئے۔ اِنکا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے

کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جوں ہی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن اُن کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور اُن کی کلاہ اور قبا پہن کر اُن کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اِس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اِس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اُسکا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی اُنکے پاس سے نکلا۔ دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں گھوڑے سے اُتر کر اُن کے پاس بیٹھنا چاہا کہ اُن کا حکم یاد آگیا اُسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا۔ اُنھوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اُسنے کہا مسلمانوں کو فتح ہوگئی،، خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً عمر کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پانوں اُکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سرلشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچکر مقام کیا یہاں ایک مشہور آتشکدہ تھا، اُسکا مُوبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجکو امن دیا جائے تو میں ایک متاعِ بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسرے پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لا کر پیش کیے جسکو کسرے نے مشکل وقتوں کے لیئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مالِ غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ معہ جواہرات کے حضرت عمر کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمر کو ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مژدۂ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سُنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھکر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہدا کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جنکو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمر پھر روئے اور فرمایا کہ عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا اُنکو جانتا ہے،، جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لیجاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کو فروخت ہوئے۔ اِس لڑائی میں تقریباً تیس[۳۰] ہزار عجمی لڑ کر مارے گئے۔ اس معرکے کے بعد عجم نے پھر کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا فیروز جسکے ہاتھ پر حضرت فاروق کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۲۱ھ ۶۴۲ء

اسوقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لیئے تھیں۔ عراق البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اُسکے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلے میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم اُن پر چڑھ کر جا سکتے۔

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے نہاوند کے معرکے سے حضرت عمرؓ کو اس پر خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالکِ مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے"؟ لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کے حدود سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہیگا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے اُسوقت تک اُن کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔

اس بنا پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کیئے اور جُدا جُدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو، سابور و اردشیر کا۔ مجاشع بن مسعود کو۔ اصطخر کا عثمان بن العاص الثقفی کو، فسا کا ساریہ بن رہیم الکنانی کو۔ کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا۔ عاصم بن عمر کو۔ مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو آذربیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ ۲۱ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ ہم ان کو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ ۲۱ھ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں کے رئیس نے جس کا نام استندار تھا اصفہان کے نواح میں بڑی جماعت فراہم کی تھی جسکے ہراول پر شہر براز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں فوجیں

مقابل ہوئیں تو جادویہ نے میدان میں آکر پکارا کہ جسکو دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے
عبداللہ خود مقابلے کو نکلے۔ جادویہ مارا گیا۔ اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ استندار نے معمولی
شرائط پر صلح کرلی۔ عبداللہ نے آگے بڑھکر یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا فاذوسفان
یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑکر خود فیصلہ
کرلیں دونوں حریف میدان میں آئے۔ فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا۔ عبداللہ نے اس
پامردی سے اُسکے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفریں نکلی اور کہا کہ میں
تم سے لڑنا نہیں چاہتا بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دیکر
شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے۔ عبداللہ نے یہ شرط منظور کی اور معاہدہ صلح لکھدیا۔
اسی اثنا میں خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہوگیا۔ حضرت عمر نے نعیم بن مقرن کو اُدھر روانہ کیا۔ انھوں
نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچکر محاصرہ کے سامان کیے۔ لیکن جب محاصرہ میں دیر
لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلادیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑکر باقی تمام مقامات فتح ہوگئے
یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہاردی اور صلح کرلی۔ ہمدان فتح ہوگیا لیکن دیلم نے
رے آذربیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کرکے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے
فرخان کا باپ زینبدی جو رے کا رئیس تھا انبوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف آذربیجان سے
اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رود میں یہ فوجیں جمع ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں
کو نہاوند کا معرکہ یاد آگیا۔ آخر دیلم نے شکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمر کے پاس شکست
کی خبر لیکر گئے تھے اس فتح کا پیام لیکر گئے کہ اُس دن کی تلافی ہوجائے۔ حضرت عمر دیلم کی تیاریاں سُنکر
نہایت تردد میں تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعۃً عروہ پہنچے حضرت عمر کو خیال ہوا کہ شگون
اچھا نہیں۔ بے ساختہ زبان سے انا للہ نکلا۔ عروہ نے کہا آپ گھبرائیں نہیں خدا نے مسلمانوں کو فتح دی
حضرت عمر نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کرکے رے کو روانہ ہوں رے کے
کا حاکم اُس وقت سیاوش تھا جو بہرام چوبیں کا پوتا تھا۔ اُسنے دنباوند۔ طبرستان۔ قومس جرجان کے
رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں۔ لیکن زینبدی جسکو سیاوش سے کچھ
ملال تھا نعیم بن مقرن سے آملا۔ اُسکی سازش سے شہر پر حملہ ہوا۔ اور حملہ کے ساتھ دفعۃً شہر فتح

ہوگیا۔ نعیم نے زینبدی کو رَے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کرکے حکم دیا کہ نئے سرے سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رَے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہوگیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا قبضہ ہوگیا۔

آذربیجان[۱] سنہ ۲۲ھ ۶۴۳ء

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں حضرت عمرؓ نے آذربیجان کا علم عتبہ بن فرقد اور بکیر کو بھیجا تھا اور ان سے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کر دی تھیں۔ بکیر جب میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہوگیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کا سدِ راہ ہوا لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سُنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں جزیہ پر تم سے صلح کرلیتا ہوں۔ چونکہ آذربیجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضہ میں تھا۔ عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مؤرخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربیجان کا علم حذیفہ بن یمان کو ملا تھا وہ نہاوند سے چلکر اردبیل پہنچے جو آذربیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے باجروان میمند، سراۃ، سبز، میانج وغیرہ سے ایک انبوہِ کثیر جمع کرکے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہوگئی۔ حذیفہ نے اسکے بعد موقان و جیلانی پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اُڑائے اسی اثنا میں دربارِ خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد اُن کی جگہ مقرر ہوئے عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

طبرستان[۲] سنہ ۲۲ھ ۶۴۳ء

---

[۱] نقشہ دیکھنے سے آذربیجان کا پتہ اس طرح لگیگا کہ شہر تبریز کو اُس کا صدر مقام سمجھنا چاہیے۔ سابق میں شہر مراغہ دارالصدر تھا۔ بردعہ اور اردبیل اسی صوبہ میں آباد ہیں۔ آذربیجان کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ موبد آذرآباد نے ایک آتشکدہ بنایا تھا جس کا نام آذرآبادگان تھا دوسری روایت یہ ہے کہ لغت پہلوی میں آذر کے معنے آتش کے ہیں اور بائگان کے معنی ہیں محافظ یعنی نگاہ دارندہ آتش چونکہ اس صوبہ میں آتشکدوں کی کثرت تھی اس وجہ سے یہی نام ہوگیا جسکو عربوں نے اپنی زبان میں آذربیجان کرلیا ۱۲

[۲] نقشہ میں طبرستان فتوحات شمالی میں ملیگا اسلیے کہ خلافت فاروقی میں جزیہ لیکر چھوڑ دیا گیا تھا اسکی حدود اربعہ یہ ہیں مشرق میں خراسان و دہستان، مغرب میں آذربیجان، شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلاد جبل۔ بسطام اور استرآباد اسکے مشہور شہر ہیں ۱۲

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کر لیا تو انکے بھائی سوید قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ و پیام کیا اس نے جزیہ پر صلح کر لی اور معاہدہ صلح میں تصریح لکھدیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا۔ اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔

آرمینیہ[1]

بکیر جو آذربیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربیجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کر کے انکی مدد کو بھیجی۔ باب کے رئیس جسکا نام شہر براز تھا مجوسی تھا اور سلطنت ایران کا ماتحت تھا مسلمانوں کی آمد سنکر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجکو آرمینیہ کے کمینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امداد لیجائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لیئے یہ شرط منظور کر لی گئی۔ اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ بلنجر کی طرف جو مملکت خزر کا پایۂ تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھکر نہ آئیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا لیکن میں جب تک اس کے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ بیضا فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہاں سے ایران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا۔ حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال اللان کا رخ کیا لیکن قبل اسکے

[1] صوبہ آرمینیہ کو بلاد ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے۔ شمال میں بحر اسود جنوب میں کوہی اور صحرائی حصہ دور تک چلا گیا ہے مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلاد روم واقع ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں کامل فتح ہوا تھا اس لیئے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدا ہے ۱۲

کہ وہاں اسلام کا پھریرا اڑتا حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ ہو چکا۔ چنانچہ یہ ناتمام مہمات حضرت عثمانؓ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس[1] سنہ ۲۳ھ

فارس پر اگرچہ اول اول سنہ ۱۴ھ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اسوقت چنداں کامیابی ہوئی ہم نے اُس زمانے کے واقعات کے ساتھ اسکو لکھنا مناسب سمجھا عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا، لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی علاء ابن الحضرمی سنہ ۱۴ھ میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کیوجہ سے رقابت تھی ہر میدان میں اُن سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا۔ یہاں تک کہ دربار خلافت سے اجازت تک نہ لی اور فوجیں تیار کرکے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سر لشکر تھے اور جارود بن المعلی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں اصطخر پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اُتریں۔ یہاں کا حاکم ایک ہیربد تھا وہ ایک انبوہ کثیر لیکر پہنچا اور دریا اُتر کر اس پار صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آ گئے تھے لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا بڑے جوش سے ساتھ مقابلے کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ مسلمانو! بیدل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہی خلید اور جارود بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ خلید کا رجز تھا۔

یا آل عبد القیس للنزاع	قد حفل الامداد بالجراع
وکلھم فی سنن المصاع	یحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے جہازات غرق کر دیے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا بدقسمتی سے ادھر

[1] حال کے جغرافیہ میں عراق کی حدود گھٹا کر فارس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اُسوقت فارس کے حدود یہ تھے شمال میں ... جنوب میں بحر فارس مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق عرب اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے ۱۲

راہیں بند تھیں ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جابجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔
حضرت عمرؓ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لیئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے چنانچہ بارہ ہزار فوج جسکے سپہ سالار ابو سبرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں پڑے تھے وہاں پہنچکر ڈیرے ڈالے اُدھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہ کثیر جسکا سر لشکر شہرک تھا اکٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے بالآخر ابو سبرہ نے فتح حاصل کی لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نہاوند کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجیں متعین کیں۔ پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دیکر یہاں بڑا سامان کیا تھا لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات میں پھیل گئیں تو ان کو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ انکی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور، اُردشیر، توج۔ اصطخر سب باری باری فتح ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی ۲۳ھ میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرۂ ابرکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اُسکو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈالدی مسجدیں تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کیئے یہاں سے کبھی کبھی اُٹھکر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آجاتے۔ اس طرح اردشیر، سابور۔ اصطخر۔ ارجان کے بہت سے حصے دبا لیئے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا۔ راشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھکر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیجدیں، اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف رخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے چنانچہ گازرون۔ نوبندجان۔ ارجان۔ شیراز۔ سابور۔ جو فارس کے صدر مقامات ہیں خود عثمان کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ فسا، دارابجرد وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

کرمان[1] سنہ ۲۳ ہجری

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے چنانچہ سنہ ۲۳ ہجری میں ایک فوج لیکر جسکا ہراول بشیر بن عمرو العجلی کی افسری میں تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفص وغیرہ سے مدد طلب کرکے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کوئی روک نہ تھی جیرفت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور بیشمار اونٹ بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سیرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

سیستان[2] سنہ ۲۳ ہجری

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑ کر بھاگ نکلے مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا۔ محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ انکی تمام اراضی حمٰی سمجھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کرلی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لیکر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے انکی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہے۔

مکران[3] سنہ ۲۳ ہجری

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی مامور ہوئے تھے چنانچہ سنہ ۲۳ ہجری میں روانہ ہو کر نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پار اتر کر آیا اور صف آرائی کی۔ ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا حکم نے نامۂ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دربار خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو نامۂ فتح لیکر گئے تھے حضرت عمر نے ان سے مکران کا حال پوچھا انھوں نے کہا ارض سھلھا جبل وماءھا وشل وتمرھا دقل

---

[1] اس کا قدیم نام کرمانیہ ہے حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں کوہستان جنوب میں بحر عمان مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس ہے زمانہ سابق میں اسکا دارالصدر اتیر دبر دسیر تھا جسکی جگہ اب جیرفت آباد ہے ۱۲ [2] سیستان کو عرب میں سجستان کہتے ہیں۔ حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان ہے مشہور شہر بلخ ہے جہاں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے رقبہ... ۲۰ میل مربع ہے [3] آجکل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ مؤرخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے اسلئے ہم نے بھی نقشہ میں فتوحات فاروقی کی وہیں تک حد قرار دی ہے۔

وعلّ دھا بطل وخیرھا قلیل وشرھا طویل والکثیر بھا قلیل حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے اُنھوں نے کہا میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ فوجیں جہانتک پہنچ چکی ہیں وہیں رُک جائیں چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مورخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ ہند میں بھی آچکا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۲۲ھ ۶۴۳ء

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے انمیں احنف بن قیس بھی تھے اور انکو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احنف نے ۲۲ھ میں خراسان کا رخ کیا طبسین ہوکر ہرات پہنچے اور اسکو فتح کرکے مروشاہجہاں پر بڑھے یزدگرد شہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ انکی آمد سنکر وہ مرورود چلا گیا۔ اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے احنف نے مروشاہجہاں پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرورود کی طرف بڑھے یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا۔ اِس اثنا میں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جسکے میمنہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن النضری۔ ربعی بن عامر التمیمی۔ عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی۔ ابن ام غزال الہمدانی تھے۔ احنف نے تازہ دم فوج لیکر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اُتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پاکر ہر طرف فوجیں بھیجدیں۔ اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کرلیا۔ مرورود کو تخت گاہ قرار دےکر مقام کیا اور حضرت عمرؓ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمرؓ فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھکر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیوں کا سرتاج ہے تاہم جواب میں جو نامہ لکھا اُس میں لکھا جہانتک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اُدھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا تو اُسنے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ساتھ لیکر یزدگرد کے ساتھ ساتھ

سلہ علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر، فرغانہ، خوارزم، طخارستان اور سیستان رقبہ خراسان میں داخل تھا مگر اصل یہ ہے کہ اسکے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں اسکے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، نسا، ابیورد وغیرہ تھے جن میں سے دو پچھلے اب بالکل برباد ہیں

خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف جو بیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے خاقان کی آمد سنکر مرورود کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچکر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرورود پہنچا، یزدگرد خاقان سے الگ ہوکر مروشاہجہاں کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نہر اتر کر ایک میدان میں جسکی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں جمائے پڑی رہیں۔ عجمی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہوکر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ ادھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس جاتے تھے ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدان جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدان جنگ میں گئے اُدھر سے معمول کے موافق ایک ترک طبل و علم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک ردوبدل رہی۔ آخر احنف نے ایک برچھی ماری۔ ترک زمین پر گر کر مر گیا۔ احنف نے جوش میں آکر کہا۔

ان علی کل رئیس حقا ان یخضب الصعدۃ او یندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان میں آئے اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں۔ چونکہ شگون برا تھا۔ نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بیفائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔ چنانچہ اُسی وقت کوچ کا حکم دیدیا +

یزدگرد۔ مروشاہجہاں کا محاصرہ کیئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے ناامید ہوکر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھکر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے روکا اور جب اُسنے نہ مانا تو برسرمقابلہ آکر تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا یزدگرد بے سروسامان، **خاقان** کے پاس پہنچا اور حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان کا دار السلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح کا نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مژدہ فتح سنایا اور ایک پُر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دیدیگا۔

مصر کی فتح ۲۰ھ

۶۴۱ ء

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اسکے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر انکی تجارت کا جولانگاہ تھا۔ اُس زمانے میں مصر کی نسبت اس قسم کا خیال بھی انکے دل میں نہ گزرا ہوگا۔ لیکن اُسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر انکی نظر میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اُس میں یہ اُن سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر اُن کے اصرار پر راضی ہوگئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی، اسپر بھی اُن کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمروؓ سے کہا کہ خدا کا نام لیکر روانہ ہو لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُلٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا اگرچہ اُس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا عمروؓ نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آچکے۔ غرض عریش سے چلکر فرما پہنچے یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گو اب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا اور جالینوس کی زیارتگاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا یہاں سرکاری فوج رہتی تھی اُسنے شہر سے نکلکر مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمروؓ فرما سے چل کر بلبیس اور اُم دُنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے فسطاط اُس زمانے میں کھت دست میدان تھا اور اُس قطعہ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اُس وقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اسکے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہازات اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں اِن وجوہ سے سرکاری ضرورتوں کے لیئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمروؓ نے اول اسی کو تاکا۔ اور محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں۔

سلہ مقریزی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمروؓ سے ملا انھوں نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منع کیا ہوگا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لیونگا۔ عریش کے قریب پہنچے تو خط لیکر کھولا اور پڑھکر کہا کہ امیر المومنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچ چکے ہو تو رک جانا لیکن ہم تو مصر کی حد میں آچکے" لیکن عمرو بن عاص کی نسبت ایسی جلد بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہے اور قاتو بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط انکو عریش ہی میں ملا۔ اور اگر رفح میں ملا تب بھی کچھ حرج نہیں کیونکہ رفح خود مصر میں داخل ہے ۱۲

مقوقس جو مصر کا فرماں روا اور قیصر کا باج گزار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمرو نے حضرت عمر کو خط لکھا اور اعانت طلب کی انھوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے یہ افسر زبیر بن العوام، عبادہ بن الصامت، مقداد بن عمر، مسلمہ بن مخلد تھے زبیر کا جو رتبہ تھا اُسکے لحاظ سے عمرو نے اُن کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات اِنکے ہاتھ میں دیدیئے اُنھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیئے۔ اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کیئے اسپر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں یہ کہکر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے انکا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل گئی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگے ادھر زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھولدیا۔ اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھکر صلح کی درخواست کی اور اُسی وقت سب کو امان دیدی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے اُن لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور مخملی کرسیوں پر بیٹھے۔ کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیدیا تھا۔ سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادات کے موافق کھانے پر بیٹھے۔ کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شوربے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شوربے کی چھینٹیں اُڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں کھانے کے بعد رومیوں نے کہا وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے یعنی وہ ایسے گنوار و بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا وہ اہل الرائے تھے اور یہ سپاہی ہیں"

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لیے معاہدہ صلح لکھوایا تھا لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اُس نے نہایت ناراضی ظاہر کی اور لکھا بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اُسیوقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو۔

اسکندریہ کی فتح ۲۱ھ
۶۴۱-۴۲ء

فسطاط کی فتح کے بعد عمروؓ نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہوا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی۔ عمروؓ نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمروؓ کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنالیا تھا۔ خیمہ اُٹھایا جانے لگا تو عمروؓ کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہونے پائے۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور عمروؓ نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس لیئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہوگیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہرحال ۲۱ھ میں عمروؓ نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں اُنھوں نے سدِ راہ ہونا چاہا چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبطی بھی شامل تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں۔ مقام کریون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا مسلمانوں نے نہایت جوش میں آکر جنگ کی اور بیشمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمروؓ نے اسکندریہ پہنچکر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لیے صلح ہوجائے۔ عمروؓ نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کے مرعوب کرنے کے لیئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتیار لگا کر شہر پناہ کی فصیل پر مسلمانوں کے آمنے سامنے صف جما کر کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نجا سکیں اُنھوں نے شہر کیطرف رخ کر لیا تھا۔ عمروؓ نے کہلا بھیجا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھے لیکن تمکو معلوم نہیں کہ ہم نے ابتک جو ملک فتح کیے کثرت فوج کے بل پر نہیں کیے تمہارا بادشاہ ہرقل جس سر و سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تمکو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔ مقوقس نے کہا "سچ ہے یہی عرب ہیں جنھوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا۔" اس پر رومی سردار

نہایت غضبناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔
مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اس نے عمرو سے اقرار کر لیا تھا کہ چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں۔ اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمھارے ہاتھ سے ضرر نہ پہونچنے پائے۔ قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکے میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام ان ہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گزر کر تلوار کی نوبت آئی ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جسکو دعوی ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے اُنکو زمین پر دے پٹکا اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی۔ عمرو کو اسپر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کیے کہا کہ "زنخوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے"! مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اُسی طرح قائم تھا آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا آخر رومیوں نے سنبھلکر ایک ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن عاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ جان دینی چاہی تو اُنھوں نے کہا دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تمکو چھوڑ دینگے کہ قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمھارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔ عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لیے نکلنا چاہا مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ کہکر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے۔ بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہگیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے اُنھوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی

اور انھوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔[1]

محاصرہ جسقدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمرؓ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی چنانچہ عمروؓ کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اسقدر دیر نہ ہوتی جسوقت میرا خط پہنچے۔ تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج سے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے"۔ عمروؓ نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پُر اثر تقریر کی کہ سب کے دل بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت کو جو برسوں رسول اللہ کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجکو دیجئے۔ خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر انکو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں"۔ زبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا غرض اس سروسامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ عمروؓ نے اُسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جسقدر تیز جا سکو جاؤ اور امیر المومنین کو مژدۂ فتح سناؤ۔ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہِ خلافت میں تو نہ گئے سیدھے مسجد نبوی کا رُخ کیا اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی اِدھر آنکلی اور انکو مسافر کی ہیئت میں دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا اسکندریہ سے۔ اُسنے اُسیوقت جاکر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کر چلو تم کو امیر المومنین بلاتے ہیں حضرت عمرؓ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لیئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سنکر زمین پر گر پڑے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ اُٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی کہ الصلوٰۃ جامعۃ سُننے ہی تمام مدینہ اُمنڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کیئے۔ وہاں سے اُٹھکر حضرت عمرؓ کے ساتھ اُنکے گھر پر گئے۔ حضرت عمرؓ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ انھوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں! فرمایا کہ افسوس! تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالیگا۔[2]

---

[1] مقریزی ۱۶۳ و ۱۶۵ جلد اول [2] یہ تمام تفصیل مقریزی سے لیگئی ہے ۱۲

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قطعے متعین کیے اور داغ بیل ڈالکر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں تفصیل اسکی دوسرے حصے میں آئیگی؎

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آیندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجہ بن حذافۃ العدوی۔ فیوم۔ اشمونین۔ اخمیم۔ بشرودات۔ سعید اور اسکے تمام مضافات میں چکر لگا آئے اور ہر جگہ کے لوگوں نے خوشی سے جزیہ قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تنیس۔ دمیاط۔ تونہ۔ دمیرہ۔ شطار۔ دقہلہ۔ بنا۔ بوصیر کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کیے؎

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبطی گرفتار ہوئے تھے۔ عمرو نے دربار خلافت کو لکھا کہ انکی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہدو کہ انکو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو انکو وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے عمرو نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے۔ ایک جا جمع کیے۔ عیسائی سرداروں کو بھی طلب کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہکر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے بچھے جاتے تھے۔ اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا اور مسلمان اسقدر غمزدہ ہوتے تھے کہ بہتوں کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسدی کے موافق کامیاب ہوئے۔

حضرت عمر کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ء

(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابولولو تھی اُس نے ایک دن

؎ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۰ ؎ طبری ۲۵۸۲ و ۲۵۹۳

حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی۔ اُس نے کہا روزانہ دو درہم دقریباً سات آنے حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کونسا پیشہ کرتا ہے، بولا کہ "نجاری، نقاشی۔ آہنگری" فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم بہت نہیں ہے" فیروز دل میں سخت ناراض ہوکر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لیے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو چکتی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لیے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعتہ گھات میں سے نکل کر چھ وار کیئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا" لوگوں نے کہا فیروز فرمایا کہ "الحمدللہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں ہے غالباً شفا ہو جائیگی چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اُس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کے باہر نکل آئیں۔ اُسوقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولیعہد منتخب کر جایئے" +

حضرت عمرؓ نے عبداللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہؓ کے پاس جاؤ، اور کہو کہ عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے"، عبداللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے۔ وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس جگہ کو میں اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دونگی۔ عبداللہ واپس آئے لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے ہو؟ اُنھوں نے

کہا کہ جو آپ چاہتے تھے" فرمایا کہ وہی سب سے بڑی آرزو تھی"، اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا، تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اسکو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے انکو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں پیچاں ہیں مدت سے غور و فکر پر بھی اُن سے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بار بار اُن کے مونہ سے بیساختہ آہ نکل گئی کہ "افسوس اس بارگراں کا کوئی اُٹھانیوالا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اُس وقت چھ شخص ستھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی، علی۔ عثمان۔ زبیر۔ طلحہ۔ سعد بن وقاص عبدالرحمن بن عوف۔ لیکن حضرت عمر ان میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے[1] اور اس کا انھوں نے

[1] حضرت عمرؓ نے ان بزرگوں کی نسبت جو خوردہ گیریاں کیں گو ہم نے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اُن میں جا سے کلام نہیں البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ "ان کے مزاج میں ظرافت ہے" یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی ظریف تھے مگر اُسی قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُنکے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کیے ہیں ہم ان کو اس موقع پر اس لیے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علی کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر کیوں عبداللہ بن عباس، علی ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی!

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نکرتی تھی۔

عبداللہ بن عباس۔ کیوں؟

مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا چنانچہ طبری وغیرہ میں اُنکے ریمارک بتفصیل مذکور ہیں، مذکورۂ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے اُن کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔[1]

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔"

حضرت عمر کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ

حضرت عمر۔ وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو انکا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا!

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ بن عباس! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے انکی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔"

عبداللہ بن عباس۔ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر۔ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباس۔ ظلماً کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں لیکن حسداً۔ تو اس کا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمر۔ افسوس بنی ہاشم کے دل سے پرانے بغض اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس۔ ایسی بات نہ کہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر۔ اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباس۔ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۸ تا ۲۷۷۰)

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمر کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری اور بیباکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ حضرت عمر خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

[1] طبری صفحہ ۲۷۷۷۔

کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہانتک اُنکی قوت اور حواس نے یاوری دی اسی دھن میں مصروف رہے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اُسکو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین[1]۔ انصار[2]۔ اعراب[3] وہ اہلِ عرب جو اور شہروں میں جاکر آباد ہوگئے ہیں۔ اہلِ[4] ذمہ یعنی عیسائی۔ یہودی۔ پارسی۔ جو اسلام کی رعایا تھے۔ پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہلِ ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے "میں خلیفۂ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہلِ ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے اُنکے دشمنوں سے لڑا جائے اور اُنکو اُنکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے" قوم کے کام سے فراغت ہوچکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ "مجھ پر کسقدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم، فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہوسکے تو بہتر ورنہ خاندانِ عدی سے درخواست کرنا اگر وہ بھی پورا نہ ادا کرسکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا" یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ میں بسندِ صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمر کے غلام تھے کہتے تھے کہ "عمر پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ اُن کے ایک وارث نے اپنے حصۂ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا[1]" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ اُنکا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جسکو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور ہوا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفےٰ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے[2]۔ حضرت عمر نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی حضرت عبدالرحمٰن حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ طلحہ۔ سعد وقاص۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے قبر میں اتارا۔ اور وہ آفتاب عالمتاب خاک میں چھپ گیا"

[1] دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۵۴ [2] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۷۹۔

سلسلۂ

نامورانِ اسلام

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مفصل سوانح عمری کا

حصۂ دوم

جس میں اول حضرت عمرؓ کے تمام ملکی، مالی، و فوجی انتظامات کی تفصیل ہے پھر انکے ذاتی اخلاق و عادات اور علمی کمالات کا تذکرہ ہے اور خصوصاً انکے مجتہدانہ کارناموں کو نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے

مؤلفہ

شبلی نعمانی

حسب اجازت حضرت مؤلف صاحب موصوف مدظلہ

باہتمام سید محمد شفیع الدین مالک مطبع

افضل المطابع دہلی عربی اعظم خان میں طبع ہوئی

۱۹۱۵ء

حصہ دوم

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو اُس سے تمھارے دل پر اُس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم، و استقلال، کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا لیکن اسلاف کی داستان سُننے میں تم نے اسکی پروا نہ کی ہو گی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے،

لیکن ایک نکتہ سنج مؤرخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہونگے کہ چند صحرا نشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر اُلٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اِس کے اسباب کیا تھے؟ کیا اِن واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دیجا سکتی؟ جو کچھ ہوا اُس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اُس کے حدود اربعہ کیا تھے۔

فتوحات فاروقی کی وسعت

حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کُل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حدِ حکومت تھی اس لیئے وہ قابل ذکر نہیں۔

اِس میں شام۔ مصر۔ عراق۔ جزیرہ۔ خوزستان۔ عراق عجم۔ آذربائیجان۔ فارس۔ کرمان۔ خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جسکو اہل عرب روم کہتے ہیں ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونیکے قابل نہیں یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی فتوحات ہیں اور اسکی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے

فتح کے اسباب یورپین مؤرخوں کی رائے کے موافق۔

پہلے سوال کا جواب یوروپین مؤرخوں نے یہ دیا ہے کہ اُس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں

اوجِ اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم و برہم ہو گیا تھا کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اول بدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصہ میں عنانِ حکومت چھ سات فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیروان سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیروان نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسطورین فرقہ جسکو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ بھی اسلام کے سایہ میں آ کر مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آگئی۔

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اسکے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اسکی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔

یورپین مؤرخوں کی رائے کی غلطی

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں لیکن جسقدر واقعیت ہے اُس سے زیادہ طرز استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے بے شبہ اُس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں لیکن اس کا صرف اسقدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سر و سامان قوم سے ٹکرا کر پُرزے پُرزے ہو جاتیں۔ روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فنونِ جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو اب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک اُنکا عملی رواج رہا۔

اسکے ساتھ رسد کی فراوانی، سر و سامان کی بہتات، آلات جنگ کے تنوع۔ فوجوں کی کثرت۔ میں کمی نہیں آئی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ کسی ملک پر چڑھکر جانا نہ تھا۔ بلکہ اپنے ملک میں، اپنے قلعوں میں، اپنے مورچوں میں، رہکر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شوکت و شان کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ

کیا اور شہر بشہر قدم بقدم فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لیے تھے واپس لیے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے اتنے تھوڑے سے عرصے میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی؟ البتہ تخت نشینوں کی اول بدل سے نظام میں فرق آگیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزا یعنی خزانہ۔ فوج۔ اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لیے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا لیکن ہمکو تمام تاریخ میں اُن سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسطوریین کی کوئی اعانت ہمکو معلوم نہیں عیسائیت کے اختلافِ مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں اُن کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنونِ جنگ سے واقفیت کا یہ حال کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے قعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود۔ زرہ۔ چلتہ۔ جوشن۔ بکتر۔ چار آئینہ آہنی دستانے جھلم موزے جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوسِ[1] جنگ تھا۔ اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی تھی۔ آلاتِ جنگ میں سے گرز و کمند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکہ میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل انکو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے ہیں۔

فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اُس وقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی۔ دلیری۔ پیدا ہو گئی تھی اور جسکو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اُسکی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اسکے ساتھ اور بھی چیزیں مل گئی تھیں جنھوں نے

[1] ابن قتیبہ نے اخبار الطوال میں لکھا ہے کہ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں۔

فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راستبازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راستبازی کے اسقدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے انکی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے یرموک کے معرکے میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تمکو پھر اس ملک میں لائے،، اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لیکر کہاکہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا۔

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی اس لیئے رومیوں نے مسلمانوں کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا اُنکے ساتھ نہ تھی مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی، وہاں سلطنت کے نیچے بہت بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے، وہ سلطنت کے لیئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لیئے لڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پایۂ تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں۔ لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اس لئے فتح کے بعد بقائے حکومت میں اُن سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا ان دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں لخمی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے۔ ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان لوگوں نے

سلہ آگے چل کر ہم نے ایک موقع پر ان کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں ۱۲-

بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم، اور قتل عام کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اُسنے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لیے قتل عام کا حکم دیا۔ اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اسکے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے اُن میں ایک کو بھی زندہ نچھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کرا دیا اس طرح کی اور بھی بے رحمیاں اُسکے کارناموں میں مذکور ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقا نہیں چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیرپا نہوئیں۔ لیکن فوری فتوحات کے لیئے اس قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں، انکی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہی اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لیئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز۔ بخت نصر۔ تیمور۔ نادر جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمرؓ کی فتوحات میں کبھی سر مُو انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ آدمیوں کا قتل عام ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کیجا سکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام جاتے تھے فان قاتلوکم فلا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدًا[1] یعنی دشمن تم سے لڑائی کیں تو ان سے فریب نہ کرو کسی کی ناک کان نہ کاٹو کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے اُن سے دوبارہ اقرار لیکر درگزر کی جاتی تھی یہانتک کہ عربسوس والے تین تین دفعہ متواتر قرار کر کے پھر گئے تو صرف اسقدر کیا کہ اُنکو وہاں سے جلاوطن کر دیا لیکن اسکے ساتھ اُنکی کل جائداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو اُنکی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دیدیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر ان لوگوں کا گزر ہو اُنکو ہر طرح کی اعانت دیجائے اور جب یہ کسی شہر میں قیام اختیار کریں تو ایک سال تک اُن سے جزیہ نہ لیا جائے۔

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گزرے ہیں، انکو یہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط، اس قید، اس پابندی، اس درگذر کے ساتھ دُنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

اسکے علاوہ، سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے اسکی وجہ سے علاوہ اسکے کہ فوج کو ایک سپہ سالار ہاتھ آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔ البتہ انکی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔

ایک اور صریحی فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گذرنے والے بادل کی طرح تھیں کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کیے وہاں کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا برخلاف اسکے فتوحاتِ فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اُس وقت فتح ہوئے۔ تیرہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص

اخیر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چنداں تخصیص نہ تھی، اُس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہہ برقی قوت ہیں۔ لیکن یہ قوت اُسی وقت کام دیسکتی ہے۔ جب کام لینے والا بھی اُسی زور و قوت کا ہو، قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں۔ واقعات خود اسکا فیصلہ کر سکتے ہیں، فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھکر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پُتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص اُنکی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقیں، بارگوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعیین فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام۔ افسرانِ فوجی کا انتخاب، قلعہ

شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے اُمور کے متعلق کیا کیا انتظام خود کیے اور انکو کس عجیب زور قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کرو گے کہ حضرت عمر کے بغیر یہ کل مطلق کا کام نہیں لے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمر نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینے سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اُسکے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اُسکے لحاظ سے فوج کی ترتیب، اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں جسقدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوئے تھے انکے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار، دُور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اُس کے اشاروں پر ہوتا ہے اِن تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے۔ ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک میں آگ لگا دی تھی اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔

دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمر کی حسن تدبیر تھی جسنے ایک طرف ایک اُٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پرخچے اُڑا دیئے ٭ چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصہ میں لکھ آئے ہیں ٭

اِن تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گذرا۔

نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں پڑی لیکن نظام حکومت کا دَور حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی دو سالہ خلافت میں

اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہوگیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں، تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا اور نہ اتنا مختصر زمانہ اسکے لیے کافی ہوسکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک طرف تو فتوحات کو یہ وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں، دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اسکو اسقدر ترقی دی کہ انکی وفات تک حکومت کے جسقدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آچکے تھے۔

لیکن قبل اسکے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہیے کہ اس حکومت کی ترکیب و ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اسوقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اُسکے لحاظ سے حضرت عمرؓ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہوسکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف اس بات کا پتا لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے یعنی سلطنت کا میلان، ذاتی اختیارات پر تھا یا عام رائے پر۔ جمہوری اور شخصی طریق حکومت جو چیز سب سے بڑھکر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جسقدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا، اُسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہانتک کہ سلطنتِ جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہوجائیں اور وُہ جماعت کا رکن کا صرف ایک ممبر رہجائے۔ برخلاف اسکے شخصی سلطنت میں تمام دار و مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں *

(۱) بجائے اسکے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے۔

(۲) چونکہ بجز چند عہدہ داروں کے اَور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لیے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہو جاتی ہے۔

(۳) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے اُن کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے انکو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہوسکتی جتنی خود اصحاب حقوق کو

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

ہو سکتی ہے۔

(۴) چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اِس لیے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں اور کبھی اُس سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اسکے برعکس نتائج ہونگے۔ اِس بنا پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو اُسکی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اِس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین قسم کی حکومتیں موجود تھیں لخمی۔ حمیری۔ غسانی۔ لیکن یہ سب شخصی تھیں اقبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کئے جاتے تھے لیکن اُن کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ انکی حیثیت سپالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے بھی اِس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا کیونکہ گو۔ اُنکا انتخاب کثرتِ رائے پر ہوا تھا لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا فلا یغترن امرءٌ ان یقول انما کانت بیعة ابی بکر فلتة وتمت الا وانھا قد کانت کذلک لکن اللّٰہ وقی شرّھا۔[1]

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بُنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضا سے اُسکے تمام اُصول و فروع مُرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں۔ ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ اربابِ شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام

حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)

[1] دیکھو صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ بار دوم صفحہ ۱۰۰۹۔

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اُسکے انعقاد کا طریقہ

جماعت اسلام میں اُس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جنکو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا یعنی مہاجرین و انصار۔ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کو ارکان شریک ہوتے تھے۔ **انصار** بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج چنانچہ ان دونوں خاندان کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضرور تھا، مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اسقدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، اس میں شامل تھے[1]۔ مجلس شوریٰ کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمر مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے نماز کے بعد ممبر پر چڑھکر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا[2]۔

مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دیدیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدمائے مہاجرین و انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں سے ۵ شخص قبیلہ **اوس** اور ۵ قبیلہ **خزرج** کے شریک ہوئے کئی دن تک اس مجلس کے جلسے ہے اور نہایت آزادی دبیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمر نے جو تقریر کی اُسکے جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔ انی لم ازعجکم الا لان تشرکوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم ولست ارید ان تتبعوا ھذا الذی ھوای[3]

سنہ ۲۱ھ میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سروسامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھیرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ

---

[1] کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد۔ جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ حیدرآباد۔

[2] تاریخ طبری۔ صفحہ ۲۵۷۴۔

[3] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابویوسف صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں ہے۔

منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف وغیرہ نے باری باری کھڑے ہوکر تقریریں کیں اور کہا کہ خود آپ کا موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں، پھر حضرت علی کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر موقع جنگ پر نہ جائیں، اسی طرح فوج کی تنخواہ، دفتر کی ترتیب، عمال کا تقرر، غیر قوموں کو تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص۔ اس قسم کے بہت سے معاملات ہیں جنکی نسبت تاریخوں میں بتصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہوکر طے پائے ان امور کے پیش ہونیکے وقت ارکانِ مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت، استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمر نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں اُنکے خاص الفاظ یہ ہیں لاخلافۃ الاعن مشورۃ

ایک اور مجلس

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کیوقت ہوتا تھا۔ لیکن اسکے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی، یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں حضرت عمر اُنکو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا اُس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے کان المھاجرون مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معھم فیہ ویحدثھم عما ینتھی الیہ من امر الآفاق فقال یوما ما ادری کیف اصنع بالمجوس۔

عام رعایا کی مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا کوفہ۔ بصرہ۔ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کیے جانے لگے تو حضرت عمر نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص

[۱] کنز العمال بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔ جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۔

انتخاب کرکے بھیجیں جو اُنکے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد بصرہ سے حجاج بن علاط شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر نے انھیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

کتب عمر بن الخطاب الی اھل الکوفۃ یبعثون الیہ رجلا من اخیرھم واصلحھم والی اھل البصرۃ کذلک والی اھل الشام کذلک قال فبعث الیہ اھل الکوفۃ عثمان بن فرقد وبعث الیہ اھل الشام معن بن یزید وبعث الیہ اھل البصرۃ الحجاج بن علاط کلھم سلمیون قال فاستعمل کل واحد منھم علی خراج ارضہٖ

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پائے تخت کے فاتح تھے حضرت عمر نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جب لوگوں نے انکی شکایت کی تو معزول کر دیا

حکومتِ جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جنکو **وفد** کہتے تھے اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربارِ خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دادرسی چاہی جائے۔ حضرت عمر نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا یہاں تک کہ خاص اُسکے لیے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالانِ سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اسکا اعلان کیا، چنانچہ اسکی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئیگی۔

حکومتِ جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں، عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو، ملک کی آمدنی میں ضروریاتِ زندگی سے زیادہ نہ لے سکے، عام معاشرت میں اُسکی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اُسکے اختیار محدود ہوں، ہر شخص کو اُس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو، یہ تمام اُمور حضرت عمر کی خلافت میں

؎ کتاب الخراج صفحہ ۶۴

اس درجے تک پہنچے تھے کہ اُس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمرؓ کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا، اُنھوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے اُنکی کیا حیثیت ہی، اور ان کے کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقع پر اُنھوں نے اِس کے متعلق جو تقریر کی تھی اُسکے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

انما انا ومالکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف لکم علی ایھا الناس خصال فخذونی بھا لکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم ولا مما افاء اللہ علیکم الا من وجھہ ولکم علی اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقہ ولکم علی ان ازید فی اعطیاتکم واسد ثغورکم ولکم علی ان لا القیکم فی المھالک	مجکو تمھارے مال (یعنی بیت المال) میں اسقدر حق ہے، جتنا یتیم کے مُربی کو یتیم کے مال میں، اگر میں دولتمند ہوں گا تو کچھ نہ لونگا اور ضرورت پڑیگی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے لونگا صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جن کا تمکو مجھسے مواخذہ کرنا چاہیئے، ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے ایک یہ کہ میں تمھارے روزینے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کرکے کہا کہ اتق اللہ یا عمر! اے عمرؓ خدا سے ڈر" حاضرین میں سے ایک شخص نے اُسکو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں تو بے مصرف ہیں۔ اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم"، اِن باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومتِ جمہوری کی اصلی تصویر ہے۔ اور حکومتِ جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی،

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمرؓ کے نظامِ حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں حکومت کے نظم ونسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی

سلہ کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔

ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے، پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے، پڑھنے، اور دیگر ضروریات کے جُدا جُدا کمرے بنتے جاتے ہیں یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائی تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جُلے رہتے ہیں۔ جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وُہی لڑائی کیوقت سپہ سالار بن جاتا ہے، مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے جرائم کی تعذیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزکیٹو۔ اختیارات اب تک ملے جُلے ہیں۔ یعنی کلکٹر ضلع مالگزاری بھی وصُول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے۔ اور غیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے۔ حضرت عمر کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اسکے کہ اُس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلۂ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے تاہم اُنھوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کرکے جُداگانہ محکمے قائم کیے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ملک کی تقسیم

صوبجات اور اضلاع

عہدہ داران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں، ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جنکو صوبہ، ضلع، اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عمر پہلے شخص ہیں جس نے اسکی ابتدا کی اور اُس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور تناسب سے اسکے حدود قایم کیے تمام مورخین نے اسکی تصریح کی ہے کہ اُنھوں نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ۔ مدینہ شام جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ مصر فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے ۸ کے بجائے ۷ صوبے لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمر نے سنہ ۲۰ھ میں کیا تھا، مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے جسکی تفصیل بتا دینی ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو

حضرت عمر کے مقرر کردہ صوبے۔

وسعت حاصل تھی اُسکے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس، خوزستان، کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے اُنکی تقسیم جو پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلع تھے اکثر جگہ حضرت عمرؓ نے اُسی طرح رہنے دیے۔ اس لیے مورخین نے اُنکا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کیے اُنکا ذکر ضرور تھا اور وہی یہی آٹھ تھے۔ لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کیے تھے۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اُس میں ۱۰ ضلعے شامل تھے۔ سنہ ۱۶ھ میں جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جاکر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیے ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا، اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیا[1]۔ مصر کی نسبت ہمکو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اُسکی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اُسکو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جسکو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جسمیں ۲۸ ضلعے شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دیکر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور نشیبی حصہ جسمیں ۱۵ ضلعے شامل تھے اُسپر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے قریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیے تھے اس لیے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت، عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

خراسان۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرورود۔ فاریاب طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ باذغیس۔ باورد۔ غرشستان۔ طوس۔ سرخس۔ جرجان۔

آذربائجان۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ طبرستان۔ رے۔ قزوین۔ زنجان۔ قم اصفہان۔ ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان۔ ماسندان۔ مہرجان قذق۔ شہرزور۔ صامغان۔ آذربیجان

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۳ و ۲۴۰۰۔ اصل عبارت یہ ہے۔ فضارت فلسطین بنصفین نصف مع اہل ایلیا ونصف مع اہل الرملۃ وھم عشرۃ وفلسطین بتعدل الشام ... وفرق فلسطین علی رجلین ... [2] تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۳ جلد اول۔

صوبوں کے افسر

فارس۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور۔ کازرون فسا۔ دارابجرد۔ اردشیر خرہ۔ سابور۔ اہواز۔ جندیسابور۔ سوس۔ نہر تیری۔ مناذر۔ تستر۔ ایذج۔ رام ہرمز

صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے **والی** یعنی حاکم صوبہ **کاتب** یعنی میر منشی **کاتب دیوان** یعنی دفتر فوج کا میر منشی **صاحب الخراج** یعنی کلکٹر **صاحب احداث** یعنی افسر پولیس **صاحب بیت المال** یعنی افسر خزانہ **قاضی** یعنی صدر الصدور ومنصف۔ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر۔ والی۔ عثمان بن حنیف کلکٹر۔ عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ شریح قاضی۔ عبداللہ بن الخزاعی۔ کاتب دیوان تھے[1]

ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا۔ لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی ان خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہمکو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین میں قدامہ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اُسکے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دس آدمی اُنکے اسٹاف میں دیئے جن میں ایک قرظہ خزرجی بھی تھے میر منشی قابل اور تقریر اور تحریر میں یکتا ہوتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جسکی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اسکے علم کے نیچے آجاتا[2]۔

اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ، اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر صوبے کے ماتحت اور اُسکے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اُسکے ساتھ اُسکا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ داروں کا انتخاب اور اُنکی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل، لائق، راستباز اور متدین

---

[1] طبری ۲۶۴۷ و ابن خلکان صفحہ ۲۵۲ [2] اسد الغابہ تذکرہ قرظہ ۱۲

نہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے۔ ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی اُسکی نظیر نہیں ملتی۔ اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ انکی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اُسکی تہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اسکے ساتھ اُنھوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی، یہی بات تھی کہ اُنھوں نے جس شخص کو جو کام دیا اُسکے انجام دینے کے لیے اُس سے بڑھکر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو دُھاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ۔ عمرو بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہؓ۔ زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے۔ اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لیئے اس طرح اُن پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خودسری نکرنے پائے زیاد اُنکے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا اس لیئے اُسکو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا۔ لیکن اُس کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اُسکو مشیر کار بنائیں۔ فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے۔ لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغہ کی افسری نہ دینا کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا ہے۔[52] عبد اللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی آپنے فرمایا کہ اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبد اللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "میں" یہ کہکر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھکر لائے۔ آنحضرت نے سُنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ اُنکی اس قابلیت پر اُن کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر اُنکے دل میں ہمیشہ قائم رہا یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو اُنکو میر منشی مقرر کیا نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لیئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمرؓ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپنے

حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی

[51] اسد الغابۃ تذکرہ مغیرہ بن شعبہ۔ [52] استیعاب قاضی ابن عبد البر و طبری صفحہ ۲۶۱۰۔

ملک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہو کسی نے نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے، عمار بن یاسر بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور زہد و تقدس میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے۔ قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے اُنکو کوفہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب اُن سے کام نہ چل سکا تو معزول کر دیا اور اُنکے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لیے موزوں نہ تھے اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جنکا استقصا نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے اُن پُرزوں کو حکومت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔ تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیئے حضرت عمرؓ نے مجلس شوری منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ "اگر آپ لوگ میری مدد نہ کرینگے تو کون کریگا؟" حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ ہم آپ کو مدد دینگے، لیکن اسوقت ملکی انتظامات میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا اے عمرؓ تم رسول اللہ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں، ابو عبیدہ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہونے پائیں۔[1] غرض حضرت عمرؓ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیانتدار اور قابل لوگ انتخاب کیے اور اُنکو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔ زیادہ اہم خدمات کے لیے مجلس شوری کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقہ پر ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلعے کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہو، اُسکو انتخاب کر کے بھیجو چنانچہ اُنہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے۔ عثمان بن فرقد، معن بن یزید، حجاج بن علاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کیے گئے تھے۔ چنانچہ ہم اسکی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔ ایک وقت یہ بھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اسکو

عمال کے مقرر کرنے کیلیے مجلس شوری

تنخواہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۰۔ اصل عبارت یہ ہے ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال اذا لم

تعینونی فمن یعیننی الخ۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۶

زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہٖ اسی طرح جس طرح آجکل کے مقدس ہو اعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں تو اُنکو نہایت ناگوار ہوگا لیکن نذر نیاز کے نام سے جو رقمیں ملتی ہیں اُس سے اُنکو احتراز نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اِس غلطی میں مُبتلا تھے لیکن یہ امر تمدّن اور اُصولِ انتظام کے خلاف تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے بڑی کوشش سے اِس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہؓ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے بڑی مشکل سے اُنکو راضی[1] کیا۔ حکیم بن حزام نے حضرت عمرؓ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا۔[2]

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اُسکو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اُسکی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا[3] اُسکے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کرکے یہ فرمان پڑھتا تھا جسکی وجہ سے لوگ اُسکے اختیارات اور فرائض سے واقف ہوجاتے تھے، اور جب وہ اُن اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اُس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک اُن سے واقف ہوجائے چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اُسکے متعلق خطبے دیئے ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا عاملوں کو مخاطب کرکے یہ الفاظ فرمائے

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ایمۃ الھدی یھتدی بکم فادروا علی المسلمین حقوقھم ولا تضربوھم فتذلوھم ولا تحمدوھم فتفتنوھم ولا تغلقوا الابواب دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم ولا تستاثروا

یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کرکے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمھاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔ اُن کو نہ زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں۔ اُنکی بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں اُنکے لیے اپنے دروازے نہ بند رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں اُن سے

[1] طبری صفحہ ۲۵۰۰۔ [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۳۲۲ [3] طبری صفحہ ۲۷۴۴۔ اُسد الغابۃ (تذکرہ حذیفہ بن الیمان) سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے اُسکے الفاظ یہ ہیں کان عمر اذا استعمل عاملا کتب عھدہ فکذ بعثت فلانا وامرتہ بکذا۔ فلما قدم المدائن استقبلہ الدھاقین فلما قرء عھدہ الخ ۱۲

علیھم فتظلمھم۔ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ اُن پر ظلم کرنا ہے ۱۲

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تو حضرت عمرؓ صحابہؓ کے ایک گروہ کے سامنے اُس کو فرمانِ تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اُسکی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہوجائے۔

عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہوگا۔ باریک کپڑے نہ پہنےگا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائیگا۔ دروازے پر دربان نہ رکھےگا۔ اہلِ حاجت کے لیئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھیگا۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کیجاتی تھیں اور انکو مجمع عام میں پڑھکر سنایا جاتا تھا۔

عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست

جب وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اُسکے پاس جسقدر مال و اسباب ہوتا تھا اُسکی مفصل فہرست تیار کراکر محفوظ رکھی جاتی تھی اور عامل کی معمولی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اُس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع دی حضرت عمرؓ نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کردیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔ اُس میں اُن عاملوں کے نام بھی تفصیل سے بتائے ہیں۔

ابلغ امیر المؤمنین رسالۃ	فانت امین اللہ فی المال والامر
فلا تدعن اھل الرساتیق والقری	یسیغون مال اللہ فی الادم الوفر
فارسل الی الحجاج فاعرف حسابہ	وارسل الی جزء وارسل الی بشر
ولا تنسین النافعین کلیھما	ولا ابن غلاب من سراۃ بنی نصر
وما عاصم منھا بصفر عیابہ	وذاک الذی فی السوق مولی بنی بدر
وشبلا فسلہ المال وابن محرش	فقد کان فی اھل الرساتیق ذا ذکر
نؤوب اذا ابوا ونغزوا اذا غزوا	فانی لھم وفر ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الداری جاء بفارۃ	من المسک راحت فی مفارقھم تجری

۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۶۶ میں ہے کان عمر اذا استعمل رجلا اشھد علیہ رھطا من الانصار ۵؎ کتاب الخراج صفحہ ۶۶

۲؎ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ میں ہے کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عمالہ اذا ولاھم ثم یقاسمھم ما زاد علی ذلک

زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں[1] حج کی تقریب سے تمام اطراف سے لوگ موجود ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر اس تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بہت بڑا مجمع کرکے خطبہ دیا اور کہا کہ صاحبو! عمال جو مقرر کرکے بھیجے جاتے ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تمکو طمانچے ماریں یا تمھارا مال چھین لیں، بلکہ اُن کو اسلیئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اسکے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اُسکا انتقام لوں" عمرو بن العاص نے جو مصر کے گورنر تھے اُٹھکر کہا کہ "اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کیسکو ماریگا تب بھی آپ اُسکو سزا دینگے؟ حضرت عمرؓ نے کہا "اُس خدا کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا۔ کیونکہ میں نے خود رسول اللہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے، اُن کے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفرانِ نعمت پر مجبور ہونگے[2]!

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے ایک شخص اُٹھا اور کہا آپکے عامل نے مجکو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہوگا حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں، عمرو بن عاص نے منت کرکے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دو اشرفی لیکر اپنے حق سے باز آئے[2]،،

عاملوں کی تحقیقات

وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں اُسکی تحقیق کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا جس پر محمد بن مسلمۃ انصاری مامور تھے، یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تمام غزوات میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہتے تھے ایک دفعہ رسول اللہ ایک مہم پر تشریف لیگئے تو انکو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے ان وجوہ سے حضرت عمرؓ نے ایسے بڑے کام کے لیئے انہی کو انتخاب کیا جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے اور موقع پر جاکر مجامع عام

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۷۴۰ میں ہے وکان من سنة عمر وسیرته ان یاخذ عماله بموافاة الحج فی کل سنة للسیاسة ولیحجزهم بذلك عن الرعیة ولیكون لشکاة الرعیة وقتا وغایة ینهونها فیه الیه ۱۲ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔

میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ سلاھ میں سعد وقاص جنھوں نے قادسیہ کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے، ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لیکر نہاوند سے قریب آ پہنچے تھے۔ مسلمانوں کو سخت تردّد تھا اور اُنکے مقابلہ کے لیئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پُر خطر وقت ہے تاہم یہ تردّد مجھکو سعد وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا۔ اُنھوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جاکر لوگوں کے اظہار لیئے اور سعد بن وقاص کو ساتھ لیکر مدینے میں آئے یہاں حضرت عمرؓ نے خود اُنکا اظہار لیا[1]۔

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لیئے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات ابتداءً عامل کو مدینہ میں بُلا کر براہِ راست تحقیقات کرتے اور یہ اکثر اُس وقت ہوتا تھا۔ جب کہ عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے اُنکی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور ابو موسیٰ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کی الزامات یہ تھے کہ (۱) ابو موسیٰ نے اسیرانِ جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لیئے رکھے ہیں۔ (۲) اُنکی ایک لونڈی ہے جسکو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسّر نہیں ہوسکتی۔ کاروبار حکومت، زیاد بن سُمیّہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وُہی سیاہ و سپید کا مالک ہے، تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا، تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اس لیئے میں نے اُسکو اپنا مشیر بنا رکھا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا اسلیئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی

[1] اُسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ میں ہے وھو کان صاحب العمال ایام عمر۔ کان عمر اذا شکی الیہ عامل ارسل محمدا لکشف الحال وھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم۔ طبری نے مختلف مقامات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے ۱۲

[2] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۶۰۶ تا ۲۶۰۸ میں ہے صحیح بخاری میں بھی اس واقعہ کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ میرٹھ ۱۲۔

کہ زیاد کو مشیر کار بنایئں، دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی اُن سے چھین لی گئی

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً اُن باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس کسی عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اُسکے دربار میں بار نہیں پاتا۔ وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔[1]

ایک دفعہ حضرت عمر بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمر! کیا عاملوں کے لیے چند قواعد مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤگے، تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اُسکے دروازے پر دربان مقرر ہے"، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بُلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لوالاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچکر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتا پہنے بیٹھے تھے، اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لیکر مدینے آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتا اُتروا کر بالوں کا کرتا پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لیجا کر چراؤ"، عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے اس سے مرجانا بہتر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تجکو اس سے عار کیوں ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔[2]

حضرت سعد وقاص نے کوفہ میں اپنے لیئے ایک محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہلِ حاجت کو رُکاوٹ ہوگی محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگادیں چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چُپکے دیکھا کیئے۔

اِس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابلِ اعتراض ہیں کیونکہ لوگوں کے طرزِ معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اُصولِ آزادی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اسکے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور اُنکے دست و بازو یعنی ارکانِ سلطنت اِس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں، عام آدمیوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں اُن کے افعال کا اثر بھی انہی تک محدود رہیگا، لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں اُنکے طرز

[1] طبری صفحہ ۲۷۱۰ تا ۲۷۱۲ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [3] کتاب الخراج صفحہ ۶۶

طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں، اسکے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں، پولیٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں مساوات اور عدم ترجیح جسکو آجکل کی اصطلاح میں سوشیلزم کہتے ہیں، عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے۔ ورنہ امیر معاویہ، شام میں بڑے سر و سامان سے رہتے تھے اور حضرت عمر اُن سے کچھ متعرض نہیں کرتے تھے شام کے سفر میں حضرت عمر نے اُنکے خدم و حشم کو دیکھکر اسقدر کہا اکسروانیۃ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب اُنھوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے، اور انکی نظر میں بغیر اسکے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم رہ سکتا تو حضرت عمر نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کیلیے نہایت عمدہ اُصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اُصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو ابتک اس راز کو نہیں سمجھیں جسکی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے، حضرت عمر کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ، چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچہزار روپیہ تھی[1]۔

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمر نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پُرزے استعمال کیئے تھے۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔
یزید بن ابی سفیان	"	"	تمام بنو اُمیہ میں ان سے بڑھکر کوئی شخص لائق نہ تھا

[1] استیعاب قاضی عبد البر اور ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ ۱۷۰

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
امیر معاویہ	شام	والی	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاص	مصر	״	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	״	آنحضرت کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوان	بصرہ	״	مہاجرین میں سے ہیں بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابوموسیٰ اشعری	״	״	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	״	آنحضرت نے انکو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبد الحارث	״		فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاص	״		ابوجہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاص	طائف		آنحضرتؐ کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما۔
یعلی بن اُمیہ	یمن		صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے
علاء بن الحضرمی	״		بڑے صاحب اثر تھے آنحضرتؐ نے انکو یمن کا عامل مقرر کیا تھا
نعمان	مداین	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیف	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمایش کے کام میں نہایت ماہر تھے
عیاض بن غنم	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا۔
عمر بن سعد	حمص	״	حضرت عمرؓ انکی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمان	مداین	״	مشہور صحابی اور آنحضرت کے راز دار تھے۔
نافع بن عبد الحارث			بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
خالد بن حرث دہمانی	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرۃ بن جندب	سوق الاہواز		اکابر صحابہ میں ہیں۔
نعمان بن عدی	میسان		صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہ	موصل	کمشنر مالگذاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

صیغہ محاصل

(خراج)

خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا

خراج کا نظم و نسق، عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا، اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان، تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اسقدر رہا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اس لئے زمین ہمارے ہی قبضہ میں چھوڑ دیجائے جناب رسول اللہ نے انکی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہوگیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہوگئے تھے انکی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔ حضرت عمرؓ کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی سنہ ۱۶ھ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہوگیا اور اُس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا تو حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ اُمرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلۂ فتح کے طور پر انکی جاگیر میں عنایت کیے جائیں، اور باشندوں کو اُن کی غلامی میں دیدیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن وقاص کو وہاں کی مردم شماری کے لیے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین، باشندوں کے قبضے میں رہنے دیجائے اور انکو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ میں سے عبد الرحمن بن عوف وغیرہ اہل فوج کے ہمزبان تھے حضرت بلال نے اسقدر کد کی کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا اللھم اکفنی بلالا "یعنی اے خدا مجکو بلال سے نجات دے"۔ حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آیندہ افواج کی تیاری۔ بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان

سلہ طبری ۲۴۶۷ و فتوح البلدان صفحہ ۲۶۶ و کتاب الخراج صفحہ ۲۱

قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئینگے؟ عبد الرحمٰن بن عوف کہتے تھے کہ جنکی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہی اُنہی کو قبضے کا بھی حق ہی۔ آیندہ نسلیں مفت کیونکر پاسکتی ہیں، چونکہ حضرت عمر کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا، اِس لئے ایک عام اجلاس ہوا جس میں تمام قدماء مہاجرین اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار، وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ اور طلحہ نے حضرت عمر کی رائے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا حضرت عمر کو دفعتہً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو اِس بحث کے لیے نص قاطع تھی یعنی لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ الخ اس آیت کے اخیر فقرے وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ سے حضرت عمر نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آیندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آیندہ نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا، حضرت عمر نے کھڑے ہو کر نہایت پرزور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُٹھے کہ بے شبہ آپکی رائے بالکل صحیح ہی۔ اس استدلال کی بناء پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کی ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کی ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بیدخل نہیں کیا جائیگا۔ اِس اُصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

حضرت عمرؓ کا استدلال

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں سے آباد ہونیکی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمر کا ایک یہ بھی اُصول تھا کہ ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اُسوقت مالگزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر ایک قسم کی مزروعہ پر ایک خاص شرح سے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کیئے جاتے تھے یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیرواں نے اسکی تکمیل کی تھی۔ نوشیرواں تک تعین لگان میں یہ اُصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہونے پائے لیکن خسرو پرویز نے اِس پر اضافہ کیا اور نیز دیگر وں کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں[۲]۔ حضرت

---

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۱۴۔ [۲] کتاب الاوائل ذکر اول من غیر سنۃ ساسان و ذکر اول من وضع الخراج ۱۲

عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمایش کا حکم دیا۔ اس کام کے لیئے چونکہ دیانت کیساتھ فنِ مساحت واقف ہونا ضرور تھا اور عرب میں اس قسم کے فنون اُسوقت تک رائج نہ تھے، اسلیئے فی الجملہ وقت پیش آئی، آخر دو شخص انتخاب کیئے گئے، عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان، یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہوگئے تھے خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھاہے کہ اُنھوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمایش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتاہے حضرت عمرؓ نے پیمایش کا پیمانہ خود اپنے دستِ مبارک سے تیار کرکے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمایش کا کام جاری رہا۔ کل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۳۲۰ یعنی کل ۲۰۰۰۰ میل مکسر ٹھیرا۔ اور پہاڑ اور صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھیری۔ خاندانِ شاہی کی جاگیر۔ آتشکدوں کے اوقاف۔ لاوارثوں مفروروں۔ اور باغیوں کی جائداد وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لیئے مخصوص تھیں، دریابرآورد جنگل۔ ان تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دیکر انکی آمدنی جسکی تعداد ستر لاکھ تھی، رفاہِ عام کے کاموں کے لیئے مخصوص کردی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کیجاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنی نہیں ہوتی تھیں باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دیدی گئی اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی شرح

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگہہ پختہ	۲ درہم سال
جو	”	۱۔ درہم سال
نیشکر	”	۶۔ درہم سال
روئی	”	۵۔ درہم سال
انگور	”	۱۰۔ درہم سال
نخلستان	”	۱۰۔ درہم سال
تل	”	۸۔ درہم سال
ترکاری	”	۳۔ درہم سال

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا یعنی گیہوں پر فی جریب چار درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے، اُفتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھیرا۔ چونکہ پیمایش کے اہتمام مختلف لیاقت کے تھے اس لیے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا تاہم جہاں جسقدر جمع مقرر کی گئی اُس سے زیادہ مالکان اراضی کے لیئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر کو ذمی رعایا کا اسقدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تنے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ عثمان نے کہا نہیں بلکہ ابھی اسیقدر اور گنجایش ہے[۵۱]

(حاشیہ: عراق کا خراج)

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے۔ اور جنکو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے حضرت عمر نے اُنکی حالت اُسی طرح قایم رہنے دی، اور اُن کے جو اختیارات اور حقوق تھے بحال رکھے۔

(حاشیہ: زمیندار اور تعلقدار)

جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اسکے کہ لگان کی شرح نوشیرواں کی مقرر کردہ شرحوں سے زیادہ تھیں تاہم نہایت کثرت سے اُفتادہ زمینیں آباد ہوگئیں اور دفعۃً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہوگئی چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال، خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی[۵۲] سالہائے مابعد میں اَور بھی اضافہ ہوتا گیا؛ اس پر بھی حضرت عمر کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمر اُنکو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لیگئی ہے[۵۳]۔

(حاشیہ: پیداوار اور آمدنی میں ترقی)

(حاشیہ: ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جاتا)

یہ عجیب بات ہی کہ حضرت عمر نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جسقدر مالگذاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

(حاشیہ: حضرت عمر کے زمانہ میں جسقدر خراج وصول ہوا زمانہ مابعد میں کبھی نہیں ہوا)

حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ "حجاج پر خدا لعنت کرے، کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی، عمر بن الخطاب نے عراق کی مالگذاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی۔ زیاد نے ۱۰ کروڑ ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر اور ظلم کے صرف ۲ کروڑ ۱۸ لاکھ وصول کیے[۵۴]"۔ مامون الرشید کا زمانہ

---

[۵۱] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ [۵۲] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۵۴، [۵۳] کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ اصل عبارت یہ ہے۔ ان عمر الخطاب کان یجی العراق کل سنة مائة الف الف اوقية ثم يخرج اليه عشرة من اهل الكوفة وعشرة من اهل البصرة يشهدون اربع شهادات بالله انه من طيب، ما فيه ظلم مسلم ولا معاهد [۵۴] معجم البلدان ذکر سواد

عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اُسکے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۴۴ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے، عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمایش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے اُنکو اُسی طرح قائم رکھا، یہانتک کہ دفتری زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا، حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اُسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی۔ یونانی۔ اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے، تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اسکی اصلاح کر دی چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا۔

مصر میں فرعون کے زمانہ کے قواعد مالگزاری۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا، ٹالومیز (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن امپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمایش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اُصول یہ قرار دیئے تھے۔

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے۔

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر، اُسکے لحاظ سے جمع تشخیص کیجائے۔

(۳) بندوبست چارسالہ ہو۔

رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلے کی ایک مقدار کثیر پایۂ تخت قسطنطنیہ کو روانہ کیجاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لئے یہیں سے غلہ جاتا تھا جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔ یورپ کے مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی، چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اِسی اصول کے

حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ کی اصلاح کی

۱؎ پروفیسر FAVAN BARGHEM نے ایک کتاب فرنچ زبان میں مسلمانوں کے قانونِ مالگزاری پر لکھی ہے جس کا نام یہ ہے LA PROPRIETE TERRITORIAL ET U IMPOT FONGIER SONS LES PREMIERS CALIFES حالات میں سے اسی کتاب سے لئے ہیں آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے آئیں گے۔

موافق بھیجا گیا"، لیکن یہ اُنکی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی، لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے[1] اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لیئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا، خرید کرکے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے[2]۔ حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لیئے غلے کے کھتوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر میں وصول مال گذاری کا طریقہ

حضرت عمرؓ نے مال گزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جسکی پیداوار کا مدار، دریائے نیل کی طغیانی پر ہے اور چونکہ اُسکی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے اسلیئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا، چند سالوں کی اوسط کا حساب اس لیئے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے، اُنکا کام چل سکے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں مالگذاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مال گزاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے، اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گانوں پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گرجاؤں اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا، باقی جو بچتا تھا اُس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی، ہر گانوں پر جو جمع تشخیص ہوتی تھی پڑتے سے اسکا ایک حصہ گانوں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا[3]۔

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶ [2] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۹۔

[3] مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۷۔ علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ ۲۱۲ سے اسکی تصدیق ہوتی ہے ۱۲

کے لحاظ سے عدل و انصاف کا یہی مقتضا تھا اور مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بہی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور ۳ اردب غلہ قرار دی گئی۔ اور یہ معاہدہ لکھدیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائیگا۔

مصر کا خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اُسکی تعداد ایک کروڑ ۲۰ لاکھ دینار تھی جسکے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپیہ ہوتے ہیں علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیہ کی رقم تھی، خراج اِسکے علاوہ تھا، ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیہ میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اِسی کے مطابق ہے، لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کیے تو حضرت عمرؓ نے اِس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کروڑ وصول کیے تھے عمرو بن العاص سے باز پُرس کی، یہ مُسلّم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا، اسلیے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اسکا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا اسکے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے بہر حال حضرت عمرؓ کے عہد میں خراج کی مقدار جہانتک پہنچی زمانہ مابعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانہ میں

بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوئی۔ ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھیری، تو ۳۰ لاکھ سے ۴۰ لاکھ ہو گئے، البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ۱ کروڑ ۴۰ لاکھ دینار وصول کیے تھے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا، تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ "ہاں لیکن بچہ بھوکا رہا"۔ امیر معاویہؓ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی[2] فاطمیین کے عہد میں خلیفہ المعز الدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کر دی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوسکے[3]۔

[1] دیکھو مقریزی صفحہ ۹ جلد اول [2] معجم البلدان ذکر مصر [3] ابن حوقل ذکر مصر ۱۲

شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قایم کیا تھا، اُس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح لگان کے مقرر کیئے تھے، یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا[1] اور قراین اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اُسکی کل تعداد ۱ کروڑ ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے تھی +

عراق، مصر، اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیہ، وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مورخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اسقدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اُسکی تعداد بھی دی ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے، اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیل سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اسلیئے ہم بھی اُسکی چنداں پروا نہیں کرتے۔

قانون مالگذاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے میں کیا اور جسکی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعتہً نہایت ترقی کر گئی۔ یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ ارکین دربار کو دیدیں۔ کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں، کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالکِ زمین اُنکی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں لیکن زمینداری کی حفاظت اور اُس سے متمتع ہونے کے لیئے، رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی، اس بہانے سے زمیندار

[1] دیکھو پروفیسر بریم فرانسیسی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مالگذاری پر ۱۲

خود اس زمین پر متصرف ہو جاتے تھے اور غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا، یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جہانتک ہمکو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ، افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دیدیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ، اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے اُن کے قبضے سے بھی زمین نکال لیگئی۔ حضرت عمرؓ نے اُن تمام اضلاع کو جو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے، باشندگان ملک کے حوالے کردیں، اور بجائے اسکے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہوسکتے یعنی مالکان اراضی کو قیمت دیکر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید ابن لہیعہ نے اُن پر سخت اعتراض کیا[1]۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو اُن ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کردی، چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیجدیئے کہ "لوگوں کے روزینے مقرر کردیئے گئے ہیں، اس لیئے کوئی شخص زراعت نکرنے پائے"، یہ حکم اس سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کرلی تو حضرت عمرؓ نے اسکو بلاکر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ میں تجکو ایسی سزا دونگا کہ اَوروں کو عبرت ہو[2]۔

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اُس عدل و انصاف کا نمونہ قایم کیا جسکی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کیساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اسلیئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدو انکی برابری نہیں کرسکتے تھے، سب سے بڑھکر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا، فرانس کے ایک نہایت لایق مصنف نے لکھا ہے کہ "یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگذاری کے معاملے کو بہت دخل ہے رومن سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا اُس نے مسلمانوں کی فتوحات

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۵۔ [2] حسن المحاضرہ صفحہ ۹۳۔

کو نہایت تیزی سے بڑھایا، مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہلِ ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا، مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی، دمشق، اور حمص، میں، عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہرپناہ کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہدیا کہ ہم تمھاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی، یعنی اُنکو زراعت اور فلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اِس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر یعنی دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمت، عزم، اُسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہے۔ جس دن اُنھوں نے زمین کو ہاتھ لگایا، اُسی دن یہ تمام اوصاف بھی اُن سے رخصت ہو گئے۔

اس معاملہ میں ایک اَور نہایت انصافانہ اُصول جو حضرت عمرؓ نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اُس کے متعلق تمام اُمور میں ذمّی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور اُنکی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمّال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی ہوں۔[1] پیمایش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بُلوائے اور اُن کے اظہار لیئے۔ اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے جو پہلے مصر کا حاکم تھا، خراج کے معاملہ میں رائے لو۔ اس پر تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اُسکا اظہار لیا گیا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

بندوبست مالگذاری میں ذمیوں سے رائے لینا

ان باتوں کے ساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیئے جسکا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقی زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی عام حکم دیدیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں اُفتادہ زمینیں ہیں جو شخص اُنکو آباد کرے اُسکی ملک

[1] دیکھو مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴، ۷۵، [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۴، [3] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴، ۷۵۔

ہو جائیگی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نکرے تو زمین اُسکے قبضے سے نکل جائیگی" اس طریقہ سے اُفتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر بار چھوڑکر نکل گئی تھی اُنکے لیے اشتہار دیدیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے، زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اُسکا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے آکر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی آپکی فوج اُدھر سے گزری اور اُسکو برباد کر دیا، حضرت عمرؓ نے اُسی وقت اُسکو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے[1]۔ تمام ممالکِ مفتوحہ میں نہریں جاری کیں۔ اور بند باندھے۔ تالاب تیار کرنے، پانی کے تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے نکالنے، اِس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے[2]۔ خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزء بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں جنکی وجہ سے بہت سی اُفتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سیکڑوں نہریں تیار ہوئیں جن کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

محکمۂ آبپاشی

خراجی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اَور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اُوپر گزر چکا، عشری اُس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھیں اور جسکے اقسام حسبِ ذیل تھے۔

(۱) عرب کی زمین جسکے قابضین اوائل اسلام مسلمان ہو گئے تھے مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

(۲) جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکلکر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی مثلاً لاوارث مرگیا، یا مفرور ہو گیا، یا بغاوت کی، یا استعفا دیدیا۔

(۳) جو اُفتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اُسکو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا اِن اقسام کی تمام زمینیں، عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا، اِس لیے اِن زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جسکی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلعم نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۸ [2] مقریزی صفحہ ۷۶ جلد اول

حضرت عمرؓ کے عہد میں قائم رہی، حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوئیں سے سیراب ہوتی تھیں، تو ان پر خراج مقرر کر دیا، چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعود و جناب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا نیا کنواں کھود کر اُس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس رعایۃً عشر مقرر کیا جاتا تھا۔[1]

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے، لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے، اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ۔ روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولوں سے بالکل مستثنےٰ تھے۔ اس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی، اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی، یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا، بخلاف اسکے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی، اور وقتاً فوقتاً اس پر عملدرآمد بھی ہوتا تھا، اسکے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ عشر وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ۔ عشور۔ جزیہ۔ مال غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جایداد یا آمدنی اس سے مستثنےٰ نہ تھی یہانتک کہ بھیڑ، بکری، اونٹ، سبھی پر زکوٰۃ تھی، زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہؐ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی حالانکہ آنحضرتؐ نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنےٰ فرمایا تھا لیکن اس سے حیاذاً باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہؐ کی مخالفت

گھوڑوں پر زکوٰۃ

[1] کتاب الخراج صفحہ ۳۰ و صفحہ ۳۰۔

کی آنحضرت نے جو الفاظ فرمائے تھے اُس سے بظاہر سواری گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں اور حضرت عمر نے اِسی مفہوم کو قایم رکھا، آنحضرت کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اِس لیے اُن کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، بہر حال زکوٰۃ کی مدمیں یہ ایک نئی آمدنی تھی اور اول حضرت عمر ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔ عشور، خاص حضرت عمر کی ایجاد ہے جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے اُن سے وہاں کے دستور کے موافق مالِ تجارت پر فی صدی دس روپیہ ٹکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمر کو اس واقعہ سے اطلاع دی، حضرت عمر نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں اُن سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ منبج کے عیسائیوں نے جو اُس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمر کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہمکو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دیجائے۔ حضرت عمر نے منظور کرلیا اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا یعنی حربیوں سے فیصدی دس ذمیوں سے ۵ مسلمانوں سے ڈھائی۔ لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر نے تمام ممالکِ مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کرکے اسکا خاص محکمہ قائم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہوگئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اُسکی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لیجائے اُس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا، یہ بھی قاعدہ تھا کہ دوسو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئیگی۔

صیغہ عدالت

محکمۂ قضا

یہ صیغہ بھی اسلام میں، حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقّی تمدّن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت انتظامی صیغہ سے علٰحدہ قایم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی لیکن حضرت عمر نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا، حضرت ابوبکر کے زمانے تک خود خلیفۂ وقت اور افسرانِ

ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتدا میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا حکومت کا نظم ونسق جب تک کامل نہیں ہولیتا۔ ہر صیغے کا اجراء رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لیئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دیسکتا جسکو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اقتدار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے۔ بلکہ اسی بنا پر عبداللہ بن مسعود کو فصل قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کیئے، اس کے ساتھ قضا کے اصول آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابوموسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اُس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کیئے جاتے ہیں اور جنکی نسبت سیسرو (روم مشہور لکچرار) لکھتا ہے کہ یہ قوانین، تمام فلاسفروں کی تصنیفات سے بڑھکر ہیں، وہ بھی ہمارے سامنے ہیں ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے

سلہ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع ۱۲

سلہ اس فرمان کو علامہ ابواسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں اور علامہ بیہقی و ماوردی و جاحظ و ابن عبدربہ اور بہت سے محدثین و مؤرخین نے نقل کیا ہے۔

سلہ ۴۵۱ قبل مسیح۔ رومن امپائر نے یونان میں سفرا بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین سلطنت کے لیئے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سفرا یونان گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل تیار کیا جس میں بارہ اُمور انتظامی پر بارہ قاعدے تھے یہ تمام قواعد تختی پر کندہ کیے گئے اور مدت تک رومن امپائر کا ملکی شاہی قانون رہا اس میں صیغۂ قضا کے متعلق جو احکام تھے حسب ذیل ہیں۔

(۱) جب تم عدالت میں طلب کیئے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔

(۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

(۳) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اُسکو پکڑ سکتے ہو۔

(۴) مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اُسکو سواری دو ورنہ اُسپر حاضری کے لیئے جبر نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اُس کو چھوڑ دو۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمر کی تحریر

حضرت عمر کا فرمان بعبارتہا ذیل میں درج ہے:

اما بعد فان القضاء فريضة محكمة و سنة متبعة سوّ بين الناس في وجهك و مجلسك و عدلك و لا يطمع الشريف في حيفك البينة على من ادعى و اليمين على من انكر و الصلح جائز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا لا يمنعك قضاء قضيته بالامس فراجعت فيه نفسك ان ترجع الى الحق الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب و السنة و اعرف الامثال و الاشباه ثم قس الامور عند ذلك و اجعل لمن ادعى بينة امدا ينتهي اليه فان احضر بينة اخذت له بحقه و الا وجهت القضاء عليه و المسلمون عدول بعضهم على بعض الا مجلودا في حد او مجربا في شهادة زور او ظنينا في ولاء او وراثة۔

خدا کی تعریف کے بعد **قضا** ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور زور دار کو تمہاری رو رعایت کی اُمید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے اُس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اُس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اُس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اُس سے رجوع کر سکتے ہو جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث میں اُسکا ذکر نہ ہو تو اُس پر غور کرو اور پھر غور کرو۔ اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو، پھر قیاس لگاؤ۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اُس کے لیئے ایک میعاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اُس کا حق دو ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنائے اُن اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں +

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰ (۶) دولتمند کا ضامن دولتمند ہونا چاہیئے۔

(۷) جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیئے۔

(۸) جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سُنے گا۔

(۹) فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہوگا۔

(۱۰) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

(۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو اُن کو ضامن دینا چاہیئے۔

(۱۲) جو شخص گواہ نہیں پیش کر سکتا۔ مدعا علیہ کے دروازے پر دعوے کو پکار کر کہے۔

یہ قواعد ہیں جسکو یاد کر کے یورپ۔ رومن امپائر پر ناز کرتا ہے۔

اس فرمان میں قضا سے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیئے۔

(۲) بار ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لیجائیگی۔

(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہو اُسمیں صلح نہیں ہو سکتی ہے۔

(۵) قاضی، خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیئے۔

(۷) تاریخ مُعینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یک طرفہ فیصل کیا جائیگا۔

(۸) ہر مسلمان قابلِ ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابلِ شہادت نہیں۔

صیغۂ قضا کی عمدگی یعنی فصل خصومات میں پورا عدل وانصاف تین باتوں پر موقوف ہے۔

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جسکے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

(۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

(۳) وہ اصُول اور آئین جنکی وجہ سے حکّام، رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصلِ خصُومات میں رُو رعایت نکرنے پائیں۔

(۴) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی ہونا، تاکہ مقدمات کے انفصال میں ہرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمر نے اِن تمام اُمور کا اِس خوبی سے انتظام کیا کہ اِس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا تھا قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید میں موجود تھا البتہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اِس لیے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی حضرت عمر نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی، قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اوّل قرآن مجید کے مُطابق فیصلہ کرو۔ قرآن مجید میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود

اجتہاد کرلو۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وقتاً فوقتاً حکامِ عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاوی لکھکر بھیجتے رہتے تھے آج اگر انکو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعۂ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر انکا استقصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کنز العمال و ازالۃ الخفا وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں ؎

قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کیئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابتؓ تھے جو رسول اللہؐ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے وہ سُریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقیہہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرین نے انکے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کیئے ہیں۔ فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو منجملہ اُن پانچ شخصوں کے ہیں جنھوں نے رسول اللہؐ کے عہد میں تمام قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے انکو اہلِ صُفّہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ انکا اسقدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ نے انکے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو امیر معاویہ کی ماتحتی سے الگ کر لیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کے حکام عدالت

کوفہ کے قاضی عبد اللہ بن مسعود تھے جن کا فضل و کمال محتاجِ بیان نہیں، فقہ حنفی کے مورث اوّل وہی ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود کے بعد ۱۹ھ میں قاضی شریح مقرر ہوئے وہ اگرچہ صحابہ

---

۵۱ کنز العمال صفحہ ۴۳ ۱۷ جلد ۳ مسند دارمی میں یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اسکی اصل عبارت یہ ہے
عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاءک شیٔ فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بہا فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ ولم یتکلم فیہ احد قبلک فاختر ای الامرین شئت۔ ان شئت ان تجتہد برایک ثم تقدم فتقدم وان شئت تاخر فتاخر ولا اری التاخر الا خیراً لک

۵۲ اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر استعمل زیدا علی القضاء و فرض لہ رزقا ۵۳ دیکھو اسد الغابۃ فی احوال الصحابۃ۔ و استیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی ۵۴ استیعاب قاضی ابن عبد البر

میں سے نہ تھے لیکن اسقدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں انکا جواب نہ تھا۔ چنانچہ انکا نام آجتک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی انکو اقضی العرب کہا کرتے تھے ان بزرگوں کے سوا جمیل بن عمر الجمحی۔ ابو مریم الحنفی سلمان بن ربیعۃ الباہلی۔ عبد الرحمن بن ربیعۃ۔ ابو قرۃ الکندی عمران بن الحصین جو حضرت عمر کے زمانے کے قضاۃ ہیں۔ انکی عظمت وجلالت شان، رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قضاۃ کا امتحان سے بعد مقرر ہونا

قاضی۔ اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا، تاہم حضرت عمر زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر لوگوں کو خود انتخاب کرکے بھیجتے تھے۔ انتخاب کیلئے اگرچہ خود اُمیدواروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمر اسپر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اکثر علمی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لیئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھاکر داغی ہوگیا۔ حضرت عمر نے اُسکو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا، اسپر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کیے گئے۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لیکر سواری لی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں، حضرت عمر نے کہا حق یہی ہے اور اُسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کردیا۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

ناجائز وسائل آمدنی کے روکنے کے لیئے بہت سی بندشیں کیں۔

(۱) تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعۃ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی[۱] اور یہ تعداد اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

(۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ "دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا۔ اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب وداب کا اثر نہ ہوگا"[۲]

[۱] کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ۔ [۲] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۴ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف وکیع

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربہ کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوانِ عدالت میں شاہ و گدا امیر و غریب، شریف و رذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے ایک دفعہ ان میں اور ابیّ بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابیّ نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہکر ابیّ کے برابر بیٹھ گئے ابیّ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعوی سے انکار تھا۔ ابیّ نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے انکے رتبے کا پاس کر کے ابیّ سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو حضرت عمرؓ اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کیے انکا یہ نتیجہ ہوا کہ انکے عہدِ خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلافِ انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے (یہ بنو امیہ کے زمانے میں تھے)

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع، قاضی سے خالی نہیں تھا اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں اس لیے اسلامی عدالتوں میں انکے مقدمات کم آتے تھے۔ اور اس بنا پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہرحال کافی تھا

ماہرین فن کی شہادت

صیغۂ قضا ہو خصوصاً اصولِ شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان انکے اجتہادات کے ذکر میں آئیگا، ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس میں خاص اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا مثلاً حطیئہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی، زبرقان نے

حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ مصطلحات اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور انکی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں قیافہ شناسوں سے اظہار لیئے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیئے لیکن یہ وہیں تک تھا جہانتک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا، ورنہ سب سے مقدم انکو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ داد خواہوں کو دعوے سے باز آنا اسکی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اسقدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو خاص اسبات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لیئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیم اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا، عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی اتمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بنکر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

عدالت کا مکان

افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جسکی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیئے کہ قانون سے واقف ہے یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا

دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اسپر زیادہ زور دیا ہے بے شبہہ یہ قاعدہ صحیح

ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اسکے لیے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی، یورپ میں تعلیم اسقدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اسکے لیے کوئی تدبیر نہیں لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام محکمۂ افتا تھا۔ اسکا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہا ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کرسکتا تھا، اُن پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا اور اس لیے کوئی شخص یہ عذر نہیں کرسکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلہ سے ناواقف تھا یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور ابتک قائم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں جس پابندی کے ساتھ اسپر عمل رہا زمانہ بعد میں بلکہ اُن سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

اس طریقے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتا کے لیئے نامزد کر دیئے جائیں۔ تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کرسکے۔ حضرت عمرؓ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جن لوگوں کو اُنھوں نے افتا کی اجازت دی۔ مثلاً حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ معاذ بن جبل۔ عبدالرحمن بن عوف۔ اُبی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ ابوہریرہ۔ ابودردار وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں "سابق وعظ و فتوی موقوف بود بر رائے خلیفہ۔ بدون امر خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتوی نمی دادند آخر بغیر توقف بر رائے خلیفہ وعظ می گفتند و فتوی می دادند" تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتوے کی اجازت نہ تھی اُنھوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمرؓ نے اُن کو منع کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا[1]۔ بلکہ انکو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتوی دیا؟ اور جب اُنھوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم مسئلہ کا اور کچھ جواب دیتے تو آیندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے[2]۔

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۳۰ [2] مسند دارمی و ازالۃ الخفا صفحہ ۱۲۰۔

دوسرا امر جو اس طریقہ کے لیئے ضرور ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کردیا جائے اُس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جلسے بڑھکر اعلان کا کوئی ذریعہ نہ تھا حضرت عمرؓ نے بارہا اعلان کیا شام کے سفر میں بمقام جابیہ بیشمار آدمیوں کے سامنے جو خطبہ پڑھا اُسمیں یہ الفاظ بھی فرمائے

من اراد القرآن فلیأت ابیًا ومن اراد ان یسأل الفرائض فلیأت زیدًا ومن اراد ان یسأل عن الفقه فلیأت معاذًا	یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے

فوجداری اور پولیس

جہانتک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کے لیئے حضرت عمرؓ نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا، اور سرقہ، قضاۃ کے ہاں فیصل ہوتے تھے، اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں، پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہوگیا تھا اور اُس وقت اُسکا نام احداث تھا چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے، بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعون اور حضرت ابوہریرہ کو مقرر کیا تو قدامہ کو تحصیل مالگزاری کی خدمت دی اور حضرت ابوہریرہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے ہیں۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دوکاندار ترازو میں دھوکا دینے نہ پائیں، کوئی سڑک پر مکان نہ بنائے جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لیئے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہوگیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لیئے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمر کا یہ فعل عہدۂ احتساب کا ماخذ ہے۔

جیلخانہ کی ایجاد

اِس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایک ایجاد یہ ہے کہ جیلخانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیلخانے کا نام ونشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دیجاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن اُمیّہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اُسکو جیلخانہ بنایا[1]

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷

پھر اور ضلاع میں بھی جیلخانے بنوائے علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیلخانہ نرسل سے بنا تھا، اُسوقت تک صرف مجرم قید میں رکھے جاتے تھے لیکن دورِ خلافت کے بعد قاضی شریح مدیونوں کو بھی قید کی سزا دیتے تھے اور جیلخانے میں بھجواتے تھے۔ جیلخانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمر نے اُنکو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

جلا وطنی کی سزا

جلا وطنی کی سزا بھی حضرت عمر کی ایجاد ہے چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمر نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیجدیا تھا۔[۲]

بیت المال (یا) خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمر کی ذات سے وجود میں آیا۔ آں حضرت کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرت نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کردی۔ حضرت ابو بکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اُسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا چنانچہ پہلے سال ۱۰-۱۰ درہم اور دوسری سال ۲۰-۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے، ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکر نے ایک مکان **بیت المال** کے لیئے خاص کرلیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا تھا اُسی وقت تقسیم کردیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا۔

تقریباً ۱۵ھ میں حضرت ابو ہریرہ کو حضرت عمر نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر نے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس عام کرکے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے، حضرت علی نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کردی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمان نے

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۳ [۲] اسد الغابۃ ذکر ابو محجن ثقفی ۱۲

اس کے خلاف رائے دی، ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے"۔[1]

آجکل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قایم کیا اور چونکہ اسکی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی عبد اللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ انکے ماتحت مقرر کیئے جن میں سے عبد الرحمن بن عبید القاری اور معیقب بھی تھے۔[2] معیقب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ کے انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے انکی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کیئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو اُن کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اُسکے افسر جداگانہ ہوتے تھے، مثلاً اصفہان میں خالد بن حرث اور کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود، خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں، کوفہ میں بیت المال کے لیئے اول ایک محل تعمیر ہوا جسکو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جسکا مصالحہ خسروانِ فارس کی عمارت سے آیا تھا لیکن جب اُس میں نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاص کو لکھا کہ مسجد کی عمارت، بیت المال سے ملادی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا"، چنانچہ سعد وقاص کے حکم سے روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اسقدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔[3]

بیت المال کی عمارتیں

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ و زبیر حضرت علیؓ سے باغی ہوکر بصرہ میں آئے اور

---

[1] فتوح البلدان از صفحہ ۴۴۹ تا ۴۵۱۔ [2] کتب رجال میں معیقب کا تذکرہ دیکھو۔ [3] یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ میں ہے۔

اور خزانے پر قبضہ کرنا چاہا تو سیابجہ کے ۴۰۰ سپاہی خزانہ کے پہرہ پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ و زبیر کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیابجہ کی نسبت اسی مورخ نے تصریح[1] کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لیے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی چنانچہ اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمرؓ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے[2]۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی، مورخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دار الخلافہ کے خزانے سے خاص دار الخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

جو رقم دار الخلافہ کے خزانے سے آتی تھی

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمرؓ کو جو اہتمام تھا اس کے متعلق تاریخوں میں بہت دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لیے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اس کا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغہ میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارات۔ نہریں۔ سڑکیں۔ پل۔ شفاخانے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منتظم اور وسیع طور پر تھیں زراعت کی ترقی کے لیے حضرت عمرؓ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم صیغہ محاصل کے

[1] فتوح البلدان از صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۶۔ [2] عمرو بن العاص گورنر مصر کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے فاذا حصل الیک و جمعتہ اخرجت عطاء المسلمین و ما یحتاج الیہ مما لا بد منہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الیّ (کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۶۳)

بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں اُن نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص تھیں

حضرت عمرؓ نے جو نہریں تیار کرائیں

نہر ابی موسیٰ- یہ نہر ۹ میل کی لمبی تھی جسکی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ اِن میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ اُنھوں نے نہایت پُر اثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اِس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لیئے نہر کھدوا دیجائے چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جسکے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہوگئی۔

نہر معقل

نہر معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اُسکی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لیئے اُنہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد

نہر سعد اس نہر کے لیئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد وقاص گورنر کوفہ سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا، اُنھوں نے بڑے اہتمام سے کام لگایا لیکن کچھ دور تک پہنچکر ایک پہاڑ بیچ میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور رہی۔

نہر امیر المومنین

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جسکے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸ھ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لیئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمرؓ نے ان دقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص گورنر مصر کو لکھا کہ مصر

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۶ و ۳۵۷ میں اس کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ جغرافیہ بشاری میں بھی اس کا ذکر ہے ۱۲

کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لیکر دار الخلافہ میں حاضر ہوا جب وہ آ گئے تو فرمایا کہ دریائے نیل اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا۔ ورنہ خشکی کی راہ سے غلہ کا آنا وقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا اور فسطاط سے جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے بحر قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعہ سے دریائے نیل جو فسطاط کے نیچے بہتا ہے بحر قلزم میں مل گیا۔ جہازات نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جار پہنچکر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منورہ کا بندرگاہ تھا۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بنکر تیار ہو گئی، چنانچہ پہلے ہی سال میں ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کے بندرگاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبد العزیز کے بعد عاملوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اَٹ گئی یہاں تک کہ مقام ذنب التمساح تک آکر بالکل بند ہو گئی۔ ۱۰۵ھ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اُسکو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی[1]۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لیئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے، لیکن حضرت عمر کو جب اِن کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو نارضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اُڑا لیجائیں گے[2]۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصہ میں آتا۔

عمارات جو حضرت عمر نے تیار کرائیں تین قسم کی تھیں۔

(۱) مذہبی جیسے مساجد وغیرہ۔ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغہ میں آئیگا۔ یہاں اسقدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

---

[1] یہ تفصیل حسن المحاضرۃ سیوطی صفحہ ۹۳ و ۹۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۷۱، و جلد دوم صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۳ میں ہے۔

[2] تقویم البلدان ابو الفداء صفحہ ۱۰۶۔

حضرت عمرؓ نے جو عمارتیں تیار کرائیں

(۲) **فوجی** جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں، انکا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئیگا۔

(۳) **ملکی**۔ مثلاً دار الامارۃ وغیرہ۔ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن اُن کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دار الامارۃ

(۱) **دار الامارۃ** یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں اُن کا دفتر رہتا تھا کوفہ و بصرہ کے دار الامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسیقدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

دفتر

(۲) **دیوان** یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

خزانہ

(۳) **بیت المال** یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا۔

قید خانے

(۴) **قیدخانے**۔ مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغہ پولیس کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دار الامارۃ کی عمارت میں شامل[1] تھا۔

مہمان خانے

(۵) **مہمان خانے**۔ یہ مکانات اس لئے تعمیر کیے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لئے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھیرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اُسکی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے امر عمران یتخذ لمن یرد من الافاق دارا فکانوا ینزلونھا[2] مدینہ منورہ کا مہمان خانہ ۱۷ھ میں تعمیر ہوا چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ ما بعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اُسوقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا اور حضرت عمرؓ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اِسکے علاوہ اُسوقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آنا دانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اُس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبد الملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک قسم کثیر صرف

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۴ [2] فتوح صفحہ ۲۷۶۔

کردی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا۔[1] البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیگی۔ حضرت ابو عبیدہ نے شام فتح کیا تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا۔[2]

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اسکے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے حضرت عمرؓ ۱۷ھ میں جب مکہ معظمہ گئے تو آپکی اجازت سے مدینہ سے لیکر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں اور سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔[3] شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں "ازاں جملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بمکہ محترمہ توجہ فرمود و نزدیک مراجعت امر فرمود تا درمنازلے کہ مابین حرمین واقع اند سایہا و پناہہا سازند و ہر چاہیکہ انباشتہ شدہ باشد آں را پاک کنند و صاف نمایند و در منازل کم آب چاہہا کنند تا بر حجاج باستراحت تمام قطع مراحل میسر شود۔"

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو خصوصیتیں اُن میں پیدا کی گئیں اُنکے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے ان میں سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی، نحو کے اصلی دار العلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اُسکا سنگ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔ ان اسباب سے اِن شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا

---

[1] فتوح البلدان، ۳۴۴ [2] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے وعلی ان علیھم ارشاد الضال و بناء القناطر علی الانھار من اموالھم۔ تاریخ طبری واقعات ۱۵ھ صفحہ ۲۴۰۰ میں سڑک اور پل دونوں کا ذکر ہے ۱۲

[3] طبری صفحہ ۲۵۲۹ و بلاذری صفحہ ۵۳۔

ناموزوں نہ ہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس و ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لیئے حضرت عمرؓ نے ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندگاہ ایلہ کے قریب جہاں بحر فارس کے خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائیں، زمین کا موقعہ اور منظر خود حضرت عمرؓ نے بتا دیا تھا، عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں پہلے کف دست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان تھا، عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لیئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھانس اور پھونس سے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلہ کو اُتارنا مناسب ہو اُتاریں خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جسکے ساتھ دفتر اور قیدخانہ کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ ۱۷ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن وقاص نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں حضرت عمرؓ نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔"

بصرہ[1] سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اس لیئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اسکا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ ممالک و رُک کے بیان میں گذر چکا بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمانہ حکومت میں صرف اُن لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور اُنکی آل و اولاد ایک لاکھ

[1] بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور یہاں اسی قسم کی زمین تھی لیکن معجم البلدان میں ایک مجوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے اُس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ بس راہ تھا جس کے معنے فارسی میں "بہت سے راستوں" کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں۔ اس لیئے اہل عجم اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اس کے آس پاس شاہان عرب نے جو عمارتیں تیار کرائی تھیں اُن کے نام بھی دراصل فارسی دُھکے تھے مثلاً خورنق جو دراصل خورنگاہ ہے اور سدیر جو دراصل سہ در ہے ۱۲۔

۴۰ ہزار تھی۔ یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اسکا اندازہ اس سے کرنا چاہیئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی، دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جسکا نام کتاب العین ہے اور خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور رہا **کوفہ** تھا۔ مداین وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد وقاص نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں رہکر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ اہل عرب کو وہاں کی آب وہوا راس نہیں آسکتی۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو چنانچہ سلمان و حذیفہ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اسکا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرماں روا تھا اُن کا پایۂ تخت یہی مقام تھا اور اُنکی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں منظر نہایت خوش نما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اِس مقام کو خدالعذرا۔ یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان۔ شقایق۔ قیصوم خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض سنہ ۱۷ھ میں اسکی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جُدا جُدا قبیلے جُدا جُدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے لیئے خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰۔ ۴۰ ہاتھ اور اُس سے گھٹ کر ۳۰۔ ۳۰ ہاتھ اور ۲۰۔ ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷۔ ۷ ہاتھ چوڑی ہوں، جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دیکر بنائی گئی تھی۔ اسقدر وسیع تھی کہ اُس میں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چہار طرف دُور دُور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتیں اول گھانس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان

بنایا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا۔ اور سنگِ خام کے ستونوں پر قایم کیا گیا تھا جو نوشیروانی عمارات سے نکلوا کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفۂ وقت ہوتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو اُن ستونوں کی قیمت ادا کی گئی یعنی اُنکی تخمینی جو قیمت ٹھیری وہ اُنکے جزیہ میں مجرا دی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر ایوانِ حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور اُن کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی اور چونکہ حضرت عمرؓ کو ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی اُنھوں نے سعدؓ کو لکھا کہ ایوانِ حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزبہ نام ایک پارسی معمار نے جو مشہور اُستاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوانِ حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعدؓ نے روزبہ کو مع اور کاریگروں کے اِس صلے میں دربارِ خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لیے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لیے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کیے گئے اُن میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کیے گئے اُنکے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان۔ بجیلہ۔ تیم اللات۔ تغلب۔ بنو اسد۔ نخع۔ کندہ۔ ازد۔ مزینہ۔ تمیم و محارب۔ اسد و عامر۔ بجالہ۔ جدیلہ و اخلاط۔ جہینہ۔ مذحج۔ ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اِس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اُس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانۂ مابعد میں اسکی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے سنہ ۶۴ھ میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلۂ ربیعۃ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے ۶ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کے تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تاہم یہ کچھ کم تعجب

کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ جس نے
آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن وقاص نے
جو ایوان حکومت بنایا تھا اُسکی بنیاد ابھی قائم ہے"۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی یعنی ابوالاسود دوئلی نے اوّل اوّل نحو
کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کیے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابوحنیفہ صاحب نے قاضی ابویوسف
وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث وفقہ اور علوم عربیت کے
بڑے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی۔ حماد۔ امام ابوحنیفہ امام شعبی
یادگار زمانہ تھے۔

فسطاط عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً
شہر چھوڑ کر نکل گئے اُنکے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اُسی کو مستقر حکومت
بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت
ڈرتے تھے بصرہ و کوفہ کی آبادی کیوقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے
مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے، چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لیے اُسکو
مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔

فسطاط

عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے، یہاں اُنکا وہ خیمہ ابتک اُسی حالت
سے کھڑا تھا جسکو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے میں اُترے
اور وہیں نئی آبادی کی بُنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج
شریک بن سمی۔ عمرو بن مخرم۔ جیویل بن ناشرۃ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد
کریں جسقدر محلے اُسوقت سنے اور جو قبائل اُن میں آباد ہوئے اُن کے نام علامہ مقریزی نے
تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہوکر
اُسکے قبلہ کی سمت متعین کی، ان صحابہ میں زبیرؓ۔ مقداد۔ عبادہ۔ ابودرداء۔ اور بڑے بڑے
اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی تین طرف دروازے تھے جن میں سے
ایک دارالحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

لہ کوفہ و بصرہ کے حالات طبری بلاذری و معجم البلدان سے لیے گئے ہیں ۱۲

عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمر کے لیئے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام فسطاط پڑا جسکے معنے عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے۔

فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا امیر معاویہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار اہلِ عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مؤرخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں یہاں ۳۶ مسجدیں ۸ ہزار سڑکیں ۱۱۷۰ حمام تھے۔ اسکی وسعت اور ہر قسم کے سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پایہ تخت اور تمدن وترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جسنے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا تھا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے ناسخ بغداد ومفخر الاسلام۔ خزانة المغرب لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعه ولا احسن تجملا من اهله ولا اکثر مراکب من ساحله یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ، اور اسلام کا فخر ہے تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں"

موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اُسوقت اسکی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اُس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے، حضرت عمر کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا، ہرثمہ بن عرفجہ نے اسکی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کیئے ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائیؐ۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اسکے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے شہر تین ہیں، نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے، اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے، اور موصل جو مشرق ومغرب کا گذرگاہ ہی یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اُسکو یہاں سے ضرور گزرنا پڑتا ہے"

سلہ فتوح البلدان از صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۲۔

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اسکی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان۔ اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جیزۃ۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے عمرو بن العاص۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لیئے کہ رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کر دی جس میں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے اِن لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن اُن کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لیئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے۔ عمرو بن العاص نے اِن حالات کی اطلاع حضرت عمر کو دی، وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھکر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ اُنکی حفاظت کے لیئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ سنہ ۲۱ھ میں قلعہ کی بُنیاد پڑی اور سنہ ۲۲ھ میں بنکر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلۂ ہمدان نے کہا کہ ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے، ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے" چنانچہ یہ قبیلہ اور اس کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمر کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے ان میں سے بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں[۵]۔

صیغۂ فوج

اسلام سے پہلے دُنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گذر چکی ہیں جنکی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں۔ لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منتظم اور اصول

[۵] جیزۃ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے ۱۲

سیاست کے خلاف تھا۔ روم کہ جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دُنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے اُن کو بڑی بڑی جاگیریں دیجاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اسقدر فوج لیکر حاضر ہونگے، یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے۔ لیکن اِن فوجوں کا تعلق براہِ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا اور اس وجہ سے اگر یہ لوگ کبھی عَلمِ بغاوت بلند کرتے تھے تو اُنکی فوج اُنکے ساتھ ہوکر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقے کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے، اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اِس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہوگئے تھے، ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا، فارسی میں جنکو مرزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا اور آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت بُرا طریقہ تھا۔

فرانس میں سلسلہء تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا فتح کی لوٹ میں جو ہل جاتا تھا وہی قرعہ ڈالکر تقسیم کر دیا جاتا تھا، اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قایم ہوگیا چنانچہ اسلام کے بعد سنہ ۱۵۰۰ء تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں شاہانِ یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منتظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ حضرت ابوبکر کے عہد میں صرف اسقدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جسقدر بچا وہ سب لوگوں پر ۱۰۔ ۱۰ روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا! دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی، لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہلِ فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی محکمہ جنگ قایم ہوا، حضرت عمر کے اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن سنہ ۱۵ھ ہی میں حضرت عمر نے اِس صیغے کو اسقدر منتظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اُس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمر کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کیئے گئے ہیں۔ عام روایت ہے کہ حضرت

فوجی انتظام روم اور یورپ میں

فوجی انتظام فارس میں

فوجی انتظام فرانس میں

حضرت عمر کا فوجی نظام

ابوہریرہ جو بحرین کے حاکم مقرر کیے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لیکر مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع کی، پانچ لاکھ کی رقم اُس وقت اسقدر اعجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ اُنھوں نے پھر پانچ لاکھ کہا، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟

ابوہریرہ نے کہا ہاں، یہ کہکر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا، حضرت عمرؓ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور راسئے پوچھی کہ اسقدر زر کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ اُن کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے، حضرت عمرؓ کو یہ راسئے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ راسئے دہندہ نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اسکا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے، دبستان، دبیر، دفتر، دیوان، سب ایک مادہ کے الفاظ ہیں جنکا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جسکے معنے لکھنے کے ہیں۔

تمام مُلک کا فوج بنانا

بہرحال ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اس باب میں اُن کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ اُنھوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان، فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدا میں ایسی تعمیم ممکن نہ تھی، اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اُس وقت تین شخص بہت بڑے نساب اور حساب کتاب کے فن میں اُستاد تھے۔ مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب، عرب کا موروثی فن تھا۔ اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اِس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے اُن کو بُلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصلاً درج ہو، اِن لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابوبکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا، یہ ترتیب اُن لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگروہ

---

[۱] مقریزی صفحہ ۹۲ اور فتوح البلدان صفحہ ۴۴۹ [۲] جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (جلد دوم صفحہ ۳ مطبوعہ مصر) میں لکھا ہے کہ تمام قریش میں چار شخص اشعار عرب اور انساب و اخبار کے حافظ تھے مخرمہ بن نوفل، ابوالجہم، حویطب بن عبدالعزیٰ، عقیل بن ابی طالب ۱۲

قائم رہتی تو خلافت ۔ خود عرضی کا آلہ بن جاتی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یوں نہیں بلکہ آنحضرت کے قرابت داروں سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جسقدر آنحضرت سے دور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے اُن کے نام آخر میں لکھتے جاؤ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو" اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر میں جاکر آنحضرت سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں[1]۔

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے۔	۵ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ اُحد	۴ ہزار درہم
فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔	۲ ہزار درہم
اہل یمن	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳۰۰ درہم
بلا امتیاز مراتب	۲۰۰ درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے اُنکی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کے اولاد ذکور کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی اُن کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا پایہ تھا۔

[1] تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۹۲ و بلاذری صفحہ ۴۵۰ و یعقوبی صفحہ ۱۷۵ و طبری ۲۴۱۱ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے ۱۲

جس قدر آدمی درجِ رجسٹر ہوئے[1] اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن انکی دو قسمیں قرار دی گئیں ۔

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات مین مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوجِ نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

(۲) جو معمولاً اپنے گھرون پر رہتے تھے۔ لیکن ضرورت کے وقت طلب کیے جا سکتے تھے، اُن کو عربی مین مطوعہ کہتے ہین اور آج کل کی اصطلاح مین اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل کے والنٹیر تنخواہ نہین پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس مین بعض بے ترتیبیان بھی تھین سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہون کے ساتھ پولیٹکل تنخواہین بھی شامل تھین اور دونون کا ایک ہی رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی سنہ ۲۱ھ مین حضرت عمر نے اس صیغہ کو اس قدر مرتب اور منتظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کبھی اور کہین نہین ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہین۔ جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائی تمدن مین انتظاماتِ فوجی کی اس قدر شاخین قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ

[1] اس موقع پر ایک امر نہایت قابل توجہ کے ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حضرت عمر نے تمام عرب کی جو تنخواہین مقرر کین اُس کو فوجی صیغہ سے چندان تعلق نہین بلکہ یہ رفاہ عام کی غرض سے تھا؛ یہ نہایت غلط خیال ہے۔ اول تو ہمارے مورخون نے اس واقعہ کا شانِ نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمر سے کہا قد جئت الشام فرأیت ملوکہا قد دونوا دیوانا وجندوا جنداً فدون دیوانا وجند جنداً فاخذ بقولہ یعنی مین نے شام کے بادشاہون کو دیکھا ہے کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہین آپ بھی دفتر بنایئے اور فوج مرتب کیجیے چنانچہ حضرت عمر نے ولید کے قول پر عمل کیا" دوسرے یہ کہ جن لوگون سے جنگی خدمت نہین لیجاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتون کا استحقاق بھی نہین رکھتے تھے حضرت عمر انکی تنخواہ نہین مقرر کرتے تھے اسی بنا پر مکے کے لوگون کو تنخواہ نہین ملتی تھی۔ فتوح البلدان مین ہے ان عمر کان لا یعطی اہل مکۃ عطاءً ولا یضرب علیہم بعثاً[2] یہی وجہ تھی کہ جب صحرانشین بدؤن نے حضرت ابو عبیدہ سے تنخواہ کی مقرری کی درخواست کی تو انھون نے فرمایا کہ جبتک آبادی مین رہنے والون کی تنخواہین مقرر نہو جائین صحرانشینون کا روزینہ نہین مقرر ہو سکتا" البتہ اسمین شک نہین کہ اول اول فوج کے رجسٹر مین اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے۔ مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن مین صاحب کمال تھے؛ لیکن استقرار سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ غلط مبحث جو بضرورت اختیار کیا گیا تھا مٹتا گیا۔ چنانچہ اسی مضمون مین آگے اسکی بحث آتی ہے ۱۲

[2] فتوح صفحہ ۴۵۸ ۔

کرنا اسی شخص کا کام تھا جو **فاروق اعظم** کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغہ میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام، ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سنہ۲۰ھ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں۔ **ملکی** اور **فوجی**۔ ملکی کا حال دیوانی انتظامات میں گزر چکا **فوجی** حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیے جن کا نام **جند** رکھا ہے اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے اُن کی تفصیل یہ ہے مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل۔ فسطاط۔ مصر۔ دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی۔ لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جا سکتے تھے وہ صرف عراق۔ مصر۔ جزیرہ۔ اور شام تھے، چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہیں ممالک میں قائم کیے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا **شام** کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام کرنے ضرور تھے اس لیے **دمشق**۔ **فلسطین**۔ **حمص**۔ **اردن** چار صدر مقام قرار دیے فسطاط کی وجہ سے جواب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ۔ کوفہ۔ یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لیے تھے وہ حسب ذیل تھے۔

فوجی صدر مقامات

(۱) فوجوں کے رہنے کے لیے بارکیں تھیں۔ کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط۔ یہ تینوں شہر تو اصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لیے آباد ہی کیے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عرفجہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لیے جدا جدا محلے بسائے۔

فوجی بارکیں

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آ جائے

گھوڑوں کی پرداخت

لہ جند کی تحقیق کے لیے دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۳۲۔ مورخ یعقوبی نے واقعات سنہ۲۰ھ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کیے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین۔ جزیرہ۔ موصل۔ اور قنسرین کا نام لکھا ہے۔ یہ صریح غلطی ہے

۳۲ ہزار سوارون کا رسالہ فوراً تیار ہو جائے[51] ۲۱ ھ؁ مین جزیرہ والون نے دفعتاً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری۔ اِن گھوڑون کی پرداخت اور تربیت مین نہایت اہتمام کیا جاتا تھا مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمر نے خود اپنے اہتمام مین رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ تیار کرائی تھی[52] اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اُسکی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ اِن گھوڑون کی رانون پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیش فی سبیل اللہ کوفہ مین اِسکا اہتمام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑون کی شناخت اور پرداخت مین کمال رکھتے تھے یہان تک کہ اُن کے نام مین یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی۔ اور سلمان الخیل کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ چار ہزار گھوڑے اصطبل خانے مین رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنے اصطبل خانے کے ہین اور اسی لحاظ سے عجمی اِس کو آخور شاہ جہان کہتے تھے۔ بہار مین یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہون مین چرائے جاتے تھے سلمان ہمیشہ گھوڑون کی تربیت مین نہایت کوشش کرتے تھے، اور ہمیشہ سال مین ایک دفعہ گھوڑدوڑ بھی کراتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑون کو اُنھون نے نہایت ترقی دی، اس سے پہلے اہل عرب نسل مین مان کی پروا نہین کرتے تھے، سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا چنانچہ جس گھوڑے کی مان عربی نہین ہوتی تھی اُس کو دوغلا قرار دے کر تقسیم غنیمت مین سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے[53] بصرہ کا اہتمام جزر بن معاویۃ کے متعلق تھا جو صوبہ اھواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر

(۳) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انھی مقامات مین رہتا تھا۔

[51] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۴ مین ہے کان لعمر اربعۃ آلاف فرس عدۃ لکون ان کان یشتیہا فی قبلۃ قصر الکوفۃ۔ وبالبصرۃ نحو منہا وقیمہ علیہا جزء بن معاویۃ وفی کل مصر من الامصار الثمانیۃ علی قدرھا فان نابتھم نائبۃ رکب قوم وتقدموا الی ان یستعد الناس ۱۲ [52] حضرت عمر نے گھوڑون اور اونٹون کی پرورش اور پرداخت کے لیے ۶ سے مین متعدد چراگاہین تیار کرائی تھین سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ مین تھی جو مدینہ منورہ سے تین منزل کے فاصلے پر نجد کے ضلع مین واقع ہے یہ چراگاہ ۱۰ میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی دوسری مقام ضریہ مین تھی جو مکہ معظمہ سے سات منزل پر ہے اسکی وسعت ہر طرف سے چھ چھ میل تھی اسمین تقریباً ۴ ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے اِن چراگاہون کی پوری تفصیل خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفے مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۵ مین ہے [53] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۲۶ [54] کتب رجال مین سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو ۱۲۔

رسد کا غلہ

(۳) رسد کے لیے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انھین مقامات مین رکھی جاتی تھیں اور یہین سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

۲۰ چھاؤنیاں

اِن صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہرون اور مناسب مقامات مین بھی نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیان قائم کین اور **عرب** کو تمام ممالک مفتوحہ مین پھیلا دیا اگرچہ یہ اُن کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اُسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہان متعین کر دی جاتی تھی[۵۱] جو وہان سے ٹلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ہر ضلع مین ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتد بہ فوج رہتی تھی، لیکن امن و امان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہان فوجی سلسلہ قائم نہین کیا گیا۔

۱۷ھ مین حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو اِن مقامات مین جہان ملک کی سرحد دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی دلوک، منبج، رعبان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی مین اُن کو فروج یا ثغور کہتے ہین) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور مناسب انتظامات کیے۔ جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے۔ اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے (یعنی عسقلان، یافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرطوس، صیدا، ایاس، لاذقیہ) چونکہ رومیون کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لیے اِس کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اِس کا افسر کل عبد اللہ بن قیس کو مقرر کیا[۵۲]۔ بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسرحد تھا وہان فوجی انتظام کے ساتھ اِس قدر اور اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کیے[۵۳]۔ ۱۹ھ مین جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو اُن کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ

---

۵۱ فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ مین ہے وکان المسلمون کلما فتحوا مدینۃ ظاھرۃ او عند ساحل رتبوا فیھا قدر من یحتاج لھا الیہ من المسلمین فان حدث فی شئ منھا حدث من قبل العدو سربوا الیھا الامداد اور صفحہ ۱۵۱ مین ہے وولی ابو عبیدۃ کل کورۃ فتحھا عاملا وضم الیہ جماعۃ من المسلمین وشحن النواحی المخوفۃ ۱۲

۵۲ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۳۔ اصل عبارت یہ ہے فسم عراۃ (?) الارزاق وسمی الشواتی والصوایف وسد فروج الشام ومسالحھا واخذ یدوربھا وسمی ذلک فی کل کورۃ واستعمل عبد اللہ بن قیس علی السواحل من کل کورۃ

۵۳ فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ مین ہے ورتب ابو عبیدۃ ببالس جماعۃ من المقاتلۃ واسکنھا قوما من العرب الذین کانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمین الشام ۱۲۔

کو اطلاع دی کہ سواحلِ شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے حضرت عمرؓ نے اُسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور اُن میں فوجیں مرتب کیجائیں اس کے ساتھ تمام دریائی منظرگاہوں پر پہرہ والے تعینات کیے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔[۵۱]

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اُس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لیے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں اِن کے ساتھ ایک **عریف** رہتا تھا جو اُنکے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا۔ اور جسکی معرفت اُن کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع اُفتادہ زمین ہوتی تھی۔[۵۲]

سنہ ۲۵ھ میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کردیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی میں جس قدر فوج تھی اُسکی ایک چوتھائی انھیں مقامات کے لیے مخصوص کردی۔[۵۳] عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ اِن میں سے ۱۰ ہزار بیرونی مہمات میں مصروف رکھے جائیں۔[۵۴] تاہم اِن اضلاع میں عجمیوں کی فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں۔ از سرِ نو تعمیر کرکے فوجی قوت سے مضبوط کردی گئیں۔ حزیبیہ اور زابوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سرے سے تعمیر کردی گئیں۔[۵۵]

صوبۂ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں چنانچہ نہر تیری، مناذر، سوق الاہواز، سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی، سابور، مہرجانقذق۔ یہ تمام مقامات[۵۶]

---

[۵۱] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے ان معویة کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخیہ یزید یصف لہ حال السواحل فکتب الیہ مرمة حصونہا وترتیب المقاتلة فیہا واقامة الحرس علی مناظرہا واتخاذ المواقید لہا ۱۲

[۵۲] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۷ میں ہے وکان لکل عریف قصر ینزل فیہ بمن معہ من اصحابہ واتخذوا فیہ اخابیذ

[۵۳] دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹۴ و مقریزی صفحہ ۱۶۷ [۵۴] تاریخ طبری صفحہ ۱۸۰۵ میں ہے وکان بالکوفة اذ ذاک اربعون الف مقاتل وکان یغزو ہذین الثغرین دای الری واذربیجان ہم عشرة الاف فی کل سنة فکان الرجل یصیبہ فی کل اربع سنین غزوة ۱۲ [۵۵] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۰ [۵۶] طبری صفحہ ۲۶۵۰۔

فوجوں سے معمور ہو گئے رے اور آذربائیجان کی چھاؤنیان مین ہمیشہ ۱۰ ہزار فوجین موجود رہتی تھین ❖

اسی طرح اور سیکڑون چھاؤنیان جابجا قائم کی گئین جن کی تفصیل کی چندان ضرورت نہین البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اسقدر وسعت کیون دیگئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب مین کیا اصول ملحوظ تھے ؟ اصل یہ ہے کہ اسوقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی۔ لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا ادھر یونانی مدت سے اس فن مین مشاق ہوتے آتے تھے۔ اِسی وجہ سے شام و مصر مین اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانون کو عیسائیون سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیون کے قبضے مین تھا اور وہاں اُنکی قوت کو کوئی صدمہ نہین پہنچا تھا۔ اِن وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہون کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر نے جس قدر فوجی چھاؤنیان قائم کین انھین مقامات مین کین جو یا ساحل پر واقع تھے۔ یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے۔ عراق کی حالت اِس سے مختلف تھی کیونکہ وہان سلطنت کے سوا، ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کے لیے لڑتے رہتے تھے اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو اُن کی اطاعت پر اطمینان نہین ہو سکتا تھا، اِس لیے اِن ممالک مین ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضرور تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائین۔

فوجی چھاؤنیان کس اصول پر قائم تھین

حضرت عمر نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغون پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منتظم کر دیا کہ اُس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے؛

فوجی دفتر کی وسعت

فوجون کی بھرتی کا دفتر جسکی ابتدا مہاجرین اور انصار سے ہوتی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع مین شمار کرتے ہین وہان کے تمام قبائل کا

دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیرہ، وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بیشمار گروہ کی حسب قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ اِن سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ آدمی ہتھیار بند تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہرسال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامۂ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے، جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی اُن کو باری باری سے ہمیشہ رَے اور آذربائجان کی مہمات میں حاضر رہنا ضرور تھا۔

ہرسال تیس ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا، جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اسمیں تبدیلی کی یعنے شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کردی۔ عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیے۔ اور اسی دن سے درحقیقت، حکومت بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آگیا تھا ہم پھر حضرت عمر کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہیں حضرت عمر نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اُس میں داخل کیے گئے۔

فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

یزدگرد شاہنشاہ فارس نے ویلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور جند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی، سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے انکو فوج میں داخل کرلیا اور کوفہ میں آباد کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کردیں[۵۲]۔

چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جابجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدجرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ۱۷ھ میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بڑے نامی پہلوان تھے اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابوموسیٰ

[۵۱] کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ امام مالک نے مؤطا میں ۳۰ ہزار کی بجائے ۴۰ ہزار کی تعداد بیان کی ہے۔ [۵۲] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰۔

اشعری نے جب سنہ ۲۰ھ میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابوموسیٰ کے مقابلے کو جائے۔ سوس کی فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سرداروں کے ابوموسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابوموسیٰ گو ان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لیے جائیں چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کیے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا جا کر ان کی تنخواہیں سب کی مقرر ہو گئیں۔ ان میں سے چھ افسروں کی (جن کے نام یہ تھے سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہرویہ، افرودین) ڈھائی ڈھائی ہزار اور سو بہادروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معرکہ میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔[۵۱]

باذان نوشیرواں کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی اس میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا نام بھی دفتر فوج میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زط کہتے تھے یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کیے گئے۔[۵۲]

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانسو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کیے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔[۵۳]

غرض حضرت عمرؓ نے صیغۂ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لیے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والنٹیر فوج میں تو ہزاروں مجوسی بھی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوج نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے

[۵۱] طبری واقعات سنہ ۱۷ھ ذکر فتوح سوس و فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۵۔ [۵۲] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۵۔ [۵۳] مقریزی صفحہ ۲۹۸ میں ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں ۱۲۔

کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کر لیا گیا تھا صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لیے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انہیں کے ہم قوموں کو ان سے لڑانا فن جنگ کا بڑا اصول تھا

کہ خرگوش ہر مرز را بے شگفت   سگ آں ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ابتدائے انتظام میں فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے ان کے نام بھی فوجی جسٹر میں درج تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دینا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اسکو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو صیغہ تعلیم سے متعلق کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا چنانچہ سعد بن وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے کہ لا تعط علی القرآن احدًا۔

تنخواہوں میں ترقی

اسکے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت، اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور باز رکھتے تھے اس لیے ضرور تھا کہ انکی تمام ضروریات کی کفالت کیجائے اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی ۳۰۰ کر دی افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لیکر دس ہزار تک بڑھا دی۔ بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دیجائے۔

رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست تا پہلے صرف اسقدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں، البتہ گوشت کا بندوبست دار الخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے[1]۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵ آثار غلہ لیا جاتا تھا اور وہ رسد کے کام میں آتا تھا مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون شہد، اور سرکہ، بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لیے سالن کا کام دیتا تھا جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر اسکے بجائے

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۵۶۔ اصلی عبارت یہ ہے۔ فاذا احتاجوا الی العلف والطعام اخرجوا خیولا فی البر فاغارت علی اسفل الفرات وکان عمر یبعث علیہم من المدینۃ الغنم والجزر ۱۲

رسد کا محکمہ

نقدی مقرر کردی جسکو رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ قبول کیا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قایم کیا جس کا نام اہراء تھا۔ چنانچہ شام میں عمرو بن عتبہ اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراء ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے جسکے معنے گودام کے ہیں چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لیئے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قایم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی ایک من ۱۰ اثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس ۱۲ اثار روغن زیتون اور ۱۲ اثار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کی بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اسکی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا جسکی تفصیل وردی کے ذکر میں آیگی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جسکو عربی میں معونة کہتے ہیں، سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا اور اسکی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی اسکو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا چنانچہ خاص اس غرض کے لیئے حضرت عمرؓ کے حکم سے خود دار الخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

خوراک اور کپڑا اور بھتہ

بھتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محرم میں تنخواہ فصل بہار میں بھتہ اور فصل کٹنے کیوقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا، فوجی افسر جو کم سے کم ۱۰۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے تنخواہ انکو دیجاتی تھی، وہ عریف کو حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کو حوالے کرتے تھے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ میں سنو عریف تھے جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔ اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبر گیری سے کام لیا جاتا

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

۵۱ فتوح البلدان صفحہ ۱۷۰ و ۲۱۶ ۵۲ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۶۔ اہراء کے معنی اور مفہوم کے لیئے دیکھو لسان العرب اور فتوح البلدان صفحہ ۱۶۳
۵۳ کتاب الخراج صفحہ ۲۶۔ اصل عبارت یہ ہے کان لعمر بن الخطاب اربعة آلاف فرس۔ فاذا کان فی عطاء الرجل خفة او کان محتاجا اعطاه الفرس ۱۲ ۵۴ طبری صفحہ ۲۴۹۶۔ اصل عبارت یہ ہے وامر و نهم فی الربیع من کل سنة و باعطیاتهم فی المحرم من کل سنة و بفیئهم عند طلوع الشعری فی کل سنة وذلك عند ادراك الغلات ۱۲

تھا عراق میں امرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمرؓ نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعل بن نعیم وغیرہ کو بلا کر اسکی جانچ پر مقرر کیا چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کیے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔ عرایف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جسکی تقلید بنو امیہ تک کی گئی۔ کنز العمال باب الجہاد میں بیہقی کی روایت ہے اول من دون الدواوین وعرف العرفاء عمر بن الخطاب۔

تنخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ قادسیہ میں زہرہ، عصمۃ الضبی وغیرہ نے بڑے بڑے مردانہ کام کیے تھے اس لیے انکی تنخواہیں دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہوگئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اسکی کچھ انتہا نہ تھی چنانچہ جلولاء میں نو نو ہزار نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے تھے۔

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لیے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے

(۱) جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں متعین کر دی تھیں یعنی جو سرد ملک تھے اُن پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں۔ اس تقسیم کا نام شاتیہ اور صائفہ رکھا اور یہی اصطلاح آجتک قائم ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے مورخین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں کیا تھا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں وسمی الشواتی والصوائف + وسمی ذلک فی کل کودۃ۔

(۲) فصل بہار میں فوجیں اُن مقامات میں بھیجی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول ۱۷ھ میں جاری کیا گیا جبکہ مداین کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا۔ چنانچہ عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔ عمرو بن العاص گورنر مصر موسم بہار

۱؎ یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۲۴۹۵ و ۲۴۹۶ و مقریزی صفحہ ۹۳ میں ہیں ۱۲

۲؎ تاریخ طبری میں ہے وکتب عمر الی سعد بن مالک والی عتبۃ بن غزوان ان یتربعا بالناس فی کل حین ربیع فی اطیب اراضیہم۔ کتاب مذکور صفحہ ۲۴۸۲۔

بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھجد یتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر اور فربہ بنا کر لائیں۔

آب و ہوا کا لحاظ

بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے۔ فوجوں کے لیے جو شہر آباد کیے گئے مثلاً کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط۔ وغیرہ ان میں اصولِ صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں حضرت عمر کو اس میں اسقدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعیین بھی خود لکھ بھیجی تھی چنانچہ اسکی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گزر چکی۔

کوچ کی حالت میں فوج کی آرام طلبی

(۴) فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تا کہ لوگ دم لے لیں اور ہتیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اُسیقدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان، فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا اُس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔[۱]

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب اُنھوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جُدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیجدیئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اُسی حد تک تھیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا، ورنہ آرام طلبی، کاہلی، عیش پرستی، اسسے بچنے کے لیے سخت بندشیں کی تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

فوج کا لباس

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمر نے فوج کے لیئے کوئی خاص لباس جسکو وردی کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام اُن کے جو احکام منقول ہیں اُن میں صرف اسقدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا کیونکہ ۱۷ھ

میں جب مصر میں ذمیوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اُس میں شامل تھے اور وہ یہ تھے اون کا جبہ۔ لمبی ٹوپی یا عمامہ۔ پاجامہ۔ موزہ۔ حالانکہ اول اول پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمر نے بتصریح منع کیا تھا۔[1]

فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم

فوج کے متعلق حضرت عمر کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جنکا عرب میں کبھی وجود نہ تھا مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی، اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبد الرحمٰن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال ہجری مترجم تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت سررشتہ حساب، مترجمی، اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اسی زمانے سے ہے۔

فوجی قواعد کی نسبت ہمکو صرف اسقدر معلوم ہے کہ حضرت عمر فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے اُن میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ تیرنا۔ گھوڑے دوڑانا۔ تیر لگانا۔ ننگے پاؤں چلنا۔ اس کے سوا ہمکو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھلائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔

فن جنگ میں ترقی

عرب میں جنگ کا پہلا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا، اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے مثلاً میمنہ، میسرہ، وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہکر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ۱۵ھ میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد کی بدولت تعبیہ کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کُل فوج جسکی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔[2]

فوج کے حصے

حضرت عمر کے زمانے میں فوج کے جسقدر حصے اور شعبے تھے حسب ذیل ہیں۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵ [2] طبری واقعات ۱۵ھ صفحہ ۲۲۲۶۔

[2] علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس اور روم کے طریقہ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے کہ "تعبیہ کا طریق اول اول مروان بن الحکم نے قایم کیا"، لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالد نے تعبیہ کی طرز پر صف آرائی کی ۱۲۔

فوج کے حصے

قلب	سپہ سالار اسی حصہ میں رہتا تھا۔
مقدمہ	قلب سے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا
میمنہ	قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔
میسرہ	بائیں ہاتھ پر
ساقہ	سب سے پیچھے
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
ردء	جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کرے۔
رائد	جو فوج کہ چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار
فرسان	سوار
راجل	پیادہ
رماۃ	تیر انداز

فوج کے مختلف حصے

ہر سپاہی کو وہ ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں، فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمرؓ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں، سوا، ڈورا، قینچی، سوتالی، توبڑا، چھلنی[۱]

قلعہ شکن آلات

قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرتؐ کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا، چنانچہ سب سے پہلے ۸ھ میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسکو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اسکے ذریعے سے فتح ہوئے مثلاً ۱۶ھ میں بہرسیر کے محاصرے میں ۲۰ منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لیے ایک اور آلہ تھا جسکو دبابہ کہتے تھے۔ یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا، اور اسکو ریلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے، اس طرح قلعہ کی جڑ میں

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۸۔

پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے۔ بہرسیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفرمینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا، یعنی جو کام آجکل سفرمینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اسکا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ عمرو بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رُخ کرے گی سفرمینا کی خدمت کو مصری انجام دیں گے[51] چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلے کے لیئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری، منزل بمنزل پل باندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا اس واسطے قبطی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

جاسوسی اور خبر رسانی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اُسکے لیئے قدرتی سامان ہاتھ آگئے تھے شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے، ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے آئے تھے اس لیئے کوئی واقعہ اُن سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں، اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لیئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے یرموک، قادسیہ، تکریت، میں انہی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے[52] شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں[53] فلما رای اھل الذمۃ وفاء المسلمین لھم وحسن السیرۃ فیھم صاروا اشدا علی عدو المسلمین وعونا للمسلمین علی اعدائھم فبعث اھل کل مدینۃ ممن جری الصلح بینھم وبین المسلمین، رجالا من قبلھم یتجسسون الاخبار عن الروم وعن ملکھم

---

[51] مقریزی صفحہ ۱۶۳ میں ہے فخرج عمرو بالمسلمین وخرج معہ جماعۃ من رؤساء القبط وقد اصلحوا لھم الطرق واقاموا لھم الجسور والاسواق۔ [52] تاریخ شام للازدی صفحہ ۱۰۴ و طبری صفحہ ۲۴۹۵ و ۲۴۷۴۔ ازدی کی عبارت یہ ہے لما نزلت الروم منزلھم الذی نزلوا بہ دسسنا الیھم رجالا من اھل البلد کانوا نصاری وحسن اسلامھم من ان یدخلوا عسکرھم ویکتموا اسلامھم ویاتونا باخبارھم۔ [53] کتاب مذکور صفحہ ۸۰۔

وما یرید ون ان یصنعوا۔ اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا، یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لیئے مقرر کیئے گئے اور اس کے صلے میں انکی مقبوضہ زمینیں انکو معافی میں دیدی گئیں[1]۔ اسی طرح جراجمہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور انکو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔

خراسانی اور جاسوسی کا

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اسقدر بیشمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل، مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے، اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں جہاں سے دار الخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمرؓ کے قبضۂ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ اسکا عام سبب تو حضرت عمرؓ کی سطوت اور ان کا رعب و داب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی انکو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہیں وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش فکتب الی عمر بما کان فی تلک الغزاۃ وبلغہ الذی قال عتیبۃ ایک اور موقع پر لکھتے ہیں وکان عمرؓ لا یخفی علیہ شیئ فی عملہ۔

پرچہ نویسی کا انتظام

اس انتظام سے حضرت عمرؓ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بداعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اُس کا تدارک کر دیتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمرو معدیکرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا۔ فوراً حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی اور اُسی وقت اُنھوں نے عمرو معدیکرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر اُن کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جنکا استقصا نہیں ہو سکتا۔

صیغۂ تعلیم

حضرت عمرؓ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالکِ مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کیئے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار، اور امثالِ عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علما

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ [2] طبری صفحہ ۲۲۰۴ [3] طبری صفحہ ۲۵۲۱۔

صحابہ، اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لیئے مامور کیئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی اس لیئے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ صیغۂ مذہبی کے بیان میں آئیگا۔

صیغۂ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمر کے کارناموں کا طغرا یہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ۔ استغراق فی العبادۃ۔ صفائے قلب۔ قطع علائق۔ خضوع و خشوع۔ یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سررشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لیئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کرسکتے اس کا ذکر حضرت عمر کے ذاتی حالات میں آئیگا۔ البتہ اشاعت اسلام۔ تعلیم قرآن و حدیث احکام مذہبی کا اجراء اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمر نے اُنکے متعلق جو کچھ کیا اُسکی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اشاعت اسلام کا طریقہ

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا۔ حضرت عمر نے خود ایک موقع پر یعنی جب اُنکا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین۔[۱]

اشاعتِ اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دُنیا کو اسلام کی دعوت دیجائے اور لوگوں کو اسلام کے اُصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر جب کسی ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے اُن لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اُصول و عقائد سمجھائے جائیں چنانچہ فاتح ایران۔ سعد وقاص کو جو خط لکھا اُس میں یہ الفاظ تھے وقد کنت امرتک ان تدعوا من لقیت الی الاسلام

[۱] یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۴۹ مطبوعہ حیدرآباد۔

قبل القتال قاضی ابویوسف صاحب نے لکھا ہے کہ "حضرت عمر کا معمول تھا کہ جب اُنکے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو اُن پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم او صاحب فقہ ہوتا تھا[1] یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لیئے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں اُنھوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اُصول و عقائد اُن کے سامنے بیان کیئے۔

اشاعت اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمر کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُنھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ اُن کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اُٹھنا حیرت و استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو اُن کے دیکھنے اور اُن سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی۔ سادگی، پاکیزگی، جوش، اور اخلاص، کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام اُن میں گھر کرتا جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر جارج، ابوعبیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصری حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کے حالات ہی سُن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا[2]۔

اشاعت اسلام کے اسباب

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کہ چند صحرانشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پُرزور قوموں کا قدم اُکھڑ جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے

---

[1] کتاب الخراج ۱۲ [2] تاریخ مقریزی صفحہ ۲۲۶ میں ہے فخرج شطا فی الفین من اصحابه ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک یحب الخیر ویمیل الی ما یسمعه من سیرة اهل الاسلام ۱۲

جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کیے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بیفائدہ ہے۔" فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اسکو گرفتار کرکے جا کے کی سزا دینی چاہی، تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا اُن کے ساتھ ہے اور اُن سے لڑنا بیکار ہے[1] اور جار فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ "قادسیہ کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اُسوقت تک میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ "تکلے ہیں"، لیکن انہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی" مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ رومیوں کی سلطنت ہو چکی اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ[2]۔

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جسقدر اُنکا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جسقدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے، یہی بات ہے کہ اس عہد کے نومسلم جسقدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام اروکون تھا حضرت خالد کے ہاتھ پر اسلام لایا[3]۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اُسکے پیرووں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مورخین نے کسی موقعہ پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا جسکی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بتا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے۔ چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمر کے زمانہ میں جو لوگ ایمان لائے

سنہ ۱۶ھ کے اخیر میں جب جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا، اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے اُنکے یہ نام ہیں۔ جمیل بن

[1] طبری واقعات جنگ فارس ۱۲ [2] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۹ [3] معجم البلدان ذکر قنطرۂ سنان ۱۲

بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل، فیروزان رئیسوں کے مسلمان ہوجانے سے اُنکی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج، جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی۔ اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کل کی کل مسلمان ہوگئی[1]۔

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کیئے اور اصطخر کو روانہ کیا، یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کرکے ساتھ لیتا جائے اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں، تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اُس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کرکے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے، اُسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے، اِس لیئے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کریں، چنانچہ اُسی وقت سب کے سب مسلمان ہوگئے[2]۔ یہ لوگ اساورہ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورہ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیابجہ۔ زط۔ اندغار بھی مسلمان ہوگئے یہ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہوکر آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئیں تھیں۔

مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلا، عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑے تھے گرفتار کرکے لونڈی غلام بنایا، اور وہ فروخت ہوکر تمام عرب میں پھیل گئے، تو حضرت عمر نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے اُن کو واپس لے کر مصر بھیجدیا اور لکھ بھیجا کہ اُن کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں چنانچہ انمیں سے قصبہ بلہیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہوگئے[3]۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارۃ اور وراده سے لیکر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا[4]۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۰ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰ [3] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۷ [3] تاریخ مقریزی صفحہ ۱۶۴ جلد اول۔

[4] مقریزی صفحہ ۱۸۴ میں ہے ولما فتح المسلمون الفرما بعد ما افتتحوا دمیاط وتنیس ساروا الی بقارۃ فاسلم من بہا وساروا منہا الی الوارده فدخل اہلہا فی الاسلام وما حولہا الی عسقلان ۱۲

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں۔ یہاں کا رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا، چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آملا اور مسلمان ہوگیا[1]۔

فسطاط جسکو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جسکی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے، جہاں زیادہ تر نومسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک محلہ بنو نبہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہوگیا تھا۔ مصر کے معرکہ میں اس خاندان کے ۱۰۰ آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ دوسرا محلہ بنوالارزق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اسقدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔ تیسرا محلہ رود بیل کے نام سے آباد تھا، یہ لوگ پہلے یرموک وقیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہوکر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے، یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے[2]۔

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نومسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے، چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیرواں کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم، شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہوگئے اور عمر بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔

اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا مورخ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہوگئے تھے[3]۔ مورخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ "جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بناکر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے، اور مسلمان ہوگئے تھے۔ ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں"۔ مورخ طبری نے سنہ ۱۴ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی

[1] مقریزی جلد اول ۲۲۶ [2] اسکے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۲۹۸ جلد اول میں ہے ۱۲ [3] بلاذری صفحہ ۵۰۔

مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اور اعمال مذہبی کی ترویج تھی یعنی جن چیزوں پر اسلام کا مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا، اور اُن کی اشاعت، اور ترویج کرنی۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم قرآن شریف کی حفاظت اور اُسکی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمر نے اِس کے متعلق جو کوششیں کیں اُن کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ "امروز ہر کہ قرآن مے خواند از طوائف مسلمین منّت فاروق اعظم در گردن اوست"

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل الاصول قرآن مجید ہے۔ اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا۔ ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا، تمام ممالک میں اسکی تعلیم کو رواج دینا جو کچھ ہوا حضرت عمر کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفرق اجزا متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھر کی تختیوں پر، لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو کوئی۔

حضرت عمر نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوشش کی

حضرت ابوبکر کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سیکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے پاس جا کر کہا کہ "اگر اسی طرح حفاظ قرآن اُٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہیگا" اسلیئے ابھی سے اُسکی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیئے" حضرت ابوبکر نے فرمایا "جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا میں کیوں کر کروں" حضرت عمر نے بار بار اسکی مصلحت اور ضرورت بیان کی، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کیے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمر نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اسبات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اُس پر دو شخصوں کی اور شہادت لیجاتی تھی کہ ہمنے اسکو آنحضرت صلعم کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اس

سلہ طبری صفحہ ۲۴۶۱

طرح جب تمام سورتیں جمع ہوگئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ اُنکی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے، سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے، نگران لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان میں[1] اترا ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ اور اعراب کی تدبیریں

اُسوقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لیئے چند اُمور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اسکی تعلیم شائع کیجائے اور سیکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنائے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہوجائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھکر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کرکے اُن کی تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں[2]۔ تنخواہیں اُسوقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیئے جو مکتب تھے اُنکے معلموں کی تنخواہیں ۱۵۔ ۱۵ درہم ماہوار تھیں۔

مکاتب قرآن

بدوؤں کو جبری تعلیم کتابت کی تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کے لیئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر کی، چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جسکو قرآن شریف کا کوئی حصہ یاد نہو اُسکو سزا دے[3]۔ مکاتب میں لکھنا بھی سکھلایا جاتا تھا عام طور تمام اضلاع میں احکام بھیجدیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دیجائے۔ ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں اُنکی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہوکر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجکو مدینہ میں بٹھایا گیا معلم جب مجھ سے میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں[4]۔

---

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۷۹۔ اور اتقان ۱۲ [2] سیرۃ العمرین لابن جوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن العفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین [3] اغانی جزء ۱۶ صفحہ ۵۸ اصابہ فی احوال الصحابۃ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے ۱۲ [4] معجم البلدان۔ لغت حاضر۔ معجم میں اس روایت کو حضرت ابوبکرؓ کے عہد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب معجم نے اُسپر یہ اعتراض کیا ہے کہ اُس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے ۱۲

قراءِ صحابہؓ کا دور دراز مقامات پر تعلیم قرآن کے لیے بھیجنا

صحابہ میں سے ۵ بزرگ تھے جنہوں نے قرآنِ مجید کو آنحضرت ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا معاذ بن جبل۔ عبادہ بن صامت۔ اُبی بن کعب۔ ابوایوب۔ ابوالدرداء۔ ان میں خاص کر اُبی بن کعب سید القراء تھے اور خود آنحضرت نے اس باب میں اُن کی مدح کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے" ابوایوب ضعیف اور اُبی بن کعب بیمار تھے، اس لیئے جا نہ سکے۔ باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں باقی دو صاحبوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہ نے وہیں قیام کیا اور ابودرداء دمشق اور معاذ بن جبل فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل نے طاعونِ عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابوالدرداء حضرت عثمانؓ کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔ ابوالدرداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کو نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابودرداء دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ اُن کو قرآن پڑھائے، خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے جب کوئی طالب العلم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا۔ تو ابودرداء خود اُسکو اپنی شاگردی میں لیتے تھے۔ ایکدن ابودرداء نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب العلم اُن کے حلقۂ درس میں موجود تھے۔

تعلیم قرآن کا طریقہ

دمشق کی مسجد میں طلبۂ قرآن کی تعداد

اشاعتِ قرآن کے اور وسائل

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لیئے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کیئے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ۔ نساء۔ مائدہ۔ حج۔ نور۔ کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اسقدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں احکام اور فرائض مذکور ہیں۔[۲] عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھیں اُنکی تنخواہیں مقرر کر دیجائیں (بعد کو جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا) اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھکر بھیجا کرتے تھے اُن میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی قرآن

[۱] یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸۱ میں ہے اور اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے۔ [۲] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۴ [۳] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۸

پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد بھی سیکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ حافظوں کی تعداد
فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ "حفاظِ قرآن کو میرے پاس بھیجو تاکہ میں انکو قرآن کی تعلیم کے لیئے جا بجا بھیجوں" تو سعد وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں۔[1]

تیسرا امر یعنی صحتِ اعراب و صحت تلفظ، اس کے لیے بھی نہایت اہتمام کیا اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لیئے صرف قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے اسکے لیئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔ صحت اعراب کی تدبیریں

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے اُن کے خاص الفاظ حسبِ روایت ابن الانباری یہ ہیں تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظه اور مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں تعلموا الفرائض واللحن والسنن کما تعلموا القرآن۔

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ **ادب** اور **عربیت** کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ لوگ خود اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔ ادب اور عربیت کی تعلیم

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔[2]

قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا، اور یہ انکی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے، وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگوں کو روایتِ حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "چنانکہ فاروقِ اعظم عبداللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو درداء را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود **قدغن** بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکنند"[3]۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کیے تھے وہ انکی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن انکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اُن کے ذاتی حالات میں، اُن کے فضل و کمال کا جہاں ذکر آئیگا حدیث کی تعلیم

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۷۔ [2] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۸۔ [3] ازالۃ الخفا جزء دوم صفحہ ۶۔

ہم اُس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لیئے حضرت عمرؓ نے اُسکو اسقدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے، یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں، مسایل فقیہہ کی ترویج کے لیئے جو تدبیریں اختیار کیں حسب ذیل ہیں۔

مسائل فقہ کی اشاعت

(۱) جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی، خود بالمشافہہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے، جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اُس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ مؤطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کیئے۔[۱] اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پُر اثر خطبے پڑھے اُن میں اسلام کے تمام مہمات اُصول اور ارکان بیان کیئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لیئے اُن مسائل کا اسقدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہاء نے اُسکو بہت سے مسائل فقیہہ کے حوالے میں جا بجا نقل کیا ہے۔

(۲) وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھکر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جسکی تعیین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا، چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں بعینہٖ اُسکی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلے کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی اُسکو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے، دو نمازوں کے جمع کرنیکی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ نا جائز ہے۔[۲] ۱۴؁ھ میں جب نماز تراویح، جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اسکے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھکر ابو موسیٰ اشعری اور دیگر افسران ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ ھذا کتاب

[۱] مؤطا امام محمد صفحہ ۲۲۷ [۲] مؤطا امام محمد صفحہ ۱۲۹۔

الفصل فقه الخ قضا اور شہادت سے متعلق ابوموسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی تھی اُسکو ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عمال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے حضرت ابوعبیدہ کو ایک دفعہ لکھا کہ "میں نے سُنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جاکر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں، لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں"، روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لا تکونوا من المسرفین لفطرکم۔ زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ ان المرءة لا تصوم تطوعاً الا باذن زوجها ابووائل کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ان الاهلة بعضها اکبر من بعض اس طرح کی اور بہت سی بیشمار مثالیں ہیں۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام، حضرت عمرؓ فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا اُنکو مجمع صحابہ میں پیش کرکے پہلے طے کرا لیا مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابویوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں ان عمر استشار فی السارق فاجمعوا الخ غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کرکے سب سے رائے طلب کی، لوگوں نے مختلف رائیں دیں، اُسوقت فرمایا اَنتُم اَصحابُ بَدرٍ وَقَد اِختَلَفتُم فَمَن بَعدَکُم اَشَدُّ اِختِلافاً یعنے جب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آیندہ آنیوالی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور اُنکی رائے قطعی پاکر شائع کی گئی جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک متفق بات طے ہوگئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہوگیا۔

(۳) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اسکا اعلان کر دیا تھا، ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے اِنّی اُشہِدُکُم عَلیٰ اُمَراءِ الاَمصارِ اِنّی لَم اَبعَثهُم اِلّا

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۹۔ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۸۰۔ [3] کتاب الخراج صفحہ ۶۰۔

لیفقہوا الناس فی دینہم یعنی میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اسکا لحاظ کیا جاتا تھا، قاضی ابو یوسف صاحب لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب کان اذا جمع الیہ جیش من اھل الایمان بعث علیہم رجلاً من اھل الفقہ والعلم یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ، سلمان فارسی، ابو موسیٰ اشعری، معاذ بن جبل وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

(۴) تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلم متعین کیے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں، مؤرخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔ تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مغفل کے حال میں صاحب اسد الغابۃ نے لکھا ہے کہ یہ منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جنکو حضرت عمر نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔[1] عمران بن الحصین جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں وکان عمر بعثہم عمر بن الخطاب الی اھل البصرۃ لیفقہہم یعنی یہ ان لوگوں میں ہیں جنکو حضرت عمر نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ عبدالرحمٰن بن غنم کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ان کو تعلیم فقہ کے لیے **شام** بھیجا تھا، اور صاحب اسد الغابہ نے ان ہی کے حالات میں لکھا ہے کہ یہی وہ شخص ہیں جنھوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھلائی عبادہ بن الصامت کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر نے انکو اور معاذ بن جبل اور ابو درداء کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرہ میں حبان بن ابی جبلۃ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔

ان **فقہا** کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور

---

[1] اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرۃ الذین بعثہم عمر الی البصرۃ لیفقہون الناس ۱۲

شائقین علم نہایت کثرت سے اُنکے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے، ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے، لیکن جب انکو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے، میں نے لوگوں سے اُس نوجوان کا نام پوچھا، تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبل ہیں[1]، لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء جب مسجد میں آتے تھے تو اُنکے ساتھ لوگوں کا اسقدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

فقہا کی تنخواہیں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اسکے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

معلمین فقہ کی وقعت

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا مثلاً معاذ بن جبل، ابو درداء، عبادہ بن الصامت، عبدالرحمن بن غنم، عمران بن حصین، عبداللہ بن مغفل، تمام جماعت اسلام میں انتخاب تھے، اسکی تصدیق کے لیے اسدالغابۃ اور اصابۃ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص تعلیم مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کردہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر دیئے جاتے تھے، چنانچہ اسکی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے، ہم اُس کے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

"ومعہذا بعد عزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت نبود۔ در جمیع این امور شد رد ند رسنے رفتند وبدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مصمم نے ساختند۔ لہذا درین عصر اختلاف مذاہب وتشتت آرا واقع نشد ہمہ بر یک مذہب متفق وبر یک راہ مجتمع۔ چون ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد وخلافت عامہ ظہور نمود، علماء در ہر بلدے مشغول بافادہ شدند، ابن عباس در مکہ فتوے میدہد و عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند و ابو ہریرہ اوقات خود را بر

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ معاذ بن جبل ۱۲ [2] تذکرۃ الحفاظ ذکر ابو درداء ۱۲

انکار روایت حدیث مصروف میسازد، بالجملہ درین ایام اختلاف فتاوی پیدا شد بیکے را بجائے دیگرے اطلاع نہ، واگر اطلاع شد مذاکرہ واقع نہ، واگر مذاکرہ میان آمد از خست شبہہ وخروج از مضیق اختلاف بفضائے اتفاق میسر نہ۔ اگر تتبع کنی روایت علماء صحابہ کہ پیش از انقراض خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بغایت کم یابی، وجمعے کہ بعد ایام خلافت ماندہ اند ہرچہ روایت کردہ اند بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند۔ ہرچند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول وعمل بموجب آنچہ بروایت صدق ایشان ثابت شود لازم۔ امّا درمیان آنچہ از حدیث وفقہ در زمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعد وے حادث شدہ فرق ما بین السموات والارض ست[۱]"

یہ تمام اُمور جن کا اوپر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ علمی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قایم کیے۔ ہر شہر و قصبہ میں امام و موذن مقرر کیے اور بیت المال سے انکی تنخواہیں مقرر کیں، علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانا یوزقان المؤذنین والائمۃ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لیے خاص اشخاص مقرر تھے[۲] حج کے زمانے میں ان کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منا میں عقبہ کے پار پہنچا آئیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھیر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھیرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا[۳]۔

عملی انتظام

اماموں مؤذنوں کا تقرر

چونکہ عہد خلافت میں متصل ۱۰ حج کیے اس لیے میر حاج ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابوموسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ "بصرہ میں ایک جامع مسجد، اور باقی ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر کیجائیں، سعد وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کیجائے[۴]۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی **جوامع عمری** کے نام سے مشہور ہیں گو انکی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی ہے۔ ایک **جامع عمری** میں جو بیروت میں واقع

مساجد کی تعمیر

[۱] ازالۃ الخفا جزو دوم صفحہ ۱۴۰ [۲] موطا امام محمد صفحہ ۱۰۶ [۳] موطا امام محمد صفحہ ۲۲۹ [۴] تاریخ مقریزی کا جلد دوم صفحہ ۲۴۶۔

ہے۔ راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں" یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اسکی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اُس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لیے سنہ ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیئے اور اُن کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی، اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لیئے اُسکی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھچوائی اور اُس سے یہ بھی کام لیا کہ اُس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے[۱]۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بُنا جاتا ہے۔ حرم کی حدود سے جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ اور ۹ میل ہیں، چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اُسکی تجدید کی۔ صحابہ میں جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخرمہ بن نوفل، ازہر بن عبد عوف۔ حویطب بن عبد العزیٰ۔ سعید بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ سے ساتھ پتھر نصب کیئے گئے۔

مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرتؐ کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اُس عہد کے لیئے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی ا سنہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے اُسکو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دیکر لے لیے لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے، آخر مقدمہ اُبی بن کعبؓ کے پاس گیا۔ اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو بجبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباسؓ نے

---

[۱] الاحکام السلطانیۃ للماوردی صفحہ ۱۵۴ و فتوح البلدان صفحہ ۴۶ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۴۷

فرمایا کہ اب میں بلاقیمت عام مسلمین کے لیے دیدیتا ہوں، غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر، باقی جسقدر عمارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو وسعت دیگئی پہلے طول ۱۰۰ گز کا تھا انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا گیا۔ آنحضرت کے عہد میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اب بھی لکڑی کے رہے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جسکو بات چیت کرنی، یا شعر پڑھنا ہو اُس کے لیے یہ جگہ ہے۔[1]

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا، اسکی ابتدا بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی یعنی اُن کی اجازت سے تمیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا، جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے تاکہ تمام مسلمانوں کے کام آئے۔ چنانچہ مؤذن کو حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلاکر نمازیوں کے سامنے پھیرتا تھا اور انکے کپڑے بساتا تھا۔[2] فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ ہی نے کیا لیکن یہ کوئی پُر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہیں تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد و خاک میں نہ آلودہ ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت سے متعلق، بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال، اُوپر گزر چکا لیکن انکے علاوہ، اور بہت سے جزئیات ہیں جن کیلیے جُدا جُدا عنوان نہیں قائم کیے جا سکتے تھے اس لیے اُن کو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔ ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب، اور اسکی ضرورت سے سن اور سال کا قائم کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے اِن چیزوں کا وجود نہ تھا، عام واقعات کے یاد رکھنے کیلیے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے، مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام الفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہۃ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا

[1] خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفےٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۲ و ۱۳۳ [2] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۴۷۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

پھر عام الفجار اور اُسکے بعد اور مختلف سن قائم ہوئے حضرت عمر نے ایک مستقل سن قائم کیا جو آجتک جاری ہے۔ اِسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ۱۶ھ میں حضرت عمر کے سامنے ایک چک پیش ہوئی جسپر صرف شعبان کا لفظ تھا، حضرت عمر نے کہا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینا مراد ہے یا موجودہ اُسی وقت **مجلس شوریٰ** منعقد کی، تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کیجائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لاکر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا، اُس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اُسکو ماہ روز کہتے ہیں اور اُس میں مہینہ اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے اُس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سن کی ابتدا کب سے قرار دیجائے۔ حضرت علی نے ہجرت نبوی کی رائے دی، اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا آنحضرت نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے۔ اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اِس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا[۱]

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے کا فی الجملہ رواج تھا، چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلے میں صرف ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے، لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے یہاں تک کہ جب ۱۴ھ میں اُبلہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جس کو حساب کتاب آتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک ۱۴ سالہ لڑکے یعنی زیاد ابن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اِس صلہ میں اُسکی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی[۲] یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پُرپیچ روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہل عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں، اُن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی، مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شرافت کے لحاظ سے، پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے، اِس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جُدا جُدا رجسٹر تھا، اور اُن میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی، اِس صیغہ کے حساب و کتاب کی درستی

[۱] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۰۴ [۲] طبری صفحہ ۱۲-۲۳۸۸

کے لیے حضرت عمر نے بڑے بڑے قابل لوگون کو مامور کیا مثلاً دارالخلافہ مین عقیل بن ابی طالب مخرمۃ بن نوفل، جبیر بن مطعم، کو بصرہ مین مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ مین عبداللہ بن خلف کو۔

دفتر خراج

خراج کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، فارسی، شامی، قبطی زبان مین رہا۔ کیونکہ عرب مین اس فن کو اس قدر ترقی نہین ہوئی تھی کہ دفتر عربی زبان مین منتقل ہوسکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا، زکوۃ و صدقہ مین جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے جانورون کا حلیہ رنگ، اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور اس وقت خود حضرت عمر اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے[۱]

مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسرون سے طلب کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت خالد کی پہلی معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہین قبول کرتے تھے[۲] جلولار کی فتح مین جو ۱۶ھ مین واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ مین آئے تھے اور حضرت عمر کو ملاحظہ کرایا تھا[۳]

مردم شماری کے کاغذات

زکوۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے، چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صفتون کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہین ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعرون کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ

مفتوحہ ممالک کی قومون یا اور لوگون سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق مین رکھے جاتے تھے۔ جو خاص حضرت عمر کے اہتمام مین رہتا تھا[۴]

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے، بعینہ اسی طرح جس طرح ہمارے ملک مین مہاجنون کی بہیان ہوتی ہین۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے مین اس کے

[۱] طبری ۲۷۳۶ [۲] اصابہ فی احوال الصحابہ تذکرہ خالد بن الولید [۳] طبری صفحہ ۲۴۶۵ [۴] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹۵۔

وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروق ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں

سکہ

"جب امیر المومنین عمر خلیفہ ہوئے اور خدا نے اُن کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا، تو انھوں نے سکہ کے معاملے میں کچھ دخل نہ دیا، بلکہ پرانے سکہ جو جاری تھے بحال رہنے دیے ۱۸ھ میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفیر آئے۔ جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے، احنف نے باشندگانِ بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں حضرت عمر نے اُن کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا، جنھوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی، جس کا نام نہر معقل ہے، اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اِذا جاء نهر الله بطل نهر معقلٍ، حضرت عمر نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لیے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کیے۔ اسی زمانہ میں حضرت عمر نے اپنے سکہ کے درہم جاری کیے۔ جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے، البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر کے سکوں پر[51] الحمد للہ اور بعض سکوں پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لکھا ہوا تھا حضرت عمر کے اخیر زمانے میں دس درہم کا مجموعی وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمر نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے۔ بغلی آٹھ دانگ کا۔ طبری چار دانگ کا۔ مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لیے دونوں کو ملا کر اُنکا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے، چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔[52]

ذمی[53] رعایا کے حقوق

حضرت عمر نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیے، اگر اُس کا مقابلہ اُس زمانہ کی اور سلطنتوں سے

[51] دیکھو کتاب النقود الاسلامیۃ للمقریزی مطبوعہ مطبع جوائب ۱۲۹۸ھ صفحہ ۵ و ۶۔ [52] الاحکام السلطانیۃ للماوردی صفحہ ۱۴۷۔

[53] ذمی سے وہ قومیں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلامیہ میں سکونت رکھتی تھیں۔

پرسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں نہ روم اور فارس تھیں، اُن دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق، غلاموں سے بھی بدتر تھے، شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے، تاہم اُن کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا، بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائداد خیال کیے جاتے تھے، چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے اور مالکِ سابق کو اُن پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے، وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے؛ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے اُن پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا، کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے، اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھی۔ فارس میں جو عیسائی تھے اُن کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

حضرت عمرؓ نے جب اِن ممالک کو زیرنگین کیا تو دفعۃً وہ حالت بدل گئی، جو حقوق اُن کو دیے گئے اُس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے، بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا دو برابر کے معاہدے کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم اُن کو اس مقام پر بعینہٖ نقل کرتے ہیں، جس سے اِس دعوے کی تصدیق ہوگی۔ اور ساتھ ہی اِس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے باایں ہمہ دعویٰ تہذیب اِس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو نہیں دیے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں۔ اُن میں بعض مفصل اور باقی مجمل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا۔ اِس لیے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیدیا گیا ہے، بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور اُن کے الفاظ میں لکھا گیا۔ حسبِ ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هٰذَا مَا اَعْطٰی عَبْدُ اللّٰهِ عُمَرُ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَهْلَ اِيْلِيَا مِنَ الْاَمَانِ اَعْطَاهُمْ اَمَانًا لِاَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَلِكَنَائِسِهِمْ وَصُلْبَانِهِمْ وَسَقِيْمِهَا وَبَرِيْئِهَا وَسَائِرِ مِلَّتِهَا اَنَّهٗ لَا يُسْكَنُ كَنَائِسُهُمْ وَلَا يُهْدَمُ وَلَا يُنْتَقَصُ مِنْهَا وَلَا	یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان اُنکی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار، اور اُن کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے اس طرح پر کہ اُن کے گرجاؤں میں نہ سکونت کیجائیگی نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ نہ اُن کو نہ اُن کے احاطہ کو

من خيرها ولا من صليبهم ولا من شئ
من اموالهم ولا يكرهون على دينهم
ولا يضار احد منهم ولا يسكن بايلياء
معهم احد من اليهود. وعلى اهل ايلياء
ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدائن
وعليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوت
فمن خرج منهم فهو امن على نفسه وماله
حتى يبلغوا مامنهم ومن اقام منهم فهو امن
وعليه مثل اهل ايلياء من الجزية ومن احب
من اهل ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع
الروم ويخلى بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا
مامنهم وعلى بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا
مامنهم وعلى ما فى هذا الكتاب عهد الله
وذمة رسوله وذمة الخلفاء وذمة المؤمنين
اذا اعطوا الذى عليهم من الجزية شهد
على ذلك خالد بن الوليد وعمرو بن العاص
وعبد الرحمن بن عوف ومعاوية بن
ابى سفيان وكتب وحضر سنة ۱۵ھ[۱]

کچھ نقصان پہنچایا جائیگا نہ اُن کی صلیبون اور انکے مال
مین کچھ کمی کی جائیگی، مذہب کے بارے مین اُن پر جبر
نہ کیا جائیگا نہ اُن مین سے کسی کو نقصان پہنچایا جائیگا
ایلیا مین اُنکے ساتھ یہودی نہ رہنے پائینگے ایلیا
والون پر یہ فرض ہے کہ اور شہرون کی طرح جزیہ دین اور
یونانیون کو نکال دین ان یونانیون مین سے جو شہر سے
نکلے گا اُسکی جان اور مال کو امن ہے تاآنکہ وہ جائے پناہ مین
پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی مین رہنا اختیار کرے تو اُسکو بھی
امن ہے اور اُسکو جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا والون مین سے جو
شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیون کے ساتھ چلا جانا
چاہے تو اُن کو اور اُنکے گرجاؤن کو اور صلیبون کو امن ہے
یہانتک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائین، اور جو کچھ
اور جو کچھ اس تحریر مین ہے اس پر خدا کا، رسول خدا کا،
خلفا کا، مسلمانون کا، ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ
مقررہ ادا کرتے رہین۔

اس تحریر پر گواہ ہین خالد بن الولید اور عمرو بن
العاص اور عبد الرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی
سفیان اور ۱۵ھ مین لکھا گیا۔

اس فرمان مین صاف تصریح ہے کہ عیسائیون کی جان، مال، اور مذہب، ہر طرح سے محفوظ رہیگا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہین انھین تین چیزون سے تعلق رکھتے ہین۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑے جائین گے نہ اُنکی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہونچایا جائے گا نہ اُنکے احاطون مین دست اندازی کی جائیگی، مذہبی آزادی

[۱] دیکھو تاریخ ابو جعفر طبری۔ فتح بیت المقدس ۱۲۔

کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرہون علی دینہم عیسائیون کے خیال مین چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیون نے صلیب دیکر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس مین پیش آیا تھا اِس لیے اُنکی خاطر سے یہ شرط منظور تھی کہ یہودی بیت المقدس مین نہ رہنے پائین گے یونانی باوجود اسکے کہ مسلمانون سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانون کے اصلی عدو تھے تاہم اُن کے لیے یہ رعایتین ملحوظ رکھیں، کہ بیت المقدس مین رہنا چاہین تو رہ سکتے ہین، اور نکل جانا چاہین تو نکل جا سکتے ہین، دونون حالتون مین اُن کو امن حاصل ہوگا اور اُنکے گرجاؤن اور معبدون سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا، سب سے بڑھکر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہین کہ وطن سے نکل کر رومیون سے جا ملین تو اُس پر بھی اُن سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا بلکہ اُن کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس مین ہین سب محفوظ رہین گے" کیا کوئی قوم مفتوح ملک کیساتھ اِس سے بڑھکر انصافانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیون کی جان ومال کو، مسلمانون کی جان ومال کے برابر قرار دیا کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمر فوراً اُس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے، امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثون کو دیدیا جائے[۱] چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اُسنے اُس کو قتل کر ڈالا۔ مال اور جائیداد کے متعلق اُنکے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھکر کیا ہو سکتی ہے؟ کہ جس قدر زمینین انکے قبضہ مین تھین اُسی حیثیت سے بحال رکھی گئین جس حیثیت سے فتح سے پہلے اُنکے قبضے مین تھین یہان تک کہ مسلمانون کو اُن زمینون کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصل ملکی کے بیان مین لکھ آئے ہین۔

بہ نسبت مالگذاری مین ذمیون کا خیال

مالگذاری جو مشخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی اس پر بھی حضرت عمر کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہین اِن پر سختی تو نہین کی گئی چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو ۱۰ شخص کوفہ اور ۱۰ شخص بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے ۔اور

۵۱ الدرایہ فی تخریج الہدایہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۶۰

حضرت عمر اُن سے چار دفعہ تاکید قسم لیتے تھے کہ مالگزاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی تھی[۵۱]۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسران بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق اُن سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی[۵۲]

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے یہ ہے کہ انتظامات ملکی میں اُن کو حصہ دیا جائے۔

ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ

حضرت عمر ہمیشہ اُن انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا۔ ذمیوں کے مشورہ اور اُنکے استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عراق کا بندوبست جب پیش تھا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مالگذاری کے حالات دریافت کیے[۵۳] مصر میں جو انتظام کیا اُس میں مقوقس سے اکثر رائے لی[۵۴]۔ جان و مال اور جائداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے۔ بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اُن کی پابندی کی جاتی تھی۔ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اُس کی زراعت کو پامال کر دیا۔ حضرت عمر نے بیت المال سے ۱۰ ہزار درہم اُسکو معاوضے میں دلوائے[۵۵]۔ خود بالمشافہ لوگوں کو اِسکی تاکید کرتے رہتے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور اُنکے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے! لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ اِن لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اس لیے اُنکو سزا دیجاتی ہے۔ حضرت عمر نے دریافت کیا کہ آخر ان کا عذر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "ناداری" فرمایا کہ "چھوڑ دو اور اِن کو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ یعنی آنحضرت نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہونچاتے ہیں خدا قیامت میں اُن کو عذاب پہونچائیگا"

ذمیوں کی شرائط کا ایفاء

حضرت ابو عبیدہ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اُس میں یہ الفاظ تھے۔

وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار بھم واکل اموالھم الا بحلھا ووف لھم بشرطھم	مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نکرنے پائیں نہ اُنکو نقصان پہنچانے پائیں نہ اُن کا مال بے وجہ کھانے پائیں اور جس قدر شرطیں

[۵۱] کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ [۵۲] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ میں ہے قال شھدت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث اواربع واقفا علی حذیفۃ بن الیمان وعثمان بن حنیف وھو یقول لھما لعلکما حملتما الارض ما لا تطیق ۱۲

[۵۳] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۶۔ [۵۴] کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔ [۵۵] کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔

الذی شرطت لهم فی جمیع ما اعطیتهم	تم نے ان سے کی ہین سب وفا کرو +

حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب خلیفہ ہونے والے شخص کے لیے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی، اِس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابوبکر بیہقی، جاحظ اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے اُس کا اخیر فقرہ یہ ہے۔

واوصیه بذمة الله وذمة رسوله ان یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من ورائهم و ان لا یکلفوا فوق طاقتهم[۵۱]	یعنی مین اُن لوگون کے حق مین وصیت کرتا ہون جنکو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہو (یعنی ذمی) کہ اُنسے جو عہد ہو وہ پورا کیا جائے اور اُنکی حمایت مین لڑا جائے اور اُنکو اُنکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے

اِس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر مرتے وقت بھی ذمیون کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے اُن کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلعم کو گالی دی غرفہ نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی اُنھون نے غرفہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی۔ غرفہ نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص نے کہا ذمیون سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے"۔ غرفہ نے کہا "نعوذ باللہ اِن کو یہ اجازت ہرگز نہین دی گئی ہے کہ رسول اللہ کو علانیہ گالیان دین۔ اُن سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤن مین جو کچھ چاہین کرین، اور اگر اُن پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم اُن کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑین اور اُن پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہون"۔ عمرو بن العاص نے کہا ہان یہ سچ ہے[۵۲] اِس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیون کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا تھا۔

مذہبی اُمور مین آزادی

مذہبی اُمور مین ذمیون کو پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے علانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے، اُن کے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے، مصر مین اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیرہ برس تک رومیون کے ڈر سے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرا، عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو ۲۰ سنہ ہجری مین اُسکو تحریری امان لکھکر بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اُس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب صفحہ ۴۹۲ جلد اول مین

---

۵۱ صحیح بخاری صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ میرٹھ ۵۲ اسد الغابۃ تذکرہ عرفہ ۱۲

اِس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور معاہدات مین اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق بھی التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اِس موقع پر نقل کرتے ہین۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والون کو جو تحریر لکھی تھی اِس مین یہ الفاظ تھے

لا یغیرون عن ملة ولا یحال بینهم وبین شرائعهم[51]	اِنکا مذہب نہ بدلا جائیگا اور اُنکے مذہبی امور مین کچھ دست اندازی نہ کیجائیگی

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لهم الامان علی انفسهم واموالهم ومللهم	اُنکے جان ومال اور مذہب وشریعت کو امان ہے اور اِس
وشرائعهم ولا یغیر شیٔ من ذلك[52]	مین سے کسی شئے مین تغیر نہ کیا جائیگا

آذربائیجان کے معاہدے مین یہ تصریح تھی۔

الامان علی انفسهم واموالهم ومللهم وشرائعهم[53]	جان ومال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

موقان کے معاہدے مین یہ الفاظ تھے۔

الامان علی اموالهم وانفسهم وملتهم وشرائعهم	جان ومال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے۔ اور منصب خلافت کے لحاظ سے اُنکا یہ فرض تھا، لیکن وہین تک جہان تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا، نہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے، کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہین کیا جا سکتا تھا۔ استق اِن کا ایک عیسائی غلام تھا، اِس کو ہمیشہ مذہب اسلام کے قبول کرنیکی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اُس نے انکار کیا تو فرمایا لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ یعنی مذہب[54] مین زبردستی نہین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہی کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیون اور مسلمانون مین کوئی تمیز نہین رکھی تھی، کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو بیدریغ اُس کے قصاص مین قتل[55] کیا جاتا تھا۔ مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے، ذمیون سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہین لیا جاتا تھا اِس کے مقابلے مین مسلمانون سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جسکی مقدار دونون سے زیادہ تھی اِسکے سوا عشور مسلمانون سے وصول بھی کیا جاتا۔ البتہ اُس کی شرح بمقابلہ ذمیون کے کم تھی، یعنی ۲۱/۲

[51] طبری صفحہ ۲۲۲۳ [52] طبری صفحہ ۲۶۵ [53] طبری ۲۶۶۲ [54] کنز الاعمال بحوالہ ابن سعد جلد پنجم صفحہ ۳۰۹-۲

سے والنٹرون کو گھر بیٹھے جو تنخواہین ملتی تھی ذمی بھی اُس مین برابر کے شریک تھے اسب سے بڑھکر یہ ہے اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ جو یہ قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپاہج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش نہین پیدا کرسکتا تھا بیت المال سے اُس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کے بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیون کے ساتھ بھی مرعی تھی اول اول یہ قاعدہ حضرت ابوبکر کے عہد مین مقرر ہوا چنانچہ خالد بن الولید نے حیرہ کی فتح مین جو معاہدہ لکھا اُس مین یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام فان خرجوا الى غير دار الهجرة ودار الاسلام فليس على المسلمين النفقة على عيالهم

اور مین نے اُنکو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اُسپر کوئی آفت آئے یا پہلے وہ دولتمند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اُسکے ہم مذہب اُسکو خیرات دینے لگے تو اُس کا جزیہ موقوف کر دیا جائیگا اور اُسکو اور اُسکی اولاد کو مسلمانون کے بیت المال سے نفقہ دیا جائیگا۔ جب تک وہ مسلمانون کے ملک مین رہے لیکن اگر وہ غیر ملک مین چلا جائے تو مسلمانون پر اُس کا نفقہ واجب نہ ہوگا؛

یہ قاعدہ حضرت عمر کے عہد مین بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر نے اس کو قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ (صدقہ اور خیرات فقیرون اور مسکینون کے لیے ہے) اس مین فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہین۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا پوچھا کہ بھیک کیون مانگتا ہے؟ اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجکو ادا کرنے کا مقدور نہین۔ حضرت عمر اُس کو ساتھ گھر پر لوا لائے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اِس قسم کے معذورون کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اسی واقعہ مین آیت مذکورہ کا حوالہ دیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ واللہ انصاف کی بات نہین۔ کہ ان لوگون کی جوانی سے ہم متمتع ہون اور بڑھاپے مین انکو نکالدین[۵۲]

[۵۱] کتاب الخراج صفحہ ۸۵ [۵۲] کتاب الخراج صفحہ ۷۲۔

ذمیون کی عزت آبرو کا اُسی قدر استحفاظ تھا جس قدر مسلمانون کی عزت وناموس کا، اِن کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عمیر بن سعد جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا مین تمام عہدہ داران خلافت مین کوئی اُن کا ہمسر نہ تھا، ایک دفعہ اُن کے منہ سے ایک ذمی کی شان مین یہ لفظ نکل گیا اخزاک اللہ یعنی خدا تجکو رسوا کرے اسپر اُنکو اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمر کی خدمت مین حاضر ہوکر نوکری سے استعفا دیدیا اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔[51]

ایک خاص بات جو سب سے بڑھکر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیون نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی اُنکے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آج کل جن حکومتونکو تہذیب ترقی کا دعوی ہے رعایا کے ساتھ اُنکی تمام عنایت اُسیوقت تک ہے جب تک اُنکی طرف سے کوئی پولیٹیکل شبہہ نہ پیدا ہو ورنہ دفعۃً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پرغیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومین بھی اُس سے کچھ زیادہ نہین کرسکتین۔ برخلاف اس کے حضرت عمر کا قدم کسی حالت مین جادۂ انصاف سے ذرا نہین ہٹا۔ شام کے آخری سرحد پر ایک شہر تھا جسکا نام عربسوس تھا اور جسکی دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہوگیا لیکن یہان کے لوگ دربردہ رومیون سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبرین اُنکو پہنچایا کرتے تھے عمیر بن سعد وہان کے حاکم نے حضرت عمر کو اطلاع دی، حضرت عمر نے اُن کی کمینہ خصلت کا جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو لکھبھیجا کہ جس قدر اُنکی جائداد، زمین، مویشی، اور اسباب ہے سب شمار کرکے ایک ایک چیز کی دوچند قیمت دیدو اور اُن سے کہو اور کہین چلے جاین۔ اگر اسپر راضی نہون تو اُنکو ایک برس کی مہلت دو اور اُسکے بعد جلاوطن کردو، چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔[52] کیا آج کل کوئی قوم اس درگذر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی

ذمیون کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اُس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیون نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتون کے مقابلہ مین مسلمانون کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانون کے لیے رسد بہم پہونچاتے تھے، لشکرگاہ مین بینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل

[51] دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۳ [52] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۷

تیار کرانے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن اُنہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اُس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے۔ عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا تھا کہ خدا کی قسم تم رومیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہمکو محبوب ہو۔

اخیر میں ہمکو اُن واقعات کی حقیقت بھی بتا دینا ضرور ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے، یا ہو سکتا ہے، کہ حضرت عمر نے بلکہ خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ نا انصافانہ سلوک کیے اس مسئلہ کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں لمبی ٹوپیاں پہنیں، گھوڑوں پر کاٹھی کسیں، نئی عبادتگاہیں نہ بنائیں، شراب اور سور نہ بیچیں، ناقوس نہ بجائیں صلیب نہ نکالیں، بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ اِن سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمر نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلاوطن کر دیے۔

بے شبہہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں، اور ہم اُن کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے، کیونکہ ایک زمانہ ممتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرہ پر بہت سے پردے ڈال دیے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے، لیکن اِس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا، لباس کی بحث میں تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کو جس لباس کی تاکید کی تھی، آیا وہی ذمیوں کا قدیم لباس تھا۔ یا حضرت عمر نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ حضرت عمر کا معاہدہ جس کو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا ہے اگرچہ راویوں نے اِس کو بہت کم و بیش کر دیا ہے تاہم جہاں ذمیوں کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں

فلان لباس نہ پہنین گے وہان یہ الفاظ بھی ہین دان تلزم زیناحیث ما کنا یعنی ہم وہی لباس پہنین گے جو ہمیشہ سے پہنتے آئے تھے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمر نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ زنار جس کا ذکر حضرت عمر کے فرمان مین ہے اُسکی نسبت ہمارے فقہائے اکثر غلطیان کی ہین انکا خیال ہے کہ وہ اُنگل برابر موٹا ایک قسم کا جنیو ہوتا تھا اور اس سے ذمیون کی تحقیر منظور تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے زنار کے معنی پیٹی کے ہین اور عرب مین یہ لفظ آج کل بھی اسی معنی مین مستعمل ہے۔ پیٹی کو عربی مین منطقہ بھی کہتے ہین اور اس لحاظ سے زنار اور منطقہ مرادف الفاظ ہین، ان دونون الفاظ کا مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہو کنز العمال[۵۳] مین بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمر نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا وتلزموھم المناطق یعنی الزنانیر۔ اسی زنار کو کستیج بھی کہتے ہین چنانچہ جامع صغیر وغیرہ مین بجائے زنار کے کستیج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے بہر حال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف مین لکھا ہے کہ عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ مین نے کتاب المروج الذہب مین لکھی ہے ایک قطعی دلیل اس بات کی کہ یہ لباس ذمیون کا قدیم لباس تھا، یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لیے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا، لمبی ٹوپیان جو نرسل کی ہوتی تھین، یہی عجم کی ٹوپیان تھین جس کا نمونہ پارسیون کے سرون پر آج بھی موجود ہے، اس درباری لباس مین پیٹی بھی داخل تھی اور یہ وہی زنار یا منطقہ یا کستیج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی، منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تقلید تھی، اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس حضرت عمر نے ذمیون کے لیے قرار دیا تھا، وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور اُنکی تحقیر کے لیے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اُس کو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

ذمیوں کو نئی عبادت گاہین بنانے، شراب بیچنے، صلیب نکالنے، ناقوس پھونکنے اضطباغ دینے سے روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن مین بیباکانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہون، کہ یہ احکام جن قیدیون کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے جاری کیے تھے وہ بالکل مناسب تھے۔ لیکن زمانہ مابعد کے مورخون نے اُن قیدیون کا ذکر چھوڑ دیا اور اس وجہ سے تمام دنیا کو

---

[۵۱] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۰۲ [۵۲] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰ [۵۳] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۷۔

عالمگیر غلطی پھیل گئی ÷

صلیب کی نسبت معاہدے مین جو الفاظ تھے اُس مین یہ قید تھی ولا یرفعوا فے نادی اھل الاسلام صلیبا یعنی مسلمانوں کی مجلس مین صلیب نہ نکالین۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا نواقیسھم فی ای ساعۃ شاؤا من لیل او نہار الا فی اوقات الصلوٰۃ یعنی ذمی رات دن مین جسوقت چاہین ناقوس بجائین بجز نماز کے اوقات کے۔ سور کی نسبت یہ الفاظ تھے ولا یخرجوا خنزیرا من منازلھم الی افنیۃ المسلمین یعنے ذمی سور کو مسلمانون کے احاطہ مین نہ لیجائین۔

اِن تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا، یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا بلکہ خاص حالات مین ممانعت تھی، اور اِن خاص حالات مین آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہین کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابلِ لحاظ امر بنی تغلب عیسائیون کی اولاد کا اصطباغ نہ دینا ہے۔ عیسائیون مین دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطباغ دیدیتے ہین، اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آیندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نکرنے پائین، بعینہ اُسطرح جس طرح ہم مسلمانون مین بچون کا ختنہ کیا جاتا ہے اب شبہہ حضرت عمر کو عام طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ اُس زمانے مین ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا۔ یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان مین سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے۔ اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے، تو اُس کی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا اُن کے خاندان والون کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہین یہ حق حاصل ہوگا کہ اُسکو اصطباغ دیکر عیسائی بنالین حضرت عمر نے اُسصورت خاص کے لیے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اُسکو اصطباغ نہ دین اور عیسائی نہ بنالین، اور یہ حکم بالکل قرینِ انصاف ہے کیونکہ جب اُسکا باپ مسلمان ہو گیا تو اُسکی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائیگی۔ علامہ طبری نے جہان بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح مین یہ الفاظ نقل کیے ہین علےٰ ان لا ینصروا ولیدا ممن اسلم اباؤھم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے اُنکی اولاد کو عیسائی بنائین۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہین ان لا ینصروا اولادھم اذا اسلم اباؤھم۔

اصطباغ نہ دے سکنا

ملہ کتاب الخراج صفحہ ۸۰ ملہ کتاب الخراج صفحہ ۸۲ ملہ طبری صفحہ ۲۴۸۲ ملہ طبری صفحہ ۲۵۱۰۔

یہان شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو کیون سخت کیا
لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب مین بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے
اس لیے انکی خاص حالت کے لحاظ سے اُس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ علامہ طبری[51] نے صاف
تصریح کی ہے کہ تغلب مین سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہی نے معاہدہ کے یہ شرائط پیش کیے تھے
اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام مین خلل نہ واقع ہونے کے لیے عیسائیون کو اگر
یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانون کی مجلسون مین صلیب اور سور نہ لائین خاص نماز کے وقت ناقوس نہ
بجائین، تو مسلم عیسائیون کی اولاد کو اصطباغ نہ دین تو کیا کوئی شخص تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا
ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مورخون نے ان احکام کی قیدون اور
خصوصیتون کو اڑا دیا بلکہ قدما مین بھی جو تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے روایت مین ان خصوصیتون
کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیان اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھین، لیکن چونکہ ظاہر مین خفیف
تھین ابن الاثیر وغیرہ نے اسکا کچھ خیال نہ کیا، رفتہ رفتہ یہ غلطیان اس قدر پھیل گئین کہ عربی
زبان سرتاپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہا چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے انھون نے
بے تکلف انہی غلط روایتون کو قبول کر لیا اور اُن پر فقہ کے مسائل تفریع کر لیے۔

عیسائیون اور یہودیون کے جلاوطن کرنے کا معاملہ۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانے
مین مسلمانون کی طرف سے صاف نہین ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا تو اُن سے کہدیا گیا تھا کہ جسوقت
مناسب ہوگا تم کو یہان سے نکال دیا جاویگا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے مین ان کی شرارتین زیادہ
ظاہر ہوئین عبداللہ بن عمرؓ کو ایک دفعہ بالاخانہ سے ڈھکیل دیا جس سے اُنکے ہاتھ مین زخم آیا مجبوراً
حضرت عمرؓ نے عام مجمع مین کھڑے ہو کر اُنکی شرارتین بیان کین اور پھر اُن کو عرب سے نکال دیا[52]
چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشروط مین یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یمن اور اُسکی اطراف مین رہتے تھے اور اُن سے کچھ تعرض نہین کیا
گیا تھا، لیکن اُنھون نے چپکے چپکے جنگی تیاریان شروع کین، اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا
کیے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اِس ضرورت سے اُن کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائین[53]

---

[51] طبری صفحہ ۲۵۰۹ [52] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۵ و کتاب الخراج صفحہ ۲۹ [53] کتاب الخراج صفحہ ۴۲۔

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیٹکل ضرورتوں کی وجہ سے جلاوطن کیے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہین ہوسکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت مین بھی کس قسم کی رعایت اُنکے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ اُنکی زمین اور باغون کی قیمت کا تخمینہ کرے، چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی حضرت عمرؓ نے اُن کو بیت المال سے دلوادی[51]۔ اسی طرح حجاز کے یہودیون کو بھی، اُنکی زمین کی قیمت دلوادی[52]۔

بخران کے عیسائیون کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق مین آباد کیا، تو اُن کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتین کین، اُن کو امن کا پروانہ دیا، اُس مین یہ شرطین لکھین۔

عراق یا شام جہان یہ لوگ جائین، وہان کے افسر اُن کی آبادی اور زراعت کے لیے اُن کو زمین دین۔ جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لیجائین وہ اُن کی مدد کرین۔ ۲۴ مہینے تک اِن سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین اس معاہدے کو بالفاظہا نقل کیا ہے[53]۔

ایک ایسی قوم جسکی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہون، اُسکے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جا سکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہم نے اس بحث پر اگرچہ مستقل رسالہ لکھا ہے اور دو تین زبانون (اردو۔ انگریزی۔ عربی) مین چھپکر شائع ہوچکا ہے تاہم مختصر طور پر یہان بھی لکھنا ضرور ہے جزیہ کا موضوع اور مقصد اگرچہ شروع اسلام ہی مین ظاہر کردیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد مین یہ مسئلہ ایسا صاف ہوگیا کہ احتمال کی بھی گنجائش نہین رہی اولاً انھون نے توشیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحین قائم کین اور اس طریقہ سے گویا صاف بتادیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہین بلکہ وہی توشیروانی محصول ہے، اس کے علاوہ متعدد موقع عملی طور سے اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصہ مین تم پڑھ آئے ہو کہ

---

۵۱ فتوح صفحہ ۲۹ ۵۲ فتوح صفحہ ۲۶ ۵۳ فتوح صفحہ ۱۴ -

جب یرموک کے پرخطر معرکے پیش آنے کی وجہ سے اسلامی فوجین شام کے مغربی حصون سے ہٹ آئین اور اُن کو یقین ہوگیا کہ جن شہرون سے جزیہ وصول کرچکے تھے یعنی حمص دمشق وغیرہ وہان کے باشندون کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہین اٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کردی اور صاف کہدیا کہ اس وقت ہم تمھاری جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہین ہوسکتے اس لیے جزیہ کا بھی کوئی حق ہمکو نہین ہے۔ اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگون سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی اُن کو باوجود اُنکے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کردیا۔ حضرت عمر نے خود سنہ ۲۱ھ مین عراق کے افسرون کو لکھ بھیجا کہ

یستعینوا بمن احتاجوا الیہ من الاساورۃ ویرفعوا عنھم الجزاء[۵۱]	یعنی فوجی سوارون مین سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اُس سے مدد لو اور اُن کا جزیہ چھوڑ دو

یہان تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانون کے ساتھ شرکت کی تو اُس سال کا جزیہ اُن کے لیے معاف کردیا گیا۔ سنہ ۲۲ھ مین جب آذربایجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھدیا گیا[۵۲]

ومن حشر منھم فی سنۃ وضع عنہ جزاء تلک السنۃ۔	یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دینگے اُس سال کا جزیہ اُن سے نہین لیا جائیگا۔

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اُس مین یہ الفاظ تھے۔

وعلی اھل ارمینیۃ ان ینفروا لکل غارۃ وینفذوا لکل امر ناب او لم ینب رآہ الوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء[۵۳]

اسی سنہ مین جرجان فتح ہوا اور فرمان مین یہ عبارت لکھی گئی۔

ان لکم الذمۃ وعلینا المنعۃ علی ان علیکم من الجزاء فی کل سنۃ علی قدر طاقتکم ومن استعنا بہ منکم فلہ جزاءہ فی معونۃ عوضا عن جزائہ[۵۴]	یعنی ہم پر تمھاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم سے اعانت لین گے تو اُس اعانت کے بدلے جزیہ معاف ہوجائیگا۔

غرض حضرت عمر کے اقوال سے، معاہدون سے، طرز عمل سے، روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا ہے۔

[۵۱] طبری صفحہ ۲۴۹۷ [۵۲] طبری صفحہ ۲۶۶۲ [۵۳] طبری صفحہ ۲۶۶۵ [۵۴] طبری صفحہ ۲۶۵۸ -

تھا کہ جزیہ کا وضع کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا!

جزیہ کا مصرف، فوجی مصارف پر محدود تھا یعنی اُس رقم سے صرف اہل فوج کے لیئے خوراک لباس، اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں چنانچہ حضرت عمر نے جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اُس کے ساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا۔ مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چار دینار تھی لیکن ۲ دینار نقد اور باقی کے عوض گیہوں، روغن زیتون، شہد، سرکہ لیا جاتا تھا اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقدی کر دی گئی اور دو دینار کے بجائے چار دینار لیے جانے لگے

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمر نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ اُنھوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا، اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب میں تو اُنھوں نے سرے سے اُس کا استیصال کر دیا اور اس میں اُنکو اسقدر اہتمام تھا کہ عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ، پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکر کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں سے جو لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیے اِس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے اُن کا قول ہے کہ لا یسترق عربی یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔[۵۲] اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فن نے اُنکے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد حنبل کا قول ہے کہ لا اذہب الی قول عمر لیس علی عربی ملک[۵۳] یعنی میں عمر کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے، یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں یہاں صرف یہ بیان کرنا ہی کہ عرب کے متعلق حضرت عمر کا فیصلہ یہ تھا۔ غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے، جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا اُنکی غلامی میں دے دیجائے ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بندی کی۔ لیکن غلامی کے لیئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا اس لیے وہ تمام اہل فوج کے خلاف

---

۵۱ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶ ۵۲ کنز العمال میں امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۳۱۲ جلد دوم ۵۳ منتقی الاخبار لابن تیمیہ

نہیں کر سکتے تھے، تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا، جس قدر ممالک اُنکے زمانے میں فتح ہوئے
اُس کی وسعت کئی ہزار میل تھی، جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے۔ لیکن غلامی کا جہاں جہاں
پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے، اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے
جو معرکہ جنگ میں شریک تھے، عراق اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں باوجود
فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا، یہاں تک کہ جب مصر کے بعض دیہات کے آدمی
جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیئے گئے تو حضرت عمرؓ نے سب کو جا بجا سے جمع
کر کے مصر کو واپس بھیجا کہ اُن کو غلام بنانا جائز نہ تھا، چنانچہ مورخ **مقریزی** نے اُن دیہات
کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے[1]۔

شام کے شہروں میں بصرہ، فحل، طبریہ، دمشق، حمص، حماۃ، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں
عیسائی بڑے زور شور سے لڑے غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ
ایک جگہ ہے، جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے، فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ، وغیرہ میں
خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دیئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا،

صامغان، جندی سابور، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لا یسبوا یعنی وہ
لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناذر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن
حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو اور خراج و جزیہ مقرر کر دو[2]۔ ابو موسیٰ اشعری کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی
کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے[3]۔

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے
اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی۔ یہ
قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، اِن سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی بھی برابر خرید و فروخت
ہوتی تھی، چنانچہ مورخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کے اولیات لکھے ہیں، اس تاعدے کو بھی
لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ

[1] مقریزی صفحہ ۱۹۶ جلد اول [2] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۷ [3] کنز العمال صفحہ ۳۱۲ جلد دوم ۱۲

لکھدے کہ مین اتنی مدت مین اسقدر روپے ادا کردونگا، جب وہ رقم معینہ ادا کردیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے، یہ قاعدہ خود قرآن مجید مین موجود ہے فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرًا لیکن فقہا اس حکم کو وجوبی نہین قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے معاہدے کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمر نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا صحیح بخاری کتاب المکاتب مین ہے کہ حضرت انس کے غلام سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی، انس نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمر کے پاس حاضر ہوا حضرت عمر نے انس کو درے لگائے اور مذکورہ بالا آیت سند مین پیش کی۔ آخر انس کو مجبورًا ماننا پڑا۔

اس موقع پر حضرت شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہوگیا ہے اسکا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ مین آئین حضرت عمر نے عام لونڈیون کی طرح بازار مین اُن کے بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علی نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہین، اِن لڑکیون کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیان کسی کے اہتمام اور سپردگی مین دیجائین اور اُن سے اُنکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لیجائے۔ چنانچہ حضرت علی نے خود اُنکو اپنے اہتمام مین لیا، اور ایک امام حسین کو ایک محمد بن ابو بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کی۔ اِس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہین، ربیع الابرار مین اسکو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال مین یہ روایت اُس کے حوالہ سے نقل کردی لیکن یہ محض غلط ہے، اولًا تو زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، اور بلاذری، ابن قتیبہ، وغیرہ کسی نے اِس واقعہ کو نہین لکھا، اور زمخشری کا فن تاریخ مین جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے، اِس کے علاوہ تاریخی قرائن اِس کے بالکل خلاف ہین، حضرت عمر کے عہد مین یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانون کو مطلق قابو نہین حاصل ہوا، مدائن کے معرکہ مین یزدگرد مع تمام اہل وعیال کے دارالسلطنۃ سے نکلا اور حلوان پہونچا، جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا۔ اور پھر کرمان وغیرہ مین ٹکراتا پھرا، امرو مین پہونچکر ۳۰ھ مین جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا، اُس کی آل اولاد، اگر گرفتار ہوئے ہون گے تو اسیوقت گرفتار ہوئے ہون گے مجکو شبہہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہین کہ یزدگرد کا قتل کس عہد مین واقع ہوا۔

اِسکے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر

ابرس کی تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فارس ۳۱ھ میں فتح ہوا۔ اس لیے یہ امر بھی کسیقدر مستبعد ہو کہ حضرت علی نے انکی نابالغی میں اُن پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علی نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا حضرت عمر کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے اُن میں وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب انسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام مہذب ملکوں میں جاری ہے عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی، تو اول بلبیس پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارمانوسہ تھا یہیں مقیم تھی وہ بھی گرفتار ہوئی، عمرو بن العاص نے اُس کو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیجدیا، اور مزید احتیاط کے لیے اپنے ایک سردار کو جس کا نام قیس بن ابی العاص سہمی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہونچا آئے۔

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمر نے غلامی کے روکنے کے لیے کیے، لیکن جو لوگ غلام بنا لیے گئے تھے۔ اُن کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجہ تک پہونچ گئی۔ فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا، کہ حضرت عمر نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو اُن کے غلاموں کی بھی اُنہی کے برابر تنخواہ مقرر کی۔ ملکی تمام کارروائیوں میں بھی اُنھوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا، اضلاع کے جو عمال تھے اُن کی نسبت وہ اور اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ اُسکا برتاؤ کیسا ہے، چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا تو صرف اسی جرم پر اُسکو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ اکثر غلاموں کو بلاکر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ خدا اُن لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے انکار ہے۔ سرداران فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی کو امان دے تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائیگی، اور فوج کو اُسکا پابند ہونا ہوگا، چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے ان عبد المسلمین من المسلمین وذمة من ذمتهم یجوز ما

۵۱ مقریزی جلد اول صفحہ ۱۸۰۔ ۵۲ طبری صفحہ ۲۷۷۰۔ ۵۳ کتاب الخراج صفحہ ۱۲۶۔

امانہ غلامون کے لیے جو بڑی تکلیف کی بات تھی، یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے بیٹا باپ سے چھوٹ جاتا تھا، بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی، آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مضامین لکھتے ہین وہ اسی واقعہ کو دردانگیز صورت مین دکھاتے ہین حضرت عمر نے یہ قاعدہ مقرر کیا۔ کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدانہ ہونے پائے یعنی یہ نہین ہوسکتا تھا، کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی مین رہے، باپ بیٹے، بھائی بہن، مان بیٹیان، بکتی تھین تو ساتھ بکتی تھین اور جن کی غلامی مین رہتی تھین، ساتھ رہتی تھین۔ اس باب مین انکے جو احکام ہین۔ ان کو کنز العمال مین مستدرک حاکم، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہین +

غلامون کا اپنے عزیز و اقارب سے جدانہ کیا جانا

لا یفرق بین اخوین اذا بیعا	یعنی جب دو بھائی بیچے جائین تو ایک دوسرے سے جدا نہ کیے جائین
لا تفرقوا بین الام وولدھا	یعنی بچہ ماں سے الگ نہ کیا جائے۔
لا یفرق بین السبایا واولادھن	یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہوکر آئین تو بچے ماں سے علیحدہ نہ کیے جائین

حضرت عمر نے اس باب مین تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیۃ پر استدلال کیا ولا تقطعوا ارحامکم اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہوسکتا ہے، چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے[۱]۔

حضرت عمر نے جب مسمط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا، اور ان کے بیٹے شرجیل کے کوفہ مین کسی کام پر مامور کیا تو انھون نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزون سے جدا نہین ہونے دیتے تو مجھکو کیون بیٹے سے دور پھینکدیا ہے[۲]۔

حضرت عمر نے غلامون کا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو نمونے دکھلائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلامون کے گروہ مین بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے۔ جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا عکرمہ جو ائمہ حدیث مین شمار کیے جاتے ہین۔ اور جن کو حضرت عبد اللہ بن عباس نے فتوی کی اجازت دی تھی، نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جنکی روایت کے سلسلہ کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہین، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے، علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال مین لکھا ہے کہ مدینہ منورہ

غلامون مین اہل کمال

[۱] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸۔

مین لوگ کنیزون اور کنیز زادون کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکر کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل مین تمام مدینہ والون سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلامون کی قدر بڑھ گئی، لیکن ہمارے نزدیک اِس قبول و عزت کا اصلی سبب حضرت عمر کا طریق عمل تھا بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین) کا نام اس سلسلہ مین لینا مین بے ادبی خیال کرتا ہون) کے فضل وکمال نے اِس مسئلہ پر اثر کیا۔ لیکن اگر حضرت عمر نے امہات اولاد کا درجہ نہ قائم کیا ہوتا تو اِن بزرگون کو فضل وکمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا۔

اِن سب باتون کے ساتھ اِس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمر نے یہ کوئی نیا مسئلہ نہین ایجاد کیا تھا اور نہ خدانخواستہ اُنکو یہ حق تھا، غلامی کا گھٹانا اور غلامون کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود بانی اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمر نے جو کچھ کیا، وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی، امام بخاری نے کتاب المفرد مین غلامون کے متعلق، آنحضرت کے جو افعال اور اقوال لکھے ہین اُن سے اِس دعوی کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست وتدبیر عدل و انصاف

خلافت فاروقی بسیط عالم مین کہان سے کہان تک پھیلی ہے، اور کس قدر مختلف ملک اور مختلف مذاہب، مختلف قومین، اُس کے دائرہ مین داخل ہین، لیکن اِس سرے سے اُس سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکوت و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا مین اور بھی ایسے صاحب جاہ و جلال گذرے ہین، جن کی حکومت مین کوئی شخص سر نہین اُٹھا سکتا تھا۔ لیکن اُن کو یہ بات اُس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعتہً انصاف کا قانون بالکل اُلٹ دیا جائے، ایک شخص کے جرم مین تمام خاندان پکڑا جائے واقعات کے ثبوت مین یقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے وحشیانہ سزائین دی جائین آبادیان جلا کر برباد کر دی جائین، یہ اُصول قدیم زمانہ تک محدود نہ تھے۔ اب بھی یورپ کو باوجود اِس قدر تمدن و تہذیب کے اِنہی قاعدون سے کام لینا پڑتا ہے۔

عام سلاطین اور حضرت عمر کے طریق سیاست مین فرق

لیکن خلافت فاروقی مین کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہین ہو سکتا تھا۔ عربیوس والون

نے بار بار عہد شکنی کی تو اُن کو جلا وطن کیا لیکن اس طرح کہ اُنکی جائداد، مال، اسباب کی مفصل فہرست تیار کرا کر ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت ادا کر دی **نجران** کے عیسائیون نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریان کین اور ۴۰ ہزار آدمی بہم پہنچا لیے تو اُن کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک مین آباد کرایا مگر اس رعایت کے ساتھ اُنکی جائداد وغیرہ کی قیمت دے دی اور عاملون کو لکھ بھیجا کہ راہ مین جہان جہان اُن کا گذر ہو اُنکے آرام کے سامان بہم پہونچائے جائین اور جب یہ کہین مستقل قیام کرین تو چوبیس مہینے تک اِن سے جزیہ نہ لیا جائے۔

حضرت کے مشکلات

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمر کو رعایا ایسی ہاتھ آئی تھی جسمین زیادہ تر اطاعت اور انقیاد کا مادہ تھا اور اس لیے اُن کو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہین آئی لیکن یہ خیال صحیح نہین حضرت عمر کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونون طرح کی مشکلات کا سامنا تھا، غیر قومین جو حلقۂ اطاعت مین آئی تھین پارسی یا عیسائی تھین جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھین اور اور اس لیے اُنکو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا، اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب مین بہت سے صاحب ادعا موجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک **مؤلفۃ القلوب** کا گروہ تھا جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو اُمیہ کا حق ہے اور عمر کسی مین نہین، عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے، ایک دفعہ حضرت عمر نے اُنکو خراج کے معاملے مین تنگ پکڑا، تو اُنھون نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہے! جاہلیت مین میرا باپ جب کمخواب کی قبا زیب بدن کرتا تھا تو **خطاب** (حضرت عمر کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے آج اُسی خطاب کا بیٹا مجھپر حکومت جتا رہا ہے"، بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُنکے ہوتے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہین، حضرت ابوبکر کے زمانے مین تو علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین "زبیر و جمعے از بنو ہاشم در خانہ حضرت فاطمہ جمع شدہ در باب نقض خلافت مشورہ ہا بکار می بردند"۔

حضرت عمر کی سطوت نے بنو ہاشم کے ادعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی، اس کے علاوہ عرب کا فطرتی مذاق آزادی اور خود سری تھا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت

ملہ اِن معاملات کو ہم ذمیون کے حقوق کے بیان مین اُوپر لکھ آئے ہین اور وہان کتابون کا حوالہ بھی دیا ہے ۵۲ ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۲۹۔

کے نیچے نہین آئے حضرت عمر اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خودسری کو مٹا کر حکومت کا رعب و داب قائم رکھتے تو چندان تعجب نہ تھا لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ اور چمکاتے تھے بارہا مجامع عام مین لوگ اُن پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیان کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے۔ شام کے سفر مین جب انھون نے مجمع عام مین حضرت خالد کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی، تو ایک شخص نے وہین اٹھ کر کہا ا؎

واللّٰہ ما عدلت یا عمر لقد نزعت عاملا استعملہ رسول اللّٰہ وغمدت سیفا سلّہ رسول اللّٰہ ولقد قطعت الرحم وحسدت ابن العم	یعنی اے عمر خدا کی قسم تونے انصاف نہین کیا تونے رسول اللہ کے عامل کو موقوف کردیا تونے رسول اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام مین ڈالدیا تُونے قطع رحم کیا، تونے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔

حضرت عمر نے یہ سب سُن کر صرف یہ کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت مین غصہ آگیا"۔

اِن حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالد کو عین اُسوقت جب تمام عراق و شام مین لوگ انکا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کردیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد کسی قسم کا خیال دل مین نہ لاسکے، امیر معاویہؓ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہین۔ لیکن حضرت عمر کے نام سے انکو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا، حضرت عمر نے عمرو ابن العاص کے سامنے انکو اُسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے پٹوائے اور باپ بیٹے دونون عبرت کا تماشا دیکھا کیے۔ سعد وقاص فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جوابدہی مین طلب کیا تو انکو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

اِن واقعات سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت عمر کو سیاست و تدبیر کے فن مین جو کمال حاصل تھا کسی مدبّر اور فرمان روا کے حالات مین اسکی نظیر نہین ملسکتی۔

انکی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئین حکومت مین شاہ و گدا، شریف رذیل، عزیز و بیگانہ سب کا ایک رتبہ تھا"۔

جبلہ بن الایہم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہوگیا تھا کعبے کے طواف مین اسکی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤن کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اُسکے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، اُس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصہ سے بیتاب ہوگیا اور حضرت عمر کے پاس آیا، حضرت عمر نے اُسکی شکایت

ا؎ اسد الغابۃ تذکرہ احمد بن حفص المخزومی۔

سن کر کہا کہ "تم نے جو کچھ کیا اسکی سزا پائی" اسکو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے" حضرت عمر نے فرمایا۔ "جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا" اس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جسمیں شریف و رذیل کی کچھ تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن حضرت عمر نے اسکی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ تمام عہدہ داران ملکی کو حج کے زمانے میں طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصر و پیسے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے ایک شخص نے اٹھکر کہا کہ فلاں عامل نے بیوجہ مجکو سو درے مارے ہیں حضرت عمر نے فرمایا "اٹھ اور اپنا بدلا لے" عمرو بن العاص نے کہا امیر المومنین! اس طریق عمل سے تمام عمال بیدل ہو جائینگے"۔ حضرت عمر نے فرمایا "تاہم ایسا ضرور ہوگا" یہ کہکر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ "اپنا کام کر" آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے[1]

ایک دفعہ سرداران قریش انکی ملاقات کو آئے اتفاق سے صہیب بلال عمار وغیرہ بھی موجود تھے جن میں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجے کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سردارن قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابو سفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے انکو یہ امر سخت ناگوار گزرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ "کیا خدا کی قدرت ہے غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں" ابو سفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا "بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہم کو عمر رض کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیے اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے آج بھی وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔ قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافست کا موقعہ پیش آیا سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقعہ پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے بڑے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ سہیل بن عمرو ۱۲

دعوے کے ساتھ منتظر ہے کہ تنخواہ کے تقرر مین حفظ مراتب کا خیال کیا جائیگا، اور فہرست مین اُن کے نام سب سے پہلے نظر آئین گے۔ لیکن حضرت عمر نے اُنکے تمام خیالات غلط کر دیے، اُنھون نے دولت وجاہ، زور و قوت، و ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتون کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہین بیش و کم مقرر کین جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہادین کارہائے نمایاں کیے تھے، یا آنحضرت کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے اُن کو غیرون پر ترجیح دی، جو اِن خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے اُنکی تنخواہین برابر مقرر کین یہان تک کہ غلام اور آقا مین کچھ فرق نہ رکھا، حالانکہ عرب مین غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی، تو اُنھون نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہین رہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ہان لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیون مین فخر یہ اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارتے تھے۔ اس فخر کے مٹانے کے لیے تمام فوجی افسرون کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کرین اُنکو سخت سزا دیجائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبہ کے قبیلہ سے تھا لڑائی مین یا آل ضبہ کا نعرہ مارا حضرت عمر کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لیے اُسکی تنخواہ بند کر دی۔ اِس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں مین ملتے ہین۔

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہین کرتے تھے عمرو بن عاص نے مصر کی جامع مسجد مین منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان پیچھے بیٹھے ہون اور تم اوپر بیٹھو، عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود اختیار نکرین۔ ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی، زید بن ثابت کے ہان مقدمہ پیش ہوا حضرت عمر اُن کے پاس گئے تو اُنھون نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی حضرت عمر نے کہا "یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اِس مقدمہ مین کی، یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھا تھا۔ سفر و حضر مین، جلوت و خلوت مین، مکان اور بازار مین، کوئی اُن کو کسی علامت سے پہچان نہین سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہین۔ قیصر و کسرے کے ایلچی مسجد نبوی مین آکر ڈھونڈتے

سلہ فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶ سلہ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۶۷۔

تھے کہ شہنشاہ اسلام کہاں ہیں؛ حالانکہ شہنشاہ دو ہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشہ میں بیٹھا ہوتا تھا
انکے عمال انکو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی اوعائی شان کو صدمہ پہونچتا تھا دل
میں مکدر ہوتے تھے؛ لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا اس لیے عام ملک پر اسکا نہایت عمدہ اثر
ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز
بروز معترف ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلان عام کے مقابلے میں اپنی خودرائی
کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔ اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب
جو انہی بیہودہ مفاخر کی بناپر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جسکی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان
کارزار بن گیا تھا انکی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمر نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لیے امیر المومنین
کا پر فخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اس زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ
اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے
تھے کفار عرب آنحضرت کو امیر مکہ کہا کرتے تھے۔ سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا
شروع کر دیا تھا۔[۵۱] حضرت عمر کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایکدفعہ لبید بن ربیعہ
اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی
اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ انکی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین
کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمر نے
اس خطاب کی وجہ پوچھی انھوں نے کیفیت واقعہ بیان کی۔ حضرت عمر نے بھی اس لقب کو پسند کیا
اور اسی تاریخ سے اسکو شہرت عام ہو گئی۔[۵۲] اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر
کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انھوں نے خلافت اختیار ہی کیوں کی؟ بے غرضی کا
یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوان نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے حضرت عمر
بے شبہہ خلافت سے ہاتھ اٹھا لیتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اسکو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر قطعی

امیر المومنین کا لقب کیونکر اختیار کیا

---

[۵۱] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب بامیر المومنین۔ [۵۲] امام بخاری کی کتاب ادب المفرد مطبوعہ آرہ صفحہ ۱۸۴۔

خوب جانتے تھے کہ یہ بار گران اُنکے سوا کسی سے اُٹھ نہین سکتا! کیا ایسے وقت مین اُنکی مستبازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ لوگون کی بدگمانی کے خیال سے' خلافت سے دست بردار ہوجاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ اُنھون نے ہی دن خطبہ مین کہدیا تھا۔

لو اُرجا انی ان اکون خیر کم لکم وا قوا کم علیکم واشد کم اضلاعاً بما ینوب من مھام امرکم ما تولیت ذلک منکم	یعنی اگر مجھکو یہ امید نہوتی کہ مین تم لوگون کے لیے سب سے زیادہ کار آمد سب سے زیادہ قوی اور مہمات امور کیلیے سب سے زیادہ قوی بازو ہون تو مین اس منصب کو قبول کرتا۔

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہین جو امام محمد نے موطا مین روایت کیے ہین۔

لو علمت ان احداً اقوی علی ھذا الامر منی لکان ان اقدم فیضرب عنقی اھون علی	یعنی اگر مین جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کیلیے مجھسے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنیکی نسبت میرے نزدیک یہ بات زیادہ آسان تھا کہ میری گردن ماردیجائے

حضرت عمر کے اِن الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اسکا ایک حرف بھی صحت اور واقعیت سے ہٹا ہوا ہے

حضرت عمر سیاست کے اصُول سے خوب واقف تھے' اور یہ وہ خصوصیت ہے جسمین وہ تمام اور صحابہ سے علانیہ ممتاز ہین' جو ممالک' دائرہ خلافت مین داخل تھے اُنکی اصلی تین قسمین تھین۔ عرب' ایران' شام' و مصر' اس لیے ہر ایک کی حالت کے مناسب' الگ الگ تدبیرین اختیار کین' عراق و ایران مین چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی اُنکا زور اور اقتدار قائم تھا اس لیے اُنکی پولٹیکل تنخواہین مقرر کردین جس سے وہ بالکل رام ہوگئے۔ چنانچہ رؤسا عراق مین سے ابن النخیرجان بسطام بن نرسی' رفیل' خالد' جمیل کے معقول روزینے مقرر کردیے۔ شام و مصر مین ذمیون نے اصلی باشندونکو صاحب جائداد نہین چھوڑا تھا اسلیے اُنکی طرف سے چندان اندیشہ نہ تھا' وہ رومی حکومت کے بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمر نے انکے ساتھ وہ مراعاتین کین کہ اُنھون نے بار ہا کہا کہ "ہم کو مسلمان رومیونکی بہ نسبت زیادہ محبوب ہین"' غیر قومون کے ساتھ' اگرچہ اُنکا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا چنانچہ اسکی بحث ذمیون کے حق مین گزر چکی۔ لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی' مصر مین مقوقس مصر کا باشندہ اور دومیون کی طرف سے نائب حکومت تھا' اُسکے ساتھ شروع ایسے برتاؤ کیے کہ وہ ناخریدہ غلام

سیاست

۱؎ انساب الاشراف بلاذری ۵۲ کتاب مذکور مطبوعہ مصطفائی ۱۲ ہجری

بن گیا اور اسکی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہو گئی۔ ان قانون پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرا دیے یا فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں جنکی وجہ سینکڑوں میل تک اثر پہنچتا تھا اور کسی کو بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا، خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا، شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی غرض سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں اُن کو مختلف پولٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو ملکی افسروں میں سے جسکی زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا اُسکو علحدہ کر دیتے تھے، جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے اُن کو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایکدفعہ اُن لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ آپ لوگ بہ دولت بہت جمع کر چکے ہیں پھر فرمایا لاتخرجوا فتسللوا یمینا وشمالا ایکدفعہ عبد الرحمن بن عوف نے پوچھا کہ آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں" فرمایا" اِس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے" اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیے صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیے اور اسمیں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی اسوقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے امیر معاویہ عمرو بن العاص مغیرہ بن شعبہ چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کے لیے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا اسلیے سب کو بڑے بڑے عہدے دیے لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اُسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ اُنکی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو اُن کو دبا سکتا چنانچہ حضرت عثمان و حضرت علی کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوا کیے۔ سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالٹیکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمر کو اسباب میں تمام دنیا میں جو امتیاز حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالٹیکس کی ضرورت سے جو جو کام کیے اونکا واقعی تمام خدع، مکر، فریب، ظاہر داری، اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں، بڑے بڑے رفارمرس

شائبہ سے خالی نہین ہوتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقاب نہین ہوتا تھا وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے اور لوگون کو صاف صاف اُسکی مصلحت سے واقف کردیتے تھے۔ خالد کو معزول کیا تو تمام اضلاع مین فرمان بھیجا کہ۔

انی لم اعزل خالدًا عن سخطة ولا خیانة ولکن الناس فتنوا بہ فخفت ان یوکلوا الیہ

یعنی مینے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم مین نہین موقوف کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ اُنکی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے اسلئے مین ڈرا کہ اُنپر بھروسہ نہ کرلین

مثنیٰ کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کیے اور فرمایا لم اعزلھما عن ریبة ولکن الناس عظموھما فخشیت ان یوکلوا الیھما۔ بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتین نہین دین حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اُسکی وجہ بیان کردی چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اسکی تفصیل آئیگی حضرت عمرؓ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور اُنکی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ اُنھون نے حکومت و انتظام کی کل مین نہایت موزون پرزے استعمال کیے تھے۔

یہ عمومًا مسلم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت اُنمین سب سے بڑھ کر تھی۔ اِس ذریعہ سے اُنھون نے تمام عرب مین قابل آدمیون اور اُنکی مختلف قابلیتون سے واقفیت حاصل کی تھی۔ اور اُنہی قابلیتون کے لحاظ سے اُنکو مناسب عہدے دیے تھے۔ سیاست و انتظام کے فن مین تمام عرب مین چار شخص اپنا نظیر نہین رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ، چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتین سپرد کین اور درحقیقت اِن لوگون کے سوا شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہین رکھ سکتا تھا۔ جنگی خدمات کے لیے عیاض بن غنم، سعد وقاص، خالد، نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمرو معدیکرب، اور طلیحہ بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہین سکتے تھے اِس لیے اِن دونون کی نسبت حکم دیدیا کہ اُن کو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دیجائے۔ زید بن ثابت و عبداللہ بن ارقم انشا و تحریر مین مستثنے تھے اُنکو میرمنشی مقرر کیا۔ قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ، عبداللہ بن مسعود، فصل قضایا مین ممتاز تھے اُنکو قضا کی خدمت دی۔ غرض جسکو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اُسی لیے پیدا ہوا تھا۔ اِس امر کا اعتراف غیر قومون کے مورخون نے بھی لکھا ہے ایک عیسائی مشہور مورخ لکھتا ہے کہ عمرؓ نے فوج کے سردارون اور گورنرونکا انتخاب بلارو و رعایت کیا اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزون ہوا۔"

سب سے بڑی چیز جس نے انکی حکومت کو مقبول عام بنادیا اور جسکی وجہ سے اہل عرب انکے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ انکا عدل وانصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جس میں دوست و دشمن کی تمیز نہ تھی ممکن تھا کہ لوگ، اسبات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل، و اولاد، اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی انکا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ اُن کے بیٹے **ابو شحمہ**[1] نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے انکو ۸۰ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔ قدامہ بن مظعون جو انکے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ انکو ۸۰ دُرّے لگوائے۔

بے لاگ عدل وانصاف

حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں؛ اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں انکو اختیار کرتے تھے خراج۔ عشور۔ دفتر۔ رسد۔ کاغذات حساب۔ ان تمام انتظامات میں انھوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اُسکی اصلاح کر دی عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیجو چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے انکے پاس آئے اور انھوں نے اُن سے دریافت کیا سلاطین عجم کے ہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا[2] جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اسکی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیروان نے اپنی حکومت میں قائم کیے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیروان کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے۔

قدیم سلطنتوں کے حالات اور انتظامات سے واقفیت

وھی الوضایع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب حین افتتح بلاد الفرس[3]۔	یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتدا کی

اس سے زیادہ صاف اور مصرح، علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے، علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی، اور شیخ بو علی سینا کا معاصر و ہم پایہ تھا تاریخ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب الامم[4] ہے اُس میں جہاں حضرت عمر کے انتظامات ملکی کا ذکر ہے لکھا ہے کہ۔

[1] ابو شحمہ کے قصہ میں راویوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں لیکن اسقدر صحیح ہے کہ حضرت عمر نے انکو شرعی سزا دی اور اسی صدمہ سے انھوں نے انتقال کیا (دیکھو معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر) [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ [3] تاریخ کبیر طبری صفحہ ۹۶۰ [4] یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ مسجد ایا صوفیہ میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہے ۱۲

وکان عمر یکثر الخلوۃ بقوم من الفرس یقرؤن علیہ سیاسات الملوک ولا سیما ملوک العجم الفضلاء وسیما انوشروان فانہ کان معجبا بہا کثیر الاقتداء بہا	یعنی عمر فاروق کچھ چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے یہ لوگ اُن کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھکر سنایا کرتے تھے خصوصاً شاہان عجم اور اُنہیں بھی خاص کر نوشیرواں کے اسلیے کہ اُنکو نوشیرواں کے آئین بہت پسند تھے اور اُسکی بہت پیروی کرتے تھے

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخون نے لکھا ہو کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر نے اُس کو اپنے خاص درباریون مین داخل کیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اُس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

واقفیت حالات کے لیے پرچہ نویس اور واقعہ نگار۔

حضرت عمر کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اُن سے مخفی نہ رہنے پائے اُنھون نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہین۔

وکان عمر لا یخفی علیہ شئی فی عملہ کتب الیہ من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجایزۃ من اجیز فیہا[۱]	یعنی عمر پر کوئی بات مخفی نہین رہتی عراق مین جن لوگون نے خروج کیا اور شام مین جن لوگون کو انعام دیے گئے سب کی تحریری اطلاعین اُنکو پہنچین

عراق کے ایک معرکہ مین سردار لشکر نے عمرو معدیکرب کو وہ حصہ نہین دیا، عمرو معدیکرب نے وجہ پوچھی اُنھون نے کہا تمھارا گھوڑا غلا ہے اس لیے اُسکا حصہ کم ہو گیا، معدیکرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا بولے کہ ہان دوغلا ہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے، حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی، عمرو معدیکرب کو سخت تنبیہ کی جسکی وجہ سے اُن کو آیندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہین ہوئی نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے دولت و نعمت کے مزے مین پڑکر اُنھون نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جسمین یہ شعر بھی تھا

لعل امیر المومنین یسوءہ تنادمنا بالجوسق المتھدم	غالباً امیر المومنین کو خبر پہنچیگی تو وہ بُرا مانین گے کہ ہم لوگ محلون مین رندانہ صحبتین رکھتے ہین۔

حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی اور اُن کو معزول کر کے لکھا کہ ہان مجکو تمھاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔[۲]

صحابہ مین حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتون کا پتہ لگتا تھا، عہد نبوت مین وہ آنحضرت کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر کہلاتے تھے، حضرت عمر نے ایک دن اُن سے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ ہے اُن مین سے کوئی شخص میرے عاملون اور عہدہ دارون مین بھی ہے،،

[۱] طبری صفحہ ۲۶۱۵ [۲] اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی ۱۲۔

اُنھون نے کہا «ہان ایک شخص ہے» حضرت عمرؓ نے نام پوچھا لیکن اُنھون نے رازداری کے لحاظ سے نہین بتایا۔ حذیفہؓ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے اُس کو معزول کر دیا، جس سے مین نے قیاس کیا کہ اُنھون نے خود پتہ لگا لیا[1]۔ اسی تفحص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال اُنکے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہین کر سکتے تھے۔ علامہ طبری لکھتے ہین۔

وکانوا لا یدعون شیئاً ولا یاتونه الا وامروه فیه[2] یعنی لوگ کوئی کام اُن سے بغیر دریافت کیے نہین کرتے تھے۔

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور کسی قسم کی رقم کو اُس کے احاطہ سے باہر نہین سمجھتے تھے۔ خانہ کعبہ مین مدت کا چڑھاوا جمع تھا اُسکی نسبت فرمایا کہ

لقد هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمته[3] یعنی مین نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس مین سونا چاندی ہو سب لوگون کو تقسیم کر دون۔

بیت المال کا خیال

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت حفصہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئین اور کہا کہ «امیر المومنین! اس مین سے میرا حق مجکو عنایت کیجیے کیونکہ مین ذوی القربیٰ مین سے ہون» حضرت عمرؓ نے کہا جان پدر! تیرا حق میرے خاص مال مین ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے، تونے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا» وہ بیچاری خفیف ہو کر اُٹھ گئین[4]۔

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہوگئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی ایک دفعہ اُم کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیان بھیجین اُس نے اُسکے جواب مین شیشیون کو جواہرات سے بھر کر بھیجا، حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمھارا تھا لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اُس کے مصارف عام آمدنی مین سے ادا کیے گئے۔ غرض وہ جواہرات لیکر بیت المال مین داخل کر دیے اور اُن کو کچھ معاوضہ دیدیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے لوگون نے علاج مین شہد تجویز کیا۔ بیت المال مین شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہین لے سکتے تھے مسجد نبوی مین جا کر لوگون سے کہا کہ اگر آپ اجازت دین تو بیت المال سے تھوڑا شہد لے لون[5]۔ اس کارروائی سے مطلب اجازت کے سوا، یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامرہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہین خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے، خلافت

---

[1] اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان [2] طبری صفحہ ۲۷۴۸ [3] صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبۃ [4] مسند امام احمد حنبل [5] کنز العمال جلد صفحہ ۳۵۲

کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا صحابہ کو جمع کرکے اپنی ضروریات بیان کی اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لیے لے سکتا ہوں؟ لوگوں نے مختلف رائیں دیں حضرت علی چپ تھے حضرت عمر نے اُن کی طرف دیکھا، انھوں نے کہا صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس" چنانچہ اُن کے اور اُن کی بی بی بچوں کے لیے بیت المال سے کھانا کپڑا مقرر ہوگیا[۵] فوجی روزینہ داروں میں جب بدرئین (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لیے تنخواہیں مقرر ہوئیں تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سالانہ اُن کے بھی مقرر ہوگئے، کروڑوں روپے کی آمدنی سے فاروق اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اُس کی یہ تعداد تھی۔

اُن کی معاشرت کے حالات آگے چل کر تم پڑھوگے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے تھے زمین پر سو رہتے تھے مہینوں گیہوں کا آٹا گھر میں نہیں پکتا تھا اُس کی وجہ یہ رہا ہو تو رجوگی بن نہ تھا بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ انکو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بیدریغ خرچ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ام کلثوم سے جب نکاح ہوا تو اُن کے شرف و خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اُسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیے اُس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اُن کو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اسلیے باوجود دولتمندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لے لیں گے حالانکہ حضرت عمر کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اسکی بحث مفصل آگے آئیگی انھوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا حمص کا عامل جب مرگیا تو حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہا، لیکن چونکہ اِن کی طرف سے مطمئن نہ تھے، اس لیے بلاکر اُن سے کہا کہ فی نفسی منک شئی یعنی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے، انھوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

یعنی مجکو ڈر ہے تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو	انی خشیت علیک ان تاتی علی الفی الذی ھلی ت[۵۲]

یہ صرف سوء ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا، حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں جب حضرت عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انھوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی۔ اور جب حضرت علی نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عمر نے بیت المال کے بارے میں جو کفایت شعاری اور تنگ وزی

[۵۱] تاریخ طبری واقعات ۱۵ھ ۵ کتاب الخراج ۱۱۰، ابویوسف صفحہ ۶۴ و ۶۵۔

برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان کی خلافت میں لوگوں نے انکی نسبت جو شورشین کین اُسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ تبرّع کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوی القربی کی بنا پر بڑی بڑی رقمین عطا کین۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ اُن کو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے دار الخلافہ سے سیکڑون ہزارون میل تک فوجین پھیلی ہوئی تھین جن کی ایک ایک حرکت اُنکے اشارون پر موقوف تھی انتظامات ملکی کی مختلف شاخون کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو فقہ کی ترتیب اور افتا جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا الگ تھا اپنے ذاتی اشغال جدا تھے تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کبھی ہرج نہین ہونے پاتا تھا نہاوند کا سخت معرکہ جس میں تمام ایران امنڈ آیا تھا پیش تھا کہ عین اُسی زمانہ میں سعد وقاص گورنر کوفہ کی شکایت گزری حضرت عمر نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت بڑا وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہین رک سکتی چنانچہ کوفہ سے فوجون کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کد و کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی جزیرہ والون نے قیصر سے ملکر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجین بھیجین کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔

زیاد بن حدیر عراق مین۔ دہکی کی تحصیل پر مامور تھے اُنھون نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دیکر محصول طلب کیا اُس نے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجیے اور ۱۹ ہزار مجکو حوالہ کیجیے دوبارہ وہ عیسائی اُنکی سرحد سے گزرا تو اس سے پھر محصول مانگا وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمر سے شکایت کی حضرت عمر نے صرف اسقدر کہا کہ تم مطمئن رہو عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل مین ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دیکر گھوڑے کو واپس لیے یہان حضرت عمر کا فرمان پہلے ہی پہونچ چکا تھا کہ سال بھر مین دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہین لیا جا سکتا"۔ ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا وہ عین اُسوقت حضرت عمر کے پاس پہنچا جب وہ حرم مین خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت مین اُس نے شکایت پیش کی فرمایا۔ نہین۔ دوبار محصول نہین لیا جا سکتا۔ عیسائی چند روز تک مکہ مین مقیم رہا۔ ایکدن حضرت عمر کے پاس جاکر کہا کہ مین وہی نصرانی ہون جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی حضرت عمر نے فرمایا ہان مین وہی حنیفی (مسلمان) ہون جس نے تمھارا کام انجام کر دیا۔ عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر پہلے ہی زیاد کو حکم بھیج چکے تھے[1]۔

[1] یہ دونون روایتین کتاب الخراج صفحہ ۷۸ و ۹۹ مین ہین۔

تاہم ہر کام وقت پر انجام

اِس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے عام حکم تھا اور اُسکی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج ضعیف از کار رفتہ مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دیجائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب آٹا پکایا جائے پک کر تیار ہوا تو تیس آدمیونکو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اُسی قدر آٹا پکوایا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا، دونوں وقت کے لیے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لیے اس قدر خوراک کرو جائے اعلان عام کے لیے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لیے اسقدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اسکو گھٹائیگا اُس سے خدا سمجھے گا ایک روایت یہ ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لیکر یہ الفاظ فرمائے

انی قد فرضت لکل نفس مسلمۃ فی شہر مدّای حنطۃ وقسطی خلّ	یعنی میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

اسپر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی، فرمایا ہاں غلام کے لیے بھی[۵۲] غربا اور مساکین کے لیے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے اُنکے روزینے مقرر کر دیے جائیں چنانچہ (جیسا کہ ہم اوپر ذمیوں کے حقوق لکھ آئے ہیں) بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ انما الصدقات للفقراء والمساکین فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔ اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں کر آئے ہیں مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

لاوارث بچے

اولاد لقطہ یعنی گمنام بچے جنکو اُنکی مائیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں اُن کے لیے ۱۸ھ میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اوس کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، چنانچہ ان مصارف کے لیے اول ۱۰۰ درم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی[۵۳] یتیموں کی پرورش اور اگر اُنکی جائداد ہوتی تھی تو اسکی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اُس کو ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا

سالانہ عام

غربا اور مساکین کے روزینے

مہمان خانے

یتیموں کی خبرگیری

۵۱ قریب ۲۵ سیر کا ہوتا ہے ۱۲ ۵۲ یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۴۶۶ میں ہے اور تمام تاریخوں میں ذرا ذرا سے اختلاف کیساتھ یہ روایت مذکور ہے ۵۳ بلاذری صفحہ ۴۵۲ و یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۰۔

کہ میرے پاس تیمیون کا جو مال جمع ہے وہ زکوۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے تم اسکو تجارت مین لگاؤ اور جو نفع واپس ہو، چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاک تک پہنچی۔

قحط کا انتظام

۱۸ھ مین جب عرب مین قحط پڑا تو عجیب و غریب سرگرمی ظاہر کی، اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا پھر تمام صوبہ کے افسرون کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے۔ عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کیے جن مین سے ایک ایک مین تین تین ہزار اردب غلہ تھا، حضرت عمرؓ ان جہازون کے ملاحظہ کے لیے خود بندرگاہ تک گئے جس کا نام جار تھا اور جو مدینہ منورہ سے تین منزل ہے، بندرگاہ مین دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدون کا مفصل نقشہ بنائین چنانچہ بقید نام و مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا، ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی جس کے مطابق اسکو روزانہ غلہ ملتا تھا، چک پر حضرت عمرؓ کی مہر ثبت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے اور قحط زدون کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا، لیکن انکی یہ فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت خواری کا رواج دینا ہوتا ہے ایشیا مین سلاطین و امرا کی فیاضیون کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے لیکن لوگ اس بات کا خیال نہین کرتے کہ اس سے جہان ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے، دوسری طرف قوم کا دریوزہ ہونا اور انعام و بخشش پر لو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے یہی ایشیائی فیاضیان تھین جس نے آج ہماری قوم مین لاکھون آدمی ایسے پیدا کر دیے ہین، جو خود ہاتھ پاؤن ہلانا نہین چاہتے اور نذر و نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہین۔

سخاوت عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی

لیکن حضرت عمرؓ اس سے بیخبر نہ تھے وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگون مین کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے جن لوگون کی تنخواہین اور خوراک مقرر کی تھین وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی، یا جنھون نے پہلے کوئی نمایان خدمت کی تھی، یا وہ جو ضعیف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہین کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے

؎ یہ تفصیل یعقوبی صفحہ ۱۷۷ مین ہے اخیر کے فقرے یہ ہین ثم امر زید بن ثابت ان یکتب الناس علی منازلہم وامران یکتب لہم صکاکا من القراطیس ثم یختم اسافلہا فکان اول من صک وختم اسفل الصکاک ؎ اردب کم و بیش دو من کا ہوتا ہے۔

علاوہ وہ کبھی اس قسم کی فیاضی کو روا نہین رکھتے تھے۔ محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین مین لکھا ہو کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر کے پاس آیا۔ حضرت عمر نے دیکھا تو اسکی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی چھین کر اونٹون کے آگے ڈال دی، اور فرمایا کہ اب جو مانگتا ہے مانگ۔ علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ مین لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگون کو جو کھانے کمانے کے لائق ہون اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہون تنبیہ وتادیب کرے۔" اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند مین حضرت عمر کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے وقد فعل عمر مثل ذلک بقوم من اھل الصدقۃ۔ ۵۱

معمول تھا کہ کسی شخص کو ظاہر مین خوش حال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے؟ اور جب لوگ کہتے کہ وہ نہین" تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔" اُن کا مقولہ تھا کہ مَکسَبَۃٌ فیھا دناءۃ خَیرٌ مِن مسألۃِ الناس" یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگون سے سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے" مفت خوری کا موقع زیادہ تر علماء وصوفیہ کو ملتا ہے، اُن کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہین ہوئے تھے۔ لیکن علماء کو اُنھون نے علانیہ مخاطب کر کے کہا تھا لاتکونوا عیالا علی المسلمین یعنی مسلمانون پر اپنا بار نہ ڈالو۔ ۵۲

حضرت عمر کی تاریخ زندگی مین ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ اُن کو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لیے اُن کو وقت اور فرصت کی تنگی نہین ہوتی تھی۔ ان مین ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا لیکن اُن کو کسی کام سے عار نہ تھا۔ روزینہ دارون کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے قدید اور عسفان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہین جہان قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے اِن دونون مقامون مین خود تشریف لے جاتے تھے روزینہ دارون کا دفتر ہاتھ مین ہوتا تھا ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب گھرون سے نکل آتے تھے اور حضرت عمر خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے ۵۳ اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ مین جاتے اور ایک ایک اُونٹ کے پاس کھڑے ہو کر اُن کے دانت گنتے اور اُن کا حلیہ قلمبند کرتے۔ محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انکا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھرون پر جاتے اور عورتون سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو مین لا دون۔ وہ لونڈیان ساتھ کر دیتین۔ حضرت عمر خود چیزین خریدتے اور اُن کے حوالے کرتے مقام جنگ سے قاصد آتا اور

۵۱ الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۳۵ ۵۲ سیرۃ العمرین لابن الجوزی ۱۲ ۵۳ فتوح البلدان صفحہ ۲۵۲۔

اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود اُنکے گھروں پر پہنچا آتے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائیگا تم جواب لکھوا رکھو کہ اُس وقت تک روانہ ہو جائے، کاغذ قلم، دوات، خود مہیا کر دیتے اور جسکے گھر میں کوئی حرف شناس نہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے" اُنکی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت اُن تک پہنچنے سے رہ نہ جائے، یہ معمول تھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے، اور جس کو جو کچھ اُن کو کہنا سننا ہوتا کہتا کوئی نہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اُٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے، بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے اُن سے ہر قسم کی پرسش و جو کرتے۔

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ اُن مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتیں، اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آجکل جمہوری سلطنتوں میں عام کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں، حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آئیں اور جس طرح انھوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں اُس کا حال عقد الفرید وغیرہ میں تفصیل ملتا ہے

ان تمام باتوں پر اُنکو تسلی نہ تھی۔ فرماتے کہ عمال رعایا کی پروا نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا" اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں لیکن موت نے فرصت نہ دی تاہم اخیر دفعہ شام کا جب سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں اور داد رسی کی۔ اس سفر میں ایک پُرعبرت واقعہ پیش آیا دار الخلافہ کو واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا سواری سے اُتر کر خیمہ کے قریب گئے ایک بڑھیا عورت نظر آئی اُس سے پوچھا کہ عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اُس نے کہا ہاں، شام سے روانہ ہو چکا، لیکن خدا اسکو غارت کرے آجتک مجھکو اُسکے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا" حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دُور کا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے" بولی کہ اُس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟ حضرت عمرؓ کے سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔

شام کا سفر اور رعایا کی خبرگیری

ہم اس موقع پر متعدد حکایتیں اور روایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبرگیری میں اُنکو کس قدر سرگرمی سے ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اُترا اُسکی خبر اور حفاظت کے لیے خود تشریف

۱؎ کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰۔

نے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ اُدھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیرخوار
بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اُدھر سے گذرے
تو بچے کو روتا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا کہ "تو بڑی بے رحم ماں ہے" اُس نے کہا کہ "تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں
خواہ مخواہ مجکو دق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے
اُنکا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اسی غرض سے اُس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اسوجہ سے روتا ہے"۔ حضرت
عمر کو رقت ہوئی اور کہا کہ "اے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا" اُسی دن منادی کرادی کہ بچے
جس دن پیدا ہوں اُسی تاریخ سے اُن کے روزینے مقرر کردیے جائیں۔

اسلم (حضرت عمر کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لیے نکلے۔ مدینہ سے
سہ میل پر صرار ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے
ہیں۔ پاس جاکر حقیقتِ حال دریافت کی۔ اُس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ انکے
بہلانے کے لیے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر اُسی وقت اُٹھے۔ اور مدینہ میں
آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھدو۔ اسلم نے کہا
میں لیے چلتا ہوں۔ فرمایا ہاں لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اُٹھاؤگے۔ غرض سب چیزیں خود
لاد کر لائے اور عورت کے آگے رکھدیں۔ اُسنے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی۔ حضرت عمر خود چولھا پھونکتے
جاتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اُچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمر دیکھتے اور خوش
ہوتے تھے۔ عورت نے کہا خدا تم کو جزائے خیر دے۔ سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ عمر۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک بدو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جاکر بیٹھے
اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعۃً خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر نے پوچھا کون روتا ہے
اُس نے کہا میری بی بی دردزہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر گھر پر آئے اور اُمّ کلثوم (حضرت کی زوجہ
تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر اُمّ کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ اُمّ کلثوم
نے حضرت عمر کو پکارا کہ امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجیے۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو
چونک پڑا اور مؤدب ہو بیٹھا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ "نہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا میں
بچے کی تنخواہ مقرر کردونگا۔"

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رات کو میرے مکان پر آئے مین نے کہا آپ نے کیون تکلیف کی، مجکو بلا لیا ہوتا، فرمایا ابھی مجکو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترا ہے لوگ تھکے ماندے ہونگے آؤ ہم تم چل کر پہرہ دین، چنانچہ دونون صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے

جس سال عرب مین قحط پڑا اُن کی عجیب حالت ہوئی جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی نہایت خضوع سے دعائین مانگتے تھے کہ "اے خدا! محمد کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا" اسلم اُن کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے مین حضرت عمر کو جو تردد رہتا تھا اُس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم مین تباہ ہو جائینگے[۱] قحط کا جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا اُس کو ہم اوپر لکھ آئے ہین۔ ایک دفعہ ایک بدو اُنکے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے

یا عُمَرَ الخیرُ خیرُ الجنۃ	اے عمر! لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے
اکسُ بنیاتی وامھنۃ	میری لڑکیون کو، اور اُنکی مان کو کپڑے پہنا
اقسم باللہ لتفعلنۃ	خدا کی قسم تجھکو یہ کرنا ہوگا

حضرت عمر نے فرمایا اور مین تمھارا کہنا نہ کرون تو کیا ہوگا؟ بدو نے کہا

تکون عن حالی لتسئلنۃ	تجھسے قیامت مین میری نسبت سوال ہوگا
والواقف المسئول بینھنہ	اور تو ہکا بکا رہ جائیگا
اما الی نار واما جنۃ	پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا

حضرت عمر اس قدر روئے کہ داڑھی تر ہوگئی پھر غلام سے کہا میرا یہ کرتا اسکو دیدے اسوقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہین[۲]۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک عورت اپنے بالاخانہ پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی۔

تطاول ھذا اللیل وازور جانبہ	رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے
ولیس الی جنبی خلیل الاعبہ	پہلو مین یار نہین جس سے خوش فعلی کرون۔

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا، اور وہ اس کے فراق مین یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر کو سخت قلق ہوا، اور کہا مین نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہ کے پاس آئے اور پوچھا

[۱] یہ تمام روایتین کنز الاعمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ وغیرہ مستند حوالون سے منقول ہین ۱۲ [۲] سیرۃ العمرین وازالۃ الخفاء ۱۲

کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ اُنھون نے کہا چار مہینے۔ صبح ہوئی تو ہر جگہ حکم بھیجدیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے نہ پائے۔

سعد بن یربوع ایک صحابی تھے جن کی آنکھین جاتی رہی تھین حضرت عمر نے اُن سے کہا کہ آپ جمعہ مین کیون نہین آتے اُنھون نے کہا "میرے پاس آدمی نہین کہ مجھکو راستہ بتائے"۔ حضرت عمر نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتا تھا[۱۵]

ایک دفعہ لوگون کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائین ہاتھ سے کھاتا ہے پاس جاکر کہا کہ "داہنے ہاتھ سے کھاؤ" اُس نے کہا کہ جنگ موتہ مین میرا داہان ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمر کو رقت ہوئی اُسکے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دُھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اُس کے لیے تمام ضروری چیزین خود مہیا کر دین۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب در حقیقت نبوت کا ایک شائبہ ہے اور امام کی فطرت اقریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین "و از میان امت جمعے ہستند کہ جوہر نفس ایشان قریب بجوہر انبیا مخلوق شدہ و این جماعہ در اصل فطرت خلفائے انبیا اند در اُمت الخ"[۱۶]

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہین کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اُس کی صفات کمال کا اعتراف، سزا و جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسن اخلاق، یہی چیزین تمام مذاہب کی اصل اُصول اور احکام ہین اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتین ہین۔ لیکن ان مسائل مین اشتباہ و ابہام اسقدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو اُنکی حقیقت بالکل بدلجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب مین مشترک تھے تاہم کم و بیش سب مین غلطیان واقع ہوئین۔ **اسلام** انہی غلطیون کے مٹانے کے لیے آیا اور اُس نے نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ اُن پر توجہ دلائی۔ لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہین ہوتین اس لیے ہر زمانہ مین اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہوجاتے تھے اور اسی لیے **ائمہ اور مجددین** کی ضروریات باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبرون اور مزارون کے ساتھ

[۱۵] اسد الغابہ ذکر سعید بن یربوع ۱۲ [۱۶] ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۹۔

عوام ایک طرف خواص کا جو طرزِ عمل ہے اُس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے گو استمداد عن القبور، اور حصولِ برکت کے خوشنما الفاظ نے اُن پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

حضرت عمر نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس طرح جرأت و دلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا، اُسکی نظیر صحابہ کے زمانہ میں بھی بہت کم ملتی ہے۔

مسئلہ قضا و قدر

الہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے، جس میں عموماً بڑے بڑے ائمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں بھی بعضوں کو اشتباہ ہوا۔ طاعونِ عمواس میں حضرت عمر نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے حضرت عمر نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضائے الٰہی سے ہوتا ہے نہایت طیش میں آکر کہا افراراً من قدر اللہ (یعنی کیا قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو)۔

حضرت عمر نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا[۹۱]۔

نعم نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ	یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔

اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمر نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھنا چاہا۔ حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا۔

انی اعلم انک حجر و انک لا تضر و لا تنفع	میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔

تعظیم شعائر اللہ

حضرت عمر کا یہ فعل مذاقِ عام سے جسقدر الگ تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بعض محدثین نے جہاں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اُسی وقت حضرت علی نے اُن کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت کی شہادت دیگا، لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹی ہے چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے۔ ایکدفعہ آنحضرت نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا لوگ اُس کی زیارت کو آتے تھے حضرت عمر نے دیکھکر اُس کو جڑ سے کٹوا دیا[۹۲]۔

[۹۱] یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے ۱۲ [۹۲] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹۱ علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں بیعت الرضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو بسند صحیح روایت کیا ہے ۱۲۔

ایک دفعہ سفر حج سے واپس آ رہے تھے راستہ مین ایک مسجد تھی جس مین ایکدفعہ آنحضرت نے نماز پڑھی تھی اس خیال سے لوگ اسکی طرف دوڑے حضرت عمر نے لوگون کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اہل کتاب ایسی باتون کی بدولت تباہ ہوئے کہ انھون نے اپنے پیغمبرون کی یادگارون کو عبادت گاہ بنالیا۔[1]

نبی کے اقوال و افعال کہان تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہین

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہین اور اسلام کے زمانے مین بھی یہ سلسلہ بند نہین ہوا اکثرون کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہی بعضون نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتونکو مستثنی کیا لیکن حقیقت یہ ہی کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہی وہ بے شبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہی باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہین تشریعی اور مذہبی نہین ہوتے اس مسئلے کو جسقدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کردیا کسی نے نہین کیا خراج کی تشخیص جزیہ کی تعیین امام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتاب مین نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل مین جہان حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے اُن پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظرانداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہین رکھتے اس لیے ان مسائل مین خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔ شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر نے قائم کیا تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہین۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہین۔ ایک یہ کہ اُن مین عقل کو دخل نہین، دوسرا یہ کہ اُسکے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہین یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ خاص اسی فن مین ہے تاہم ہر زمانے مین بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے، جسکی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا۔ اور کچھ یہ کہ مذہبی محدثیت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات بغیر چون و چرا کے مان لیجائے اور رائے و عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔

حضرت عمر نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

لیکن حضرت عمر اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہین جسنے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین لکھا ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس، حضرت عائشہ نے اس علم سے بحث کی اور اُسکے وجوہ ظاہر کیے ہین[2]

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۹۱ [2] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۴۔

شاہ صاحب نے جن لوگون کا نام لیا اُن مین عبداللہ بن عباس کی عمر آنحضرت کی وفات کیوقت ۱۳ برس کی تھی حضرت علی کا سن جناب رسول اللہ کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا زید بن ثابت کا سن آنحضرت کی ہجرت کیوقت ۱۱ برس کا تھا حضرت عائشہ آنحضرت کی وفات کے وقت کل ۱۸ برس کی تھین اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہونگے لیکن اولیت کا منصب حضرت عمر ہی کو حاصل ہوگا۔

حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال مین کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلعم سے دریافت کرتے تھے سفر مین جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتداے اسلام مین راستے محفوظ نہ تھے اور کافرون کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید مین خود اس کا اشارہ ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت سے دریافت کیا کہ اب سفر مین قصر کیون کیا جاتا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے[۵۱]۔

حج کے ارکان مین رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرنے وقت پہلے تین دورون مین آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہین اسکی ابتدا یون ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے مکہ مین تشریف لائے تو کافرون نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہین کر سکتے۔ آنحضرت نے یہ سنکر رمل کا حکم دیا[۵۲] اس کے بعد یہ معمول بہ ہوگیا چنانچہ ائمہ اربعہ اسکو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہین لیکن حضرت عمر نے صاف کہا مالنا وللرمل انما كنا رأينا به المشركين وقد اهلكهم الله یعنے اب ہم کو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکون کو رعب دلانا مقصود تھا سو اُن کو خدا نے ہلاک کر دیا[۵۳]۔ حضرت عمر نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین لکھا ہے رمل کے ترک کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر آنحضرت کی یادگار سمجھکر رہنے دیا۔ عبداللہ بن عباس جو حضرت عمر کے خاص تربیت یافتہ تھے اُن سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہین تو کہا کہ غلط سمجھتے ہین[۵۴]۔

حضرت عمر نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کیے ہین کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا

---

۵۱ صحیح مسلم احادیث نماز سفر ۵۲ صحیح مسلم ۵۳ صحیح بخاری باب الرمل ۵۴ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۵ حصہ دوم۔۱۲

ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالحہ عقلی کے موافق ہیں اس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے اُستاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور اسکو ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمر کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرت نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی اور جو آپ کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق حضرت عمر کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں، اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

حضرت عمر خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے اُن کا خلوص، انقطاع الی اللہ لذائذ دنیا سے اجتناب حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کرتے جاتے تھے، اور ہر شخص جو اُنکی صحبت میں رہتا تھا، کم و بیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں مورخ مسعودی نے حضرت عمر کے حالات اس جملہ سے شروع کیے ہیں کہ "وہ اُن میں جو اوصاف تھے وہ اُن کے تمام افسروں اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے"۔ پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی، ابو عبیدہ، سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور اُن کے اوصاف لکھے ہیں۔

فخر و غرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمیمہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے، وہ نسب کا فخر و غرور، عام لوگوں کی تحقیر ہجو، بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور مے پرستی تھی، حضرت عمر نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں بالکل مٹا دیں لڑائیوں میں قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارا کرتے تھے اُس کو حکما بند کر دیا، آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اُٹھا دی ایک دفعہ صفوان ابن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ اُنکی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا، تو نہایت افروختہ ہو کر کہا کہ "وہ خدا اُن سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں"۔

ایک دفعہ بہت سے لوگ اُبی بن کعب سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ملنے گئے۔ جب وہ مجلس سے اُٹھے تو ادب اور تعظیم کے لیے لوگ اُن کے ساتھ ساتھ چلے اتفاق سے حضرت عمر اُدھر سے آنکلے یہ حالت دیکھکر اُبی کے ایک کوڑا لگایا۔ اُنکو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا اوما تری فتنة للمتبوع ومذلة للتابع[1] یعنی تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔

[1] مسند دارمی ۱۲۔

ہجو و بدگوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعرا بیجا لوگوں کی ہجوین لکھتے تھے اور چونکہ عرب مین شعر کو رواج عام حاصل تھا اس سبب سے یہ ہجوین نہایت جلد مشتہر ہوجاتی تھین اور اُن سے سیکڑون مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ حضرت عمر نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا ہے اور اُسکے لیے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ مرتبہ حضرت عمر کی اولیات مین شمار کیا جاتا ہے۔ حطیہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا اور سودا کی طرح فن ہجو مین کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمر نے طلب کر کے ایک تہ خانہ مین قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہین لکھے گا[۱]۔ آنحضرت کے زمانہ مین قریش نے جب اور تدبیرون سے عاجز ہو کر مسلمانون کی اور خود آنحضرت کی شان مین ہجوین کہنی شروع کین تو آنحضرت نے حسان کو ترکی بترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے۔ حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت مین حکم دیدیا کہ وہ پڑھے پڑھائے نہ جائین کیونکہ اُن سے پرانی رنجشین تازہ ہوتی ہین[۲]۔

عشق و ہواپرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا۔ شعرا زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور اُن مین اپنے معشوقون کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق کے عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے رندی اور آوارگی اُن کے خمیر مین داخل ہوجاتی تھی۔ حضرت عمر نے قطعی حکم دیا کہ شعرا عورتون کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائین چنانچہ صاحب اسدالغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے مین اس واقعہ کو ان الفاظ سے لکھا ہے۔

تقدم عمر بن الخطاب الی الشعراء ان لا یشبب احد بامرأۃ الا جلدہ۔ شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اُس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ درے مارے جاتے تھے انھون نے ۸۰ کر دیے ان سب باتون کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اُس زمانے مین دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہوگئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت مین مبتلا نہ ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔ اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے اس لیے حضرت عمر نے اسپر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمر کے سوا اور خلفا کی تاریخ مین نہین ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے۔ یہانتک کہ عبدالملک نے قطعی حکم

---

[۱] اسدالغابہ تذکرہ زبرقان [۲] آغانی تذکرہ حسان بن ثابت ۱۲

دیدیا کہ کوئی شخص اُسکے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمان و حضرت علی نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا لیکن اُس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جس کی بدولت حضرت عثمان کی شہادت کی نوبت پہنچی۔ اور جناب امیر کو جنگ جمل و صفین کے معرکے جھیلنے پڑے۔ برخلاف اس کے حضرت عمر نے نہایت اعلیٰ درجے کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جبروت میں خرابی نہ آنے دی۔

مختلف موقعون پر تقریر و تحریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے۔ اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بیوجہ مارا تو خود اُسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور اُن کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مذ کم تعبد تم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احراراً۔	یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنا لیا؟ اُن کی ماؤن نے تو اُن کو آزاد جنا تھا۔

عرب میں جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم رتبہ لوگ اُن کو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے جعلنی اللہ فداءک "بابی" "وامی"[۱]۔ چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی مختلف موقعون پر اُن کی نسبت ناراضی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود اُنکی شان میں کہا تھا کہ جعلنی اللہ فداءک تو فرمایا کہ اذا یُھینک اللہ۔ یعنے "اگر خدا ایسا کریگا تو تجکو ذلیل کرے گا۔" حضرت عمر کے اس طریق عمل نے لوگون کو جسقدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ اُنھوں نے ممبر پر چڑھ کر کہا، صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کروگے ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچکر بولا کہ تمھارا سر اڑا دینگے۔ حضرت عمر نے اُسکے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اُس نے کہا۔ ہاں ہاں تمھاری شان میں! حضرت عمر نے کہا۔ الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہونگا تو مجکو سیدھا کر دینگے۔ عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگون نے عیسائی عورتون سے شادیاں کر لی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے

[۱] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۵۔ [۲] یعنی خدا مجکو آپ پر قربان کرے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ مین اس کو ناپسند کرتا ہون۔ انھون نے جواب مین لکھا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر نے لکھا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگون پر ضرور نہین، چنانچہ باوجود حضرت عمر کی ممانعت کے کثرت سے لوگون نے شادیان کین۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے تمام عاملون کا مال و اسباب نیلام کر کے آدھا بیت المال مین داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابوبکرہ تھا، صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال مین داخل کرنا چاہیے تھا، اور ہمارا تھا تو اس مین سے تم کو لینے کا کیا حق تھا۔؟

حضرت عمر کی تقلید اور انکی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، اتباع حق، علم و تواضع، جرأت و آزادی، حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا، تاریخ کے مرقع مین اس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیہ مین یہ خط و خال نظر آتے ہین۔

حدیث و فقہ کا فن درحقیقت تمام تر حضرت عمر کا ساختہ و پرداختہ ہے صحابہ مین اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے۔ چنانچہ انکی تعداد ۲۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے لیکن اس فن کی ابتدا حضرت عمر سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد کو اول انھین نے قائم کیا

اجتہاد کی حقیقت　محدث و فقیہ ہونا　اجتہاد کا منصب　حدیث و فقہ

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر نے کیا یہ تھا کہ روایتون کی تفحص و تلاش پر توجہ کی آنحضرتؐ کے زمانے مین احادیث کے استقصار کا خیال نہین کیا گیا تھا جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت سے دریافت کر لیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثین محفوظ نہ تھین۔ حضرت ابوبکر کے زمانے مین زیادہ ضرورتین پیش آئین، اس لیے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور احادیث کے استقرار کا راستہ نکلا، حضرت عمر کے زمانے مین چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلمون کی کثرت نے سیکڑون مسائل پیدا کر دیے تھے اس لحاظ سے انھون نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے موافق طے کیے جائین۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمر مجمع عام مین جس مین اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے تکبیر جنازہ۔ غسل جنابت۔ جزیہ مجوس۔ اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہین جنکی نسبت کتب احادیث

احادیث کا تفحص

مین نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمر نے مجمع صحابہ سے دریافت کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا
چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشتہر کی جائے اُسی قدر اُس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلو نکے
لیے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لیے اُسکی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیرین اختیار کین۔

(۱) احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے ہین جس سے اُنکی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثین اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھین۔

(۲) صحابہ مین جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے اُن کو مختلف ممالک مین حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا
شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین "چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و
معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو درداء را
بشام و بمعاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نہ کند"[1]

ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ عام خیال یہ کہ حضرت عمر نے
حدیث کی اشاعت مین بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثین روایت کین چنانچہ کل مرفوع
احادیث جو اُن سے بروایت صحیح مروی ہین ستر سے زیادہ نہین، یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع مین یہ
ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اُصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جسمین
رائے اور اجتہاد کو دخل نہین تو گو وہ رسول اللہ صلعم کا نام نہ لے مطلب یہی ہو گا کہ اُس نے رسول اللہ
سے سُنا ہے کہ واقع مین یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے، حضرت عمر نے مثلاً تمام ممالک مین لکھ
بھیجا کہ زکوٰۃ فلان فلان چیزون پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے" تو اس احتمال کا محل نہین
کہ حضرت عمر خود شارع ہین اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہین، لامحالہ اسکے یہی معنے ہون گے۔ کہ
آنحضرت نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا تھا
کہ حضرت عمر نے حدیث کا مطلب صحیح نہین سمجھا اور اس لیے ممکن ہے کہ رسول اللہ نے اس مقدار کی تعداد
کو فرض نہ کہا ہو۔ بلکہ حضرت عمر نے اُس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا، لیکن یہ احتمال اُن احادیث
مین بھی قائم رہتا ہے جن مین صحابی نے علانیہ آنحضرت کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بنا پر حضرت عمر نے خطبون مین تحریری ہدایتون مین فرامین مین، نماز، روزہ، حج
زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کیے وہ درحقیقت آنحضرت کے احکام ہین۔ گو اُنھون نے

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۶ حصۂ دوم ۱۲

آنحضرت کا نام نہ لیا ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "ہفتم آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرماید تا اصل احادیث بآن موقوف خلیفہ قوت یابد بارہا بینکہ بعذر سخن بر منبر شد در بند آنکہ در حق علیا از حضرت صدیق صحیح نشد مگر شش حدیث و از فاروق اعظم بصحت نرسید مگر قریب ہفتاد و حدیث این را نمی فہمند و نمی دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت دادہ و اعلان نمودہ"[1]

احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے تفحص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق، حضرت عمر نے جو کچھ کیا، اگرچہ وہ خود بھی مہتم بالشان کام تھے۔ لیکن اس باب میں اُن کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے، احادیث کی طرف اُس طرح جو میلانِ عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمر نے اس میں جو نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرقِ مراتب پیدا کیا اُس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ تر اعتنا کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لیے گنجینۂ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الاهم فالاهم اس بنا پر حضرت عمر نے تمام تر توجہ اُن احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے، جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں اُن کی روایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا۔ اسمیں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "باستقرار تمام معلوم شد کہ فاروق اعظم نظر دقیق در تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد و از غیر آن مصروف می ساخت، لہذا احادیث شمائل آنحضرت صلعم و احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت میکرد بدو وجہ یکی آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست احتمال کہ چون اہتمام تمام بروایت آن بکار برند بعض اشیاء از سنن زوائد بہ سنن ہدی مشتبہ گردد"[1]

حضرت عمر نے اُن حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا دفتر اسی قسم کی حدیثوں کا ہو اسکی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر اس بات کو جانتے تھے کہ دُعا کے قبول و عدم قبول کا مدار خلوص و تضرع پر ہے نہ الفاظ پر[2]

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۱ [2] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۱۔

سب سے بڑا کام جو حضرت عمر نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق اور تنقید اور فن جرح وتعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت کی طرف منسوب کردیجاتی ہے گو صحیح نہ ہو اسکو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے، اسی بنا پر بیہودیون کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ مین شامل ہو گئین۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح وتعدیل کی روک ٹوک سے تعمیم کو روک دیا لیکن جب کسی راوی کی تعدیل اُنکے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر اُن کو زیادہ پرسش وجو نہین ہوتی تھی اِس کے ساتھ قرن اول کی نسبت اُنھون نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت مین ضعف کا احتمال نہین ہو سکتا ہے لیکن حضرت عمر اِس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزین خصائص بشری ہین اُن سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہین ہو سکتا۔ اِس لیے وہ احادیث کی چھان بین مین تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے کہ جو محدثین نے زمانہ مابعد مین پیدا کیے ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری اُن سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا کہ السلام علیکم۔ ابو موسیٰ حاضر ہے؟ حضرت عمر اُس وقت کسی کام مین مصروف تھے اِس لیے متوجہ نہو سکے کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کہان ہین؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیون واپس گئے؟ اُنھون نے کہا کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو، اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ حضرت عمر نے فرمایا اِس روایت کا ثبوت دو، ورنہ مین تمکو سزا دونگا، ابو موسیٰ اشعری صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی، چنانچہ ابو سعید نے آکر شہادت دی کہ مین نے رسول اللہ سے یہ حدیث سنی ہے، حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ عمر! تم رسول اللہ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ مین نے ایک روایت سُنی اور اُسکی تصدیق کرنی چاہی۔[1]

نفقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دیجائے اُس کو عدت کے زمانے تک نان ونفقہ اور مکان ملنا چاہیے یا نہین؟ قرآن مجید مین ہے لَا تسکنوھن من حیث سکنتم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھین اُن کو اُن کے شوہر نے طلاق باین دی، وہ آنحضرت کے پاس گئین کہ مجکو نان ونفقہ کا حق ہے یا نہین؟ اُنکا بیان ہے کہ آنحضرت نے فرمایا "نہین" فاطمہ نے یہ روایت حضرت عمر کے سامنے بیان کی

[1] یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طرق سے صحیح مسلم باب الاستیذان مین مذکور ہے ۱۲

توحضرت عمرنے کہا لانترک کتاب اللہ بقول امرأۃ لاندری لعلہا حفظت اونسیت یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے معلوم نہیں اُسکو حدیث یاد رہے یا نہیں!!

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ مغیرہ نے اِس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمرنے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرنے تسلیم کیا!! اسی طرح حضرت عباس کے مقدمہ مین جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرنے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگون نے شہادت دی تو حضرت عمرنے فرمایا کہ مجھکو تمھاری نسبت بدگمانی نہ تھی۔ لیکن مین نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا[1]۔

حضرت عمرکو چونکہ اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ روایت مین خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے اس لیے روایت کے بارے مین سخت احتیاط شروع کی۔ اِس کے متعلق اُنھون نے جو بندشین کین آجکل لوگون کو اُن پر مشکل سے یقین آسکتا ہے اس لیے مین اِس موقع پر خود کچھ نہ لکھونگا۔ بلکہ بہت بڑے بڑے محدثون نے جو کچھ لکھا ہے اُس کو نقل کرکے لفظی ترجمہ کردونگا۔ علامہ ذہبی جنسے بڑھکر اُنکے بعد کوئی محدث نہین گزرا اور جو حافظ ابن حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہین تذکرۃ الحفاظ مین حضرت عمرکے حالات مین لکھتے ہین

وقد کان عمر من وجلہ یخطی الصاحب علے رسول اللہ۔ یامرھم ان یقلوا الروایۃ عن نبیھم ولئلا یتشاغل بالاحادیث عن حفظ القرآن۔ عن قرظۃ بن کعب قال لما سیّرنا عمر الی العراق۔ مشی معنا عمر وقال اتدرون لم شیّعتکم قالوا نعم مکرمۃ لنا۔ قال ومع ذالک فانکم تاتون اھل قریۃ لھم دوی بالقران کدوی النحل فلا تصدوھم بالاحادیث فتشغلوھم جرّدوا القران واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ وانا شریککم فلما قدم قرظۃ قالوا	یعنی حضرت عمر اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرت سے روایت کرنے مین غلطی نہ کرین صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کرین اور تاکہ لوگ حدیث مین مشغول ہوکر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہوجائین قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا تم کو معلوم ہے مین کیون تمھارے ساتھ ساتھ آتا ہون لوگون نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو۔ فرمایا کہ ہان لیکن اُس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام مین جاتے ہو جہان کے لوگونکی آواز شہد کی مکھی کی طرح قرآن پڑھنے مین گونجتی رہتی ہے تو اُن کو حدیثون مین نہ پھنسا لینا، قرآن مین آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ سے کم روایت کرو اور مین تمھارا شریک ہون پس جب قرظہ وہان پہنچے تو

کثرت روایت سے روکنا

[1] یہ دونون روایتین تذکرۃ الحفاظ مین حضرت عمرکے حال مین مذکور ہین۔

حدثنا فقال نعما یا عمر عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ۔ قلت لہ۔ کنت تحدث فی زمان عمر ھکذا فقال لو کنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدث ثم لضربنی بمخفقۃ ان عمر حبس ثلثۃ۔ ابن مسعود۔ و ابا الدرداء و ابا مسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

لوگون نے کہا کہ حدیث بیان کیجیے اُنھون نے کہا کہ عمر نے ہمکو منع کیا ہے ابو سلمہ کہتے ہین کہ مین نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانے مین بھی اسی طرح حدیثین روایت کیا کرتے تھے اُنھون نے کہا کہ اگر مین ایسا کرتا تو عمر مجکو دُرّے سے مارتے۔ حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن مسعود ابو الدرداء اور ابو مسعود کو محبوس کیا اور کہا تم لوگون نے آنحضرت سے بہت سی حدیثین روایت کرنی شروع کین۔

مسند دارمی مین قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے، اس سے فرائض و سنن مقصود نہین، شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہین میرے نزدیک، آنحضرت کے شمائل اور عادات کی حدیثین مراد ہین۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہین یا وہ حدیثین مقصود ہین۔ جن کے حفظ اور ضبط مین کافی اہتمام نہین کیا گیا۔ ہمارے[1] نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہین حضرت عمر کا مقصد خود انھین کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے، مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہین، انساب الاشراف مین روایت کی ہے کہ لوگون نے اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا تو اُنھون نے فرمایا۔

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم بہ۔

یعنی اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے مین مجھسے کچھ کمی بیشی ہو جاوے گی تو مین حدیث بیان کرتا۔

مورخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور اُس کے رواۃ یہ ہین۔ محمد بن سعد عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمانی، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابو حنیفہ) موسی بن طلحۃ۔ ابو الحیۃ تکنۃ حضرت عمر کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اورون کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود جو مقامات علمی مین حضرت عمر کے تربیت یافتہ خاص تھے اُنکی نسبت محدثین نے لکھا ہے *

یشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذۃ عن

یعنی وہ روایت مین سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردون کو

حضرت عمرؓ نے کم روایتیں کی

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم

التعاون فی ضبط الالفاظ ۵۱ | ذاتی تحقیق رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر تک رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمر کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی۔ اگرچہ اُن سے پہلے بھی اکابر صحابہ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابو بکر کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکر تھے علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر نے ۵۰۰ حدیثیں قلمبند کی تھیں لیکن پھر اُنکو آگ میں جلادیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اُس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔

لیکن حضرت عمر کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا، اور صحابہ صرف۔ راوی کے ثقہ وعدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے، لیکن حضرت عمر۔ راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی اس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بنا پر حضرت ابو ہریرہ پر اکثر مواخذات کیے ورنہ حضرت ابو ہریرہ کے ثقہ ہونے میں اُنکو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمر کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن جس قدر روایت کی گئیں وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں، ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا کہ "در ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ہمہ مقبول عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم اما ان درمیان آنچہ از حدیث و فقہ در زمن **فاروق اعظم** بود و آنچہ بعد وی حادث شدہ فرق ما بین السموات والارض است ۵۳۔

حضرت عمر نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پا سکا لیکن محققین صحابہ میں یہ خیال بے اثر رہا۔ عبداللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرۃ ہے۔ اور مسند دارمی وغیرہ میں جا بجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت اُنکے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرت کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب، یا اسکے مثل" ابو درداء اور حضرت انس جو بہت بڑے

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

۵۱ تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عبداللہ بن مسعود ۱۲ ۵۲ تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۴ سطر ۳ ۵۳ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱-۱۲۰۔

صحابی تھے انکا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی ثابت بن قطبۃ الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر مہینہ بھر میں صرف دو تین حدیث روایت کرتے تھے، سائب بن زید کا قول ہے کہ میں سعد وقاص کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا، لیکن انھوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی نہیں روایت کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح دارمی میں بسند متصل منقول ہیں[1]۔

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمر نے جو مقدم اصول قائم کئے انکو اجمالاً یوں بیان کیا جاسکتا ہے

(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضرور ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے اعتماد کے لیے کافی نہیں۔

(۳) خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جسکو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر کا ساختہ و پرداختہ ہے، اس فن کے متعلق انکی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو، یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو، لوگوں نے پوچھا ایسا کون شخص ہے، حذیفہ نے کہا عمر بن خطاب![2] عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا پلہ بھاری رہیگا" علامہ ابواسحٰق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے، فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمر کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے۔

ولولا خوف الاطالۃ لذکرت من فقھہ ما یتحیر فیہ کل فاضل   یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمر کے فتوے اور ان میں جو فقہ کے مسائل لکھے جاتے ہیں اسقدر لکھتا کہ فضلا حیران رہ جاتے۔

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمر ہیں

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہم اسکو کسیقدر تفصیل کے ساتھ آگے چلکر لکھیں گے لیکن پہلے یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جسقدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں، سب کا مرجع حضرت عمر کی

[1] مسند دارمی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور از صفحہ ۴۴ تا ۴۸۔ [2] استیعاب قاضی عبدالبر و ازالۃ الخفا صفحہ ۱۸۰ حصہ دوم۔

ذات بابرکات ہے۔ بلادِ اسلام میں جو مقامات **فقہ** کے مرکز مانے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، شام۔ اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً مکہ معظمہ کے شیخ عبد اللہ بن عباس تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابت و عبد اللہ بن عمر، کوفہ کے حضرت علی و عبد اللہ بن مسعود۔ و ابو موسیٰ اشعری، شام کے ابو درداء و معاذ بن جبل۔ ان میں حضرت علی کے سوا، اکثر بزرگ حضرت عمر ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے اور خاصکر عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن مسعود تو اُنکے ساختہ پرداختہ تھے عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں[1] عبد اللہ بن عباس کو حضرت عمر نے گویا اپنے دامنِ تربیت میں پالا تھا یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں[2] خود حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر مجلسِ شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جو اُن کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے حضرت عمر نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جسکی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے"

محدث عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمر یحب بن عباس و لیقربہ یعنی حضرت عمر ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور اُنکو تقرب دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمر کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبد اللہ بن عباس اسکا جواب دینا چاہتے، لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے۔ حضرت عمر اُنکی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم سِن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے"، کوئی شخص اگر عبد اللہ بن عباس کے مجتہدات کو، حضرت عمر کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئیگا کہ دونوں میں اُستاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبد اللہ بن عمر حضرت عمر کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابت برسوں حضرت عمر کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمر، عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے اُنکے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں[3]۔

صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علمِ فقہ کا مدار تھا، عمر، علی، عبد اللہ بن مسعود، اُبی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، امام محمد نے کتاب الآثار میں

[1] استیعاب قاضی بن عبد البر و ازالۃ الخفا صفحہ ۳۱۹ حصہ اول [2] صحیح بخاری صفحہ ۶۱۵ مطبوعہ احمدی میرٹھ [3] فتح المغیث صفحہ ۳۸۱۔

روایت کی ہے ستة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتذاکرون الفقہ بینہم علیؓ بن ابیطالب وابیؓ وابو موسی علیحدة وعمر وزید وابن مسعود علیحدة یعنی اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ میں بحث ومذاکرہ کرتے تھے علی، ابی۔ اور ابو موسی اشعری ایک ساتھ اور حضرت عمر، زید اور ابن مسعود ایک ساتھ صفوان بن سلیم کا قول ہے لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر وعلی ومعاذ وابی موسیٰ یعنی آنحضرت کے زمانے میں صرف چار شخص فتوی دیتے تھے عمر، علی، معاذ، ابوموسی، امام شعبی کا مقولہ ہے کان العلم یوخذ عن ستة من الصحابةؓ یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا، اگرچہ یہ تحدید، بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۴ یا ۶ مفتیوں کی تعداد، خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف اور صریح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اسکے معارض بھی نہیں، ان مسائل کے لیے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے اسکے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جنکی نسبت، حدیث میں کوئی حکم متصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعے حکم مستخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اسکی معارض ہیں، ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتوی دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ اسکی تعداد ۲۰۰ تک پہنچتی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا ذکر اوپر گزرا۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمرؓ علی ابن مسعود۔ ابن عباس کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

واما غیرھؤلاء الاربعة فکانوا یروون دلالة ولکن ماکانوا یمیزون الرکن والشرط من الاداب والسنن ولم یکن لھم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلایل الا قلیلا کابن عمر وعایشة وزید بن ثابت[۵۳]	یعنی ان چار کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن آداب سنن اور ارکان وشرائط میں امتیاز وتفریق نہیں کرسکتے تھے۔ اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض بعض موقعوں کے، دخل نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمر، عائشہ، زید بن ثابت۔

۵۱ تذکرة الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابو موسی اشعری ۵۲ فتح المغیث صفحہ ۱۲۶ ۵۳ حجة اللہ البالغہ صفحہ ۱۳۰

بہرحال مجتہدین صحابہ سے زیادہ نہ تھے۔ اُنکی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کے ساتھیوں کے سوا، حضرت علی سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، اُن پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبل کو خود حضرت عمر نے تعلیم و روایت کے لیے شام بھیجا تھا۔ لیکن انکا سنہ ۱۸ھ میں انتقال ہوگیا، اس لیے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے "حدیث او چنداں باقی نماند"[۱]۔ عبد اللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری حضرت عمر کے خاص شاگردوں میں تھے، ابو موسیٰ اشعری کو حضرت عمر اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت بھی در اصل حضرت عمر کے مقلد تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "و زید بن ثابت نیز در اکثر متبع اوست"[۲]۔ اِن واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمر کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمر نے مسائل فقہیہ میں جس قدر فکر اور غوض کیا تھا صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ اُنھوں نے آغازِ اسلام ہی سے فقہ کو مطمح نظر بنا لیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں ان میں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے، یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ اُنکے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سُننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے، انھوں نے آنحضرت سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ سورۂ نساء کی اخیر آیت تیرے لیے کافی ہوسکتی ہے[۳]۔

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے اُنکو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُنپر غور کیا کرتے وقتاً فوقتاً اُنکے متعلق جو رائے قائم ہوتی اُسکو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اسمیں بھی محو و اثبات کیا کرتے تھے پھوپی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اُسکو محو کر دیا اسکا حال امام محمد نے موطا میں لکھا ہے[۴] قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر نے ۱۰۰ مختلف رائیں قائم کیں، بعض بعض مسائل کے متعلق اُنکو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے، مسند دارمی ہی کہ دادا کی میراث کے متعلق اُنھوں نے ایک تحریر

---

۱ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۰۱ حصہ دوم ۲ ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۳ حصہ دوم ۳ مسند امام احمد حنبل ۴ موطا امام محمد صفحہ ۳۱۶-

لکھی تھی لیکن مرنے سے قریب اُسکو منگوا کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اسکا فیصلہ کیجیے گا، اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بُلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کی نسبت رائے قائم کی تھی، اگر آپ لوگ چاہیں تو اُسکو قبول کریں، حضرت عثمانؓ نے کہا آپکی رائے ہم لوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے لیکن ابوبکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے، اکثر کہا کرتے تھے کاش رسول اللہ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے کلالہ۔ دادا کی میراث، ربا کی بعض اقسام، مسائل فقہیہ کے متعلق اُنکو جو کدوکاوش رہتی تھی اُسکے اندازہ کرنے کے لیے ذیل کی مثال کافی ہوگی ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ کلام مجید میں اسکی تعریف مفصل مذکور نہیں اسلیے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں، حضرت عمرؓ نے خود آنحضرت سے چند بار دریافت کیا اسپر تسلی نہ ہوئی تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا، پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجکو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت۔ کلالہ۔ ربا۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین ابن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسائل کا پیدا ہونا

چونکہ اُنکے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا اسلیے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے، تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے تھے اور بارگاہ خلافت کیطرف رجوع کرنا پڑتا تھا، اسی بنا پر حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور کرنے کی ضرورت پیش آئی، اُن کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں، زیادہ انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے اُن کے پاس جواب کے لیے آئے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتووں کے ساتھ فتوے پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں مثلاً عبداللہ بن مسعود عمار بن یاسر، ابوموسیٰ اشعری، ابوعبیدۃ جراح۔ مغیرہ بن شعبہ، وغیرہ وغیرہ۔

لوگوں کا حضرت عمر سے استفتاء کرنا

صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا اُنکی رائے بھی فتوے کے لیے کافی ہو سکتی تھی تاہم احتیاط کے ساتھ وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور اُن پر نہایت

اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے کسی ایسے مسئلہ کو، جو اُن سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصل نہیں کیا، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

کان من سیرۃ عمر انہ کان یشاور الصحابۃ ویناظرھم حتی تنکشف الغمۃ ویاتیہ الثلج فصار غالب قضایاہ وفتاواہ متبعۃ فی مشارق الارض ومغاربھا۔	حضرت عمر کی عادت تھی کہ صحابہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہانتک کہ پردہ اُٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا اسی وجہ سے حضرت عمر کے فتووں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔

حضرت عمر نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کرکے طے کیا اُنکی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں اُنکی پوری تفصیل ملتی ہے مثلاً بیہقی نے روایت کیا ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اِسکی تصریح بھی کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا حضرت عمر نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کیے جائیں چنانچہ منعقد مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا، تمام صحابہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا لیکن حضرت علی اور معاذ مخالف رہے، حضرت عمر نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہوکر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہوگا؛ غرض ازواج مطہرات کے فیصلہ پر معاملہ اُٹھا رکھا گیا اور انھوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمر نے اُسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اِسی طرح جنازہ کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمر نے صحابہ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت نے پڑھی اِس میں چار تکبیریں کہی تھیں" اس طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

فقہ کے جسقدر مسائل حضرت عمر سے بروایت صحیحہ منقول ہیں اُنکی تعداد کئی ہزار تک پہنچی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے اُنکی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "ہمچنین مجتہدین و رؤس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند و این قریب ہزار مسئلہ باشد تخمیناً" مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اُنکی مدد سے **فقہ فاروقی** پر ایک مستقل رسالہ لکھکر ازالۃ الخفا میں شامل کر دیا ہے۔

سلہ ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۸۴۔

یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے، انھوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیئے جسکو اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلا امر حل یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال، و افعال منقول ہیں وہ کلیۃً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں انکی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، انکی نسبت خدا کا ارشاد ہے مَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ وَمَا نَہَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوا یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے وہ لو، اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو دوسری وہ جنکو منصب رسالت سے تعلق نہیں چنانچہ ان کے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔

انما انا بشر اذا امرتکم بشیٔ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیٔ من رایی فانما انا بشر	یعنی میں آدمی ہوں، اسلئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم دوں تو اسکو لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا جو افعال، آنحضرت سے عادۃً صادر ہوئے نہ عبادۃً یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً، یا جو باتیں آنحضرت نے مرغوبات عرب کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کیں مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے اور بہت سے احکام یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کرسکتا، اس تفریق مراتب کے موجد در اصل حضرت عمرؓ ہیں کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت نے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں، قیدیان بدر کے معاملے میں انکی رائے، بالکل آنحضرت کی تجویز سے الگ تھی صلح حدیبیہ میں انھوں نے، آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دبکر کیوں صلح کیجائے، ان تمام باتوں سے تم خود اندازہ کرسکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے

گروہ باتیں منصب نبوت سے تعلق رکھتی تھیں انہیں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار، ہم انکو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا مثلاً حضرت ابوبکر کے زمانے تک اُمہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے، برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمر نے اُسکو بالکل روک دیا۔ آنحضرت نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی، حضرت عمر نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں آنحضرت کے عہد میں، شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمر نے اسی کوڑے مقرر کیے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں، آنحضرت کے اقوال و افعال، اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے، اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کے لیے بھی مسند خلافت پر انکا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمر کو اس امتیاز مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرت کے متعدد احکام میں جب انھوں نے دخل دیا تو آنحضرت نے اُسپر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی، بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود، وحی الٰہی نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات. نماز جنازہ منافق ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی رائے کی موافق آئی۔

اس تفریق اور امتیاز کیوجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت بڑا اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے، اُن میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کیے جائیں چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے، بہت نئے نئے قاعدے وضع کیے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں، برخلاف اسکے امام شافعی کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیب فوج، تعیین شعار، تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرت کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

احاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث

اس بحث کے بعد دوسرا امر خبر احاد یعنی وہ حدیث[1] جسکا راوی ایک سے زیادہ نہو اکی حیثیت

[1] اصول حدیث میں ایسی حدیث کے راوی ایک سے زیادہ لیکن شہرت یا تواتر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر احاد میں داخل ہے لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے، حضرت عمر کے زمانے تک اس کا وجود نہ تھا۔

احتجاج کا تھا، بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ اُن سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اُسکی تخصیص ہو سکتی ہے۔ بلکہ اُس کے ذریعہ سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک خبر احاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر اذن ملاقات۔ اسقاط جنین۔ خریداری مکان عباس بن عبد المطلب تیمم جنابت کے مسئلوں میں اُنھوں نے عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری مغیرہ بن شعبہ اُبی بن کعب کی روایتوں کو اُسوقت تک قابلِ حجت نہیں قرار دیا جبتک اور تائیدی شہادتیں نہیں گزریں چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر وہ خبر احاد سے قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ فاطمہ بن قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ حکم قرآن مجید کی نص سے ثابت تھا فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعی اور اُنکے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ حضرت عمرؓ نے بہت سے واقعات میں اخبار احاد کو قبول کیا، لیکن امام صاحب نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمرؓ کے اُصول میں فرق نہیں آتا حضرت عمرؓ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابلِ احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابلِ احتجاج نہیں ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے، چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جنکی نسبت ایک دو شخص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ اُنھوں نے الفاظ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو، غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پا سکتا۔ حضرت عمرؓ نے بے شبہہ بہت سے موقعوں پر اخبار احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔

اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار احاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے، اخبار احاد کے متعلق فقہا و محدثین میں سخت اختلاف آرا ہے اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں لیکن جہاں تک ہم نے ان طویل بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمرؓ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اُسکی نظیر کہیں نہیں ملتی لیکن اس موقع پر تنبیہ کر دینی ضرور ہے کہ اخبار احاد کے قبول کرنے

نہ کرنے میں حضرت عمر کا جو اُصول تھا اُسکی بنا پر صرف تحقیق حق تھی۔ اس زمانے کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جسکو چاہا غلط کہدیا ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لیے اسکا کافی ہونا، قیاس پر موقوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں، تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں، اس لیئے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلے کے لیئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے، اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ۔ امام مالک امام شافعی۔ امام احمد حنبل، سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور اُن کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔ لیکن قیاس کی بنیاد اول جسنے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں"

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت نے معاذ کو یمن بھیجا تو اُن سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کروگے، انھوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دونگا، اور اگر قرآن وحدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوگی تو اجتہاد کرونگا۔ لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ اُنکی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد۔ قیاس پر منحصر نہیں، ابن حزم و داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی میں لبسند مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے، قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی، تو حدیث سے جواب دیتے، حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور اُن کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اُسکے مطابق فیصلہ کرتے ۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے زمانے تک، مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث، اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو قضا کے متعلق جو تحریر بھیجی اُس میں قیاس کی صاف ہدایت کی چنانچہ اُس کے یہ الفاظ ہیں۔

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما ليس يبلغك في الكتاب والسنة۔ واعرف الامثال و	جو چیز تم کو قرآن وحدیث میں نہ ملے اور تم کو اُسکی نسبت شبہ ہو اُس پر غور کرو اور خوب غور کرو اُس کے

۱؎ یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۳۴ میں مذکور ہے ۲؎ مسند دارمی صفحہ ۲۴

والاشباہ ثم قس الامور عند ذالک[1]	ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر اُن سے قیاس کرو

اُصولِ فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تعدیۃ الحکم من الاصل الی الفرع لعلۃ متحدۃ اصل کے حکم کو فرع تک پہنچانا کسی ایسی علۃ کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو۔

مثلاً آنحضرت نے گیہوں جو۔ وغیرہ کا نام لیکر فرمایا کہ "انکو برابر پر دو برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائیگا" اس مسئلے میں قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرت نے گو چند خاص اشیا کے نام لیے لیکن یہ حکم اُن تمام اشیا میں جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چونہ دے اور اس سے اُسی قسم کا چونہ سوا سیر لے یا سیر بھر ہی لے لیکن اُس سے عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائیگا۔

اصولیین کے نزدیک قیاس کے لیئے مقدم دو شرطیں ہیں (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو یعنی اُسکے بارے میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو (۲) مقیس اور مقیس علیہ میں علۃ مشترک ہو۔

حضرت عمرؓ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔ پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ مما لم یبلغک فی الکتاب والسنۃ اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے د اعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور۔

ان تمام اصول کے سوا، حضرت عمرؓ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کیئے جو آج ہمارے علم اُصول فقہ کی بنیاد ہیں۔ لیکن اُنکی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ امر مسلم ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام مالکؒ وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث ملی اور دوسرے کو نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط واجتہاد مختلف تھے چنانچہ اُصولِ فقہ کی کتابوں میں ان مختلف اُصولوں کو بتفصیل لکھا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان ائمہ نے صراحۃً وہ اُصول بیان کیئے تھے، امام شافعیؒ نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اُصول منضبط کیئے ہیں لیکن امام ابوحنیفہ و امام مالکؒ وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحۃً منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکا استنباط خواہ مخواہ ان اُصول کی بنا پر ہے مثلاً ایک

استنباط احکام کے اُصول

[1] یہ روایت دار قطنی میں مذکور ہے دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۸۶

امام نے قرآن کی اس آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا سے استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأتِ فاتحہ نہ کرنا چاہیئے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اُتری تھی اُنھوں نے کہا آیت کسی بارے میں اُتری ہو لیکن حکم عام ہے" اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اس اُصول کے قائل تھے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اُصولِ فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اُصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کیئے گئے ہیں، ورنہ ان بزرگوں سے صراحتًہ یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ اُنھوں نے استنباط مسائل کے اُصول قائم کیئے اسی بنا پر ہے۔ اکثر مسائل جو اُنھوں نے طے کیئے صحابہ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کیئے۔ ان موقعوں پر اُنھوں نے جو تقریریں کیں اُن کے استقصار سے بہت سے اُصول قائم ہوتے ہیں۔ اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اسلیئے اُن کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونوں میں سے کسکو ترجیح دیجائے۔ کسکو ناسخ ٹھیرایا جائے کسکو منسوخ، کس کو عام ٹھیرایا جائے کس کو خاص، کسکو موقت مانا جائے کسکو مؤبد اس طرح نسخ تخصیص تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اُصول قائم ہوگئے عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی اُنکی تقریر سے اکثر کسی اُصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا مثلاً ایک شخص نے اُن سے آکر کہا کہ "میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجیئے کیونکہ اُسنے میری بی بی کا آئینہ چرایا جسکی قیمت ۶۰ درہم تھی" فرمایا کہ تمھارا غلام تھا اور تمھاری ہی چیز چرائی، اُسپر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا[1]" اس سے یہ اُصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لیئے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مالِ مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہو، ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرالیا تھا حضرت عمرؓ نے اُسکو بھی اسی بنا پر چھوڑ دیا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اُترے عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے اُنھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو روکدیا کہ نہ بتانا[1]" اس سے دو اُصول ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ اصل اشیا میں اباحت ہے دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص و جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایک دفعہ رمضان میں

---

[1] موطا امام مالک ص ۵۲ مولانا امام محمد صفحہ ۶۶

بدلی کی وجہ سے آفتاب کے غروب جانیکا دھوکہ ہوا۔ حضرت عمر نے روزہ کھول لیا۔ تھوڑی دیر بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے۔ حضرت نے فرمایا الخطب یسیر وقد اجتہدنا یعنی معاملہ چنداں اہم نہیں ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ کوئی شخص چاہے تو اُن سے اُصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔ حضرت عمر نے فقہ کے جو مسائل بیان کیے انمیں اکثر ایسے ہیں جنمیں اور صحابہ نے بھی انکے ساتھ اتفاق کیا، اور ائمہ مجتہدین نے اُنکی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے استقرا سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایکہزار بتاتے ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اُن سے اختلاف کیا۔ اُنمیں سے بعض مسائل میں جن صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں مثلاً تیمم جنابت۔ منع تمتع حج۔ طلقات ثلث، وغیرہ میں حضرت عمر کے اجتہاد سے، دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل میں، اور خصوصاً، اُن مسائل میں جو معرکۃ الآرا رہے ہیں، اور جنکو تمدن اور اُمور ملکی میں دخل ہے عموماً حضرت عمر کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمر کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت عمر کے مسائل فقہیہ کی تعداد

اُن میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

ایک بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ خمس کا ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ	جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں ہاتھ آئے اُس کا پانچواں حصہ خدا کے لیئے اور پیغمبر کے لیئے اور رشتہ داروں کے لیئے اور یتیموں کے لیئے اور مسکینوں کے لیئے اور مسافروں کے لیئے۔

خمس کا مسئلہ

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس جو صحابہ میں دریائے علم کہلاتے تھے نہایت زور کے ساتھ اس آیت سے خمس پر استدلال کرتے تھے حضرت علی نے اگرچہ مصلحۃً بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا لیکن رائے اُنکی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہیں۔ یہ صرف حضرت علی و عبداللہ بن عباس کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہلبیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا، ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے اور اپنی کتابوں میں بڑے زور شور سے اس پر استدلال کیا ہے۔

۵۱ مؤطا امام محمد صفحہ ۱۸۴

حضرت عمر کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے چنانچہ اُنھوں نے اہلبیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین سے امام ابوحنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے، اُنکی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرت کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا اسی طرح آنحضرت کے قرابت داروں کا بھی حصہ جاتا رہا۔ اب ہمکو غور کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے اور رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔

قرآن مجید کی عبارت سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہیں لیکن اُس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے ہیں وہاں بھی بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ اس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنیوالے، مؤلفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافر، ان میں سے جسکو زکوٰۃ دیجائے ادا ہو جائے گی یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کیے جائیں، آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا کیا جائیگا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے، کون کم اور کون بالکل نہیں، یہ التزام مالایلزم صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جائے، اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے، اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اُس کے پانچ برابر حصے کیے جائیں اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا احادیث و روایات کے استقرار سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

(۱) ذوی القربیٰ میں آپ صرف بنو ہاشم و بنو المطلب کو حصہ دیتے تھے، بنو نوفل و بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے، لیکن آپ نے اُنکو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے تفصیل نقل کیا ہے[1]۔

(۲) بنو ہاشم و بنو المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے۔ علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

[1] زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۱۶۱

ولكن لم يقسمه بينهم على السواء بين أغنيائهم وفقرائهم ولا كان يقسمه قسمة الميراث بل كان يصرفه فيهم بحسب المصلحة والحاجة فيزوج منه عزبهم ويقضي منه عن غارمهم ويعطي منه فقيرهم كفايته۔[1]

لیکن دولتمندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدہ سے تقسیم کرتے تھے بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے۔ یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے! مقروضوں کا قرضہ ادا فرماتے تھے غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔

اِن واقعات سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ میں تعمیم نہیں ہے، ورنہ بنو نوفل اور بنو عبد الشمس کو بھی آنحضرت حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت کے قرابتدار تھے دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کی تمام افراد کو، مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت ہے بنو ہاشم اور بنو المطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتوں میں، اُن سے مخالف تھے ایک یہ کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ خمس کا پورا پانچواں حصہ ذوی القربیٰ کا حق ہے، دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضروریات کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفۂ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اسکے عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں ہے قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اور نسائی نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے۔

عرض علينا عمر بن الخطاب أن نزوج من الخمس أيمنا ونقضي منه عن مغرمنا وأبينا إلا أن يسلمه لنا وأبى ذلك علينا۔[2]

عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنے بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے اداے قرض کے مصارف لیا کریں لیکن ہم بجز اسکے نہیں تسلیم کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ میں دیدیا جائے عمر نے اسکو منظور نہ کیا

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں۔ صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے ذوی القربیٰ کا حق مطلقاً ساقط کر دیا تھا، لیکن کلبی نہایت ضعیف الروایۃ ہے، اس لیے اسکی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فحویٰ اور آنحضرت کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے

[1] زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۱۶۲ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۱

کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ اسبات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرت ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے، قرآن مجید سے یہ تعیین و تحدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمر کو ہرگز انکار نہ تھا اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی خمس میں سے آنحضرت اور آنحضرت کے قرابتداروں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تدابیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے۔ اسلئے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپکے لیئے مخصوص کر دیا جائے، اسوقت مال غنیمت و فے انفال بس یہی آمدنیاں تھیں چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپکا حصہ مقرر کیا تھا جسکا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لیئے خالصہ مقرر کر دیا جاتا ہے ذوی القربیٰ کا حق اسلیئے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرت کا ساتھ دیا تھا چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے آنحضرت کا ساتھ دیا اور جب آنحضرت مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزیں ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔ اس بنا پر آنحضرت اور ذوالقربیٰ کے لیئے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپکے قرابتداروں کے لیئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اور گو اُن کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو، اور گو وہ کتنے ہی دولتمند اور غنی ہو جائیں تاہم اُنکو یہ رقم ہمیشہ ملتی رہیگی، ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت، یہ قاعدہ بنائیگا کہ اسکی تمام اولاد کے لیئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔ حضرت علی و عبداللہ بن عباس جو خمس کے مدعی تھے اُنکا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لیئے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرت کے زمانے تک باقی رہ گئے تھے اُنہی کی نسبت اُنکو ایسا دعوے ہوگا۔

فے کا مسئلہ

ایک اور مہتم بالشان مسئلہ فے کا ہے یعنی وہ زمین یا جائداد جسکو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اسقدر معرکۃ الآرا ہے کہ صحابہ کے عہد سے آجتک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی، اسی مسئلہ کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط مبحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ فے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل غنیمت سلب ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ کو البتہ سب سے زیادہ یعنی چوتھ ملتا تھا۔ آنحضرت مبعوث ہوئے تو ابتدا میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں یہ قاعدہ بھی کسیقدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا اسلیئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مالِ غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اسکے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا اُٹھا۔ جنگِ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دُور تک چلے گئے۔ کچھ لوگ آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہے تعاقب کرنے والے واپس آئے تو اُنھوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہم رسول اللہ کے محافظ تھے اسلیئے ہم زیادہ حقدار ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ۔	تجھ سے لوگ مالِ غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں۔ تو کہدے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔

اِس آیت نے اس اُصول کو مٹا دیا کہ تمام مالِ غنیمت لڑنیوالوں کا خاص حق ہے اور افسر کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کیئے گئے۔ تھے پھر یہ آیت اُتری۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔	جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے تو اُسکا پانچواں حصہ خدا کے لیے ہے اور پیغمبر کے لیئے۔ اور رشتہ داروں کے لیئے اور یتیموں کے لیئے اور مسکینوں کے لیئے اور مسافروں کے لیئے۔

اِس آیت سے یہ قاعدہ قائم ہوا کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیئے جائیں۔ چار حصے مجاہدین کو تقسیم کیئے جائیں اور پانچویں حصہ کے پھر پانچ حصہ ہو کر آنحضرت اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے

سلہ زاد المعاد ابن القیم جلد ثانی صفحہ ۵۸ اکتب حدیث میں بھی یہ روایت مذکور ہے ۱۲۔

مصارف میں آئیں۔ لیکن یہ تمام احکام، نقد و اسباب سے متعلق تھے زمین اور جائداد کے لیے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نضیر میں جو سنہ ۵ھ میں واقع ہوا سورۂ حشر کی یہ آیت اتری۔

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ۔	یعنی جو زمین یا جائداد ہاتھ آئے، وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں، اور مسکینوں، اور مسافروں اور فقراء، مہاجرین اور ان سب لوگوں کی ہے جو آیندہ دنیا میں آئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کیجائیگی، بلکہ بطور **وقف** کے محفوظ رہیگی اور اُسکے منافع سے تمام موجودہ اور آیندہ مسلمان متمتع ہونگے۔ یہ ہے حقیقت **نفل اور غنیمت اور فے** کی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور فے کو ایک سمجھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور اُنکے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اُسی وقت مجاہدین کو تقسیم کردینی چاہیئے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بنا پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالکِ مفتوحہ اُنکو تقسیم کردیئے جائیں چنانچہ عبدالرحمن بن عوف زبیر بن العوام، بلال بن رباح نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ اس پر جیسا کہ ہم صیغۂ محاصل میں لکھ آئے ہیں، بہت بڑا مجمع ہوا اور کئی دن تک کشمکش رہی۔ آخر حضرت عمرؓ نے آیتِ مذکورۂ بالا سے استدلال کیا اور آیت سے یہ الفاظ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ پڑھ کر فرمایا کہ

فكانت هذه عامة لمن جاء من بعدهم فقد صار هذا الفيء بين هؤلاء جميعا فكيف نقسمه لهؤلاء وندع من تخلف بعدهم[۱]	تو یہ تمام آیندہ آنے والوں کے لیے ہے اور اس بنا پر یہ ممالک، تمام لوگوں کا حق ٹھہرے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کردوں اور اُن لوگوں کو محروم کردوں جو آیندہ پیدا ہوں گے۔

امام شافعی اور اُنکے ہمخیالوں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کردیا تھا لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی فتح ہوئے یہانتک کہ آنحضرتؐ کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا لیکن آنحضرتؐ نے کہیں چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

اسی سلسلے میں **باغ فدک** کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآراء رہا ہے، ایک فرقہ کا خیال ہے

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۱۵۔ اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں مذکور ہے ۱۲

فدک کا مسئلہ

کہ یہ باغ، خاص آنحضرت کی جائداد تھی کیونکہ اُسپر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت کو سپرد کر دیا تھا۔ اور اس وجہ سے وہ اِس آیت کے تحت میں داخل ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو اُن لوگوں سے دلوا یا تو تم لوگ اُس پر اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جسپر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے، اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب وہ آنحضرت کی مملوکۂ خاص ٹھہری تو اُس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہوگا، اور آنحضرت کے ورثہ اُسکے مستحق ہونگے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے، باوجود حضرت علیؓ کے طلب و تقاضے کے آل نبی کو اس سے محروم رکھا۔"

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاستِ مُدن کے اُصول، زیادہ صاف اور عام فہم ہوگئے ہیں یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرے میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی یا امام یا بادشاہ کے قبضہ میں جو مال یا جائداد ہوتی ہے اُسکی دو قسمیں ہیں ایک **مملوکۂ خاص** جسکے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا مثلاً حضرت داؤد زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے، یا عالمگیر قرآن لکھکر صبر کرتا تھا یہ آمدنی اُنکی ذاتی آمدنی تھی اور اُس پر ہر طرح کا اُنکو اختیار تھا دوسری **مملوکۂ حکومت** مثلاً حضرت داؤد کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری، یا امامت، یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اُسکا مالک یا متولی ہوتا ہے، یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے، مثلاً سلطان عبدالحمید خاں کے بعد، اُنکے ممالک مقبوضہ یا اُنکی جاگیر خالصہ، اُن کے بیٹے، بھائی، ماں بہن، وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی۔ بلکہ جو تخت نشین ہوگا اُسپر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا، مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اُس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت علیؓ اپنے زمانے میں اُسکے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ اُنکی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسینؓ و عباسؓ و محمد بن حنفیہ و زینب وغیرہ کو جو حضرت علیؓ کے وارث تھے اس کا کچھ کچھ حصہ سہام کے پڑتہ سے ملتا، بلکہ

صرف حضرت امام حسنؓ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علیؓ کے جانشین تھے
غرض یہ عام اور مسلّم قاعدہ ہے کہ جو جائداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے حاصل ہوتی ہے
وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اسکی کیفیت یہ ہے کہ
آنحضرت جب خیبر کی فتح سے پھرے، تو محیصہ بن مسعود انصاری کو۔ فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام
کے لیئے بھیجا۔ فدک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور انکا سردار یوشع بن نون نام ایک یہودی تھا۔
یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدھی زمین دینی منظور کی[1]۔ اُس وقت سے یہ باغ
اسلام کے قبضے میں آیا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائداد آنحضرت کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی
ہے۔ **فدک** کی ملکیتِ خاص کا دعوی اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہیں ہوا بلکہ
اس آیت کا مصداق ہے فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب لیکن کیا جو ممالک صلح سے ذریعے سے
قبضہ میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیتِ خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس
طرح قبضہ میں آئے کہ اُن پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا اُنکو کسی نے آنحضرت کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ
یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقاماتِ مفتوحہ کی نسبت کسی نے اِس قسم کا کبھی خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا
خصوصیت تھی جسکی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی؟ اِسکی حقیقت یہ ہے کہ اور مفتوحہ زمینیں علانیہ وقت
عام رہیں لیکن فدک کو آنحضرت نے اپنے مصارف کے لیئے مخصوص کر لیا تھا۔ اِس سے اس خیال کا موقع
مِلا کہ وہ آنحضرت کی جائداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید زیادہ اِس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی اور
اسلیئے اسپر اور لوگوں کو کسی قسم کا حق نہیں حاصل تھا لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں فدک کو بے شبہ
آنحضرت نے اپنے مصارف کے لیئے مخصوص کر لیا تھا لیکن کیونکر؟ اسکے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں

فکان نصف فدک خالصاً لرسول اللہ و کان یصرف ما یاتیہ منہا الی ابناء السبیل	یعنی آدھا فدک، خاص رسول اللہ کا تھا، آنحضرت اُس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے[2]۔

ایک اور روایت میں ہے۔

ان فدک کانت للنبی صلعم فکان ینفق منہا و یاکل و یعود علی فقراء بنی ھاشم و یزوج ایمھم[3]	یعنی فدک آنحضرت کا تھا آپ اُس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے اور اُنکی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔

[1] فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک [2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۹ [3] فتوح البلدان صفحہ ۳۱۔

بخاری وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت سال بھر کا اپنا خرچ اُس میں سے لیتے تھے باقی عام مسلمین کے مصالح میں دیتے تھے۔

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا مملوکہ نبوۃ ہونا ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کے لیے کوئی جائداد خالصہ کردیجاتی ہے اس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے **وقف** کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوئی اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر بھی ان اصول سے واقف تھے؟ اور اسی بنا پر انھوں نے **فدک** میں وراثت جاری نہیں کی یا یہ کہ یہ نکات بعد الوقوع ہیں۔؟

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمر نے صحابہ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ الخ استدلال کر کے صاف کہدیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں چنانچہ **فے** کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اُس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور خود حضرت عمر اسکے یہی معنی قرار دیتے تھے، آیت یہ ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ۔	اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہود بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اُس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے۔ بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر نے اس آیت کو پڑھکر کہا تھا کہ فکانت خالصۃ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری۔ باب الخمس، اور باب المغازی، اور باب المیراث، میں تفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر اس آیت کی بنا پر فدک وغیرہ کو آنحضرت کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اُسی قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا۔ جس طرح سلاطین کے مصارف کے لیے کوئی زمین خاص کر دیجاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ جاری نہیں ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اُس سے متمتع ہو سکتا ہے حضرت عمر کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بنا پر فدک کو آنحضرت کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی میں مذکور ہے۔

فکان رسول اللّٰہ ینفق علی اھلہ نفقۃ	آنحضرت اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے، باقی کو

سنتہم من ھذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعلہ مجعل مال اللّٰہ فعمل رسول اللّٰہ بذلک حیاتہ ثم توفی اللّٰہ نبیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللّٰہ فقبضھا ابوبکر فعمل فیھا بما عمل رسول اللّٰہ۔ ثم توفی اللّٰہ ابا بکر فکنت انا ولی ابی بکر فقبضتہا سنتین من امارتی اعمل فیہا بما عمل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبما عمل فیہا ابوبکر۔	خدا کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے آنحضرت نے زندگی بھر اسی پر عمل فرمایا۔ پھر وفات پائی تو ابوبکر نے کہا کہ میں جانشین ہوں۔ پس اُس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کارروائی کی جس طرح رسول اللہ کرتے تھے۔ پھر اُنھوں نے وفات پائی۔ تو میں ابوبکر کا جانشین ہوا پس میں نے اُس پر دو برس قبضہ رکھا۔ اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت کی ذاتی جائداد نہیں سمجھتے تھے (جس میں وراثت جاری ہو) اور اس وجہ سے اُس کے قبضہ کا مستحق صرف اُسکو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا جانشین ہو چنانچہ حضرت ابوبکر اور خود اپنے قبضہ کی یہ وجہ بتائی حضرت عمر نے یہ تقریر اُسوقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی اُنکے پاس فدک کے دعویدار ہو کر آئے تھے اور انھوں نے کہدیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرت کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے چنانچہ عراق کی فتح کے وقت، حضرت عمر نے اسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھکر یہ الفاظ کہے فھذہ عامۃ فی القری کلہا یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذوجہتین ہونا ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا چنانچہ حافظ ابن القیم نے زادالمعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اسبات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں[1] فھو ملک یخالف حکم غیرہ من المالکین وھذا النوع من الاموال ھو القسم الذی وقع بعدہ فیہ من النزاع ما وقع الی الیوم ولولا اشکال امرہ علیھم لما طلبت فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ صلعم میراثھا من ترکتہ وظنت انہ یورث عنہ ما کان ملکا لہ کسائر المالکین وخفی علیھا رضی اللّٰہ عنھا حقیقۃ الملک الذی لیس مما یورث عنہ۔

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو اُن مسائل کو کہ جو ابتدا سے آجتک معرکہ آرا رہے ہیں اور جن میں

[1] زادالمعاد صفحہ ۱۶۳ جلد دوم

بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا، حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محمل یہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصولِ سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات
اور
اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا، لیکن اسلام سے پہلے بھی عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت، و بلاغت قوۃ تقریر، شاعری، نسّابی، سپہگری، بہادری، آزادی، مقدم چیزیں تھیں، اور ریاست و افسری میں انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب میں کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا۔ اور عکاظ کے معرکوں نے اُسکو اور جلا دیدی تھی یہی قابلیت تھی جسکی وجہ سے قریش نے اُنکو سفارت کا منصب دیا تھا جو اُن لوگوں کے لیے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے اُنکے معمولی جملوں میں آرٹیری کا اثر اور برمحل فقرے جو اُنکے مُنہ سے نکلجاتے تھے اِن میں بلاغت کی روح پائی جاتی تھی۔ عمر بن معدیکرب کو جو پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی تھے اسلیئے متحیر ہو کر کہا "اللہ! اسکا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے" مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اسقدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ میں ابو عبیدہ نے جب اُنپر اعتراض کیا کہ آپ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں تو کسقدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ "ہاں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں" مختلف وقتوں میں جو خطبے اُنھوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے اُنکے زورِ تقریر و برجستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے، مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا، اُس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اللھم انی غلیظ فلینی اللھم انی ضعیف فقونی	اے خدا میں سخت ہوں مجکو نرم کر میں کمزور ہوں مجکو قوت دے۔

اَلَا وَاِنَّ الْعَرَبَ جَمَلٌ اَنِفٌ وَقَدْ اُعْطِیْتُ خِطَامَہٗ اَلَا وَاِنِّیْ حَامِلُہٗ عَلَی الْمَحَجَّۃِ۔	(قوم سے خطاب کرکے) ہاں! عرب والے سرکش اونٹ ہیں جنکی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، لیکن میں اُنکو رستہ پر چلاکر چھوڑوں گا۔

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب اُنھوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لیئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چُراتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد وہاں سے بلالیئے گئے تھے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ کے زور تقریر کا اثر تھا کہ مثنٰی شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع میں آگ سی لگ گئی، دمشق کے سفر میں **جابیہ** میں ہر قوم و ملت کے آدمی جمع تھے، عیسائیوں کا لارڈ بشپ تک شریک تھا، اُس کے ساتھ مختلف مذہب، اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا تھا مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے، فوج کے سامنے، خالد کی معزولی کا عذر کرنا تھا۔ ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک اُنکی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگوں کی زبانوں پر رہے فقہانے اُس سے فقہی مسائل استنباط کیئے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام لیا، ۲۳ھ میں جب حج کیا اور یہ اُنکا اخیر حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمر مرجائینگے تو میں طلحہ کے ہاتھ پر بیعت کرونگا، حضرت عمرؓ مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا اس واقعہ کی خبر ہوئی تو برافروختہ ہوکر فرمایا کہ آج رات کو میں اس مضمون پر خطبہ دونگا عبدالرحمن بن عوف نے عرض کی کہ امیر المومنین! حج کے مجمع میں ہر قسم کے بُرے بھلے آدمی جمع ہوتے ہیں، اگر آپنے یہاں تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کرسکیں گے۔ مدینہ چلکر خواص کے مجمع میں تقریر کیجیئے۔ وہ لوگ ہر بات کا پہلو سمجھ سکتے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ رائے تسلیم کی، آخر ذی الحجہ میں مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن۔ لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آکر جمع ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس زیادہ مشتاق تھے اسلیئے ممبر کے قریب جاکر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہوکر کہا کہ آج عمر ایسی تقریر کرینگے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہوسکتی ہے جو انھوں نے پہلے نہیں کہی؟ غرض اذان ہوچکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا۔ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری[1] میں مذکور ہے اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابوبکرؓ کے جواب، بیعت کی

[1] صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۰۹

حیثیت خلافت کی حقیقت کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھکر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھکر بالکل ذہن نشین ہوجاتا ہے کہ اسوقت جو کچھ ہوا وہی ہوجانا چاہیئے تھا اور وہی ہوسکتا تھا۔

ان مجمعوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں اُن میں اُنکے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ ساتھ ترجمہ کرتا جاتا تھا۔[1]

اگرچہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبے دیتے تھے لیکن معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے اُن میں تیار ہوکر جاتے تھے سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود اُنکا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہوکر گیا تھا"

حضرت عثمان جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے تو دفعۃً رُک گئے اور زبان نے یاری نہ دی اُسوقت یہ عذر کیا کہ ابوبکر و عمر خطبہ کے لیے تیار ہوکر آتے تھے اور آیندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔

نکاح کا خطبہ اچھا نہیں کہہ سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبے دے سکتے تھے لیکن اُنکا خود بیان ہے کہ نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔ عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمر کی اس معذوری کی وجہ پوچھی، اُس نے کہا نکاح کے خطبے میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی۔ بخلاف اسکے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اُسکے محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اسوجہ سے خود بخود اُسکی تقریر میں بلندی اور زور آجاتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اُسکی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے خطبے میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

پولٹیکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موعظت فخر و ادعا، قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پُرپیچ معاملات، خطبے میں نہیں آسکتے تھے، حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے پولٹیکل خطبے دیئے اسکے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اُس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبے کیلئے جو باتیں درکار ہیں

خطبہ کے لیے ملکۂ تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں جو درکار ہیں حضرت عمر میں سب موجود تھیں آواز بلند اور پُر رعب تھی، قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُنکے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں ایک موقع پر عمال کو مخاطب

---

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۳۰ حصہ دوم [2] کتاب البیان والتبیین للجاحظ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۰۔

کرکے جو خطبہ دیا اُسکے یہ الفاظ ہیں۔

انی لا اجد ھذا المال یصلحہ الا خلال ثلث۔ ان یوخذ بالحق ویعطی بالحق ویمنع من الباطل ولست ادع احدا یظلم احدا حتی اضع خدہ علی الارض واضع قدمی علی خدہ الاخر حتی یذعن للحق یا ایھا الناس ان اللہ عظم حقہ فوق حق خلقہ فقال فیما عظم من حقہ ولا یامرکم ان تتخذوا الملٰئکۃ ارباباً الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمۃ الھدی یھتدی بکم ولا تغلقوا الابواب دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم اور ایک خطبہ کے چند جملے یہ ہیں فانتم مستخلفون فی الارض قاھرون لاھلھا قد نصر اللہ دینکم فلم تصبح امۃ مخالفۃ لدینکم الا امتان۔ امۃ مستعبدۃ للاسلام واھلہ یتجزون لکم علیھم المونۃ ولکم المنفعۃ وامۃ ینتظر وقائع اللہ وسطواتہ فی کل یوم ولیلۃ قد ملاء اللہ قلوبھم رعبا۔ فلا دھمتھم جنود اللہ ونزلت بساحتھم۔ مع رفاھۃ العیش واستفاضۃ المال وتتابع البعوث وسد الثغور الخ

حضرت عمرؓ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ اِن فقروں پر ہوتا تھا اللھم لا تدعنی فی غمرۃ ولا تاخذنی علی غرۃ ولا تجعلنی مع الغافلین قوۃ تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی انکو کمال تھا۔ اِن کے فرامین، خطوط، دستور العمل، توقیعات، ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو تحریر جس مضمون پر ہے اُس باب میں بےنظیر ہے۔ چنانچہ ہم بعض بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔ قوت تحریر

ابوموسیٰ اشعری کے نام اما بعد فان للناس نفرۃ عن سلطانھم فاعوذ باللہ ان تدرکنی وایاک عمیاء مجھولۃ وضغائن محمولۃ واھواء متبعۃ کن من مال اللہ علی حذر وخف الفساق واجعلھم یدا یدا ورجلا رجلا واذا کانت بین القوم ثائرۃ یا لفلان یا لفلان فانما تلک نجوی الشیطان فاضربھم بالسیف حتی یفیئوا الی امر اللہ ویکون دعوتھم الی الاسلام۔

ایک اور تحریر ابوموسیٰ کے نام اما بعد فان القوۃ فی العمل ان لا توخروا عمل الیوم لغد فانکم اذا فعلتم ذلک تدارکت علیکم الاعمال فلم تدروا ایھا تاخذون فاضعتم۔

عمرو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کرکے بھیجا، تو اُنھوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی حضرت عمرؓ نے تاکید لکھی۔ عمرو بن العاص نے لیت ولعل کیا، حضرت عمرؓ نے غصہ میں آکر زجر و تہدید کا خط لکھا۔ عمرو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریریں مقریزی

سلہ ازالۃ الخفا ماخوذ از تاریخ طبری سلہ عقد الفرید خطبات عمرؓ ۲ سلہ کتاب الخراج صفحہ ۶۱۔

نے تاریخ مصر میں بعینہٖ نقل کی ہیں، انکے دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے بعض فقرے یہ ہیں وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ لَمْ يَمْنَعْكَ مِنْ ذٰلِكَ إِلَّا أَنَّ عُمَّالَكَ عُمَّالُ السُّوْءِ اِتَّخَذُوْكَ كَهْفًا وَعِنْدِيْ بِإِذْنِ اللّٰهِ دَوَاءٌ فِيْهِ شِفَاءٌ - اِنِّيْ عَجِبْتُ مِنْ كَثْرَةِ كُتُبِيْ اِلَيْكَ فِيْ اِبْطَائِكَ بِالْخَرَاجِ وَكِتَابِكَ اِلَيَّ بِبُنَيَّاتِ الطُّرُقِ عَمَّا اَسْأَلُكَ فِيْهِ فَلَا تَجْزَعْ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَنْ يُؤْخَذَ مِنْكَ الْحَقُّ وَتُعْطَاهُ فَاِنَّ النَّهْرَ يُخْرِجُ الدُّرَّ۔

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ اُنکی شہرت عام طور پر کم ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ شعر بہت کم کہتے تھے لیکن شعر و شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ انکی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعرا کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعرا کے کلام پر اُنکی خاص خاص رائیں تھیں اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ اُن کے زمانے میں اُن سے بڑھکر کوئی شعر کا پرکھنے والا نہ تھا، علامہ ابن رشیق القیروانی کتاب العمدہ میں جسکا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وکان من انقد اھل زمانہ للشعر و انفذھم فیہ معرفۃ۔[1]	یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھکر شعر کے نقاد اور ادا شناس تھے۔

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے۔

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر[2]　یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانے میں سب سے بڑھکر شعر کے شناسا تھے

نجاشی ایک شاعر تھا جسنے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کہی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ سے اُسکی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حَکَم قرار دیا اور جو فیصلہ اُنہوں نے کیا اُسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ خود شعر فہم نہ تھے اسلیئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی کہ وہ بدزبان شعرا کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے ورنہ شعر کے دقائق اُن سے بڑھکر کون سمجھ سکتا تھا۔[3]

حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعرا کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو اُنھوں نے سب میں انتخاب کیا تھا امرء القیس، زہیر، نابغہ ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اسکو اشعر الشعرا کہا کرتے تھے۔ اہل عرب اور علمار ادب کے نزدیک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا

حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعرا کہتے تھے۔

[1] کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفاء [2] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر صفحہ ۹ [3] دیکھو کتاب البیان والتبیین للجاحظ صفحہ ۹ و کتاب العمدہ باب تعرض الشعراء

سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی، جریر بھی اسی کا قائل تھا، ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعرا کے اشعار پڑھو عبداللہ بن عباسؓ نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی حضرت عمرؓ نے اُسکے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

لانه لا يتبع حوشي الكلام ولا يعاظل من المنطق ولا يقول الا ما يعرف ولا يمتدح الرجل الا بما يكون فيه ۔	وہ زہیر نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا اُسکے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور وہی مضمون کو باندھتا ہے جس کو وہ جانتا ہے کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اُس میں ہوتے ہیں۔

زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کی رائے

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اذا ابتدرت قيس بن عيلان غاية	من المجد من يسبق اليها يسود
ولو كان حمد يخلد الناس اخلدت	ولكن حمد الناس ليس بمخلد

ناقدین فن نے زہیر کا تمام کلام پڑھا جو خصوصیتیں ہمیں بتائی وہ یہ ہیں کہ اُس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اسکے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اُسکی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اسکے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا، حضرت عمرؓ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا، زہیر کا ممدوح، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا، اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم، دونوں کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور اُنکے دربار میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اُس نے ارشاد کی تعمیل کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا، اُس نے کہا ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہوگیا اور اُسکا دیا ہوا آج بھی باقی ہے،" زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے کیا ہوئے۔ اُسنے کہا بوسیدہ ہوگئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کیے تھے۔ زمانہ اُنکو بوسیدہ نہ کر سکا۔[1]

نابغہ کی نسبت

زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اُسکے اکثر اشعار اُنکو یاد تھے، امام شعبی کا بیان ہے

[1] آغانی تذکرہ زہیر۔

کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھکر شاعر کون ہے۔ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے فرمایا یہ شعر کس کا ہے؟

الا سلیمان اذ قال الالہ لہ	قم فی البریۃ فاحددھا عن الفند

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے۔

اتیتک عاریا خلقا ثیابی	علی خوف تظن بی الظنون

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ اشعار کس کے ہیں۔

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ	ولیس وراء اللہ للمرء مذھب

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ فرمایا وہ یہ شخص اشعر العرب[1] ہے۔

باایں ہمہ وہ امراء القیس کی اُستادی اور ایجاد مضامین سے منکر نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے شعراء کی نسبت اُنکی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سابقھم خسف لھم عین الشعر	وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا
وافتقر عن معان عور اصح بصر	اُسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا۔

اخیر کا فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراء القیس یمنی تھا اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر مانے جاتے تھے چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمر کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔

حضرت عمر کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لیکر پڑھتے تھے ایکدفعہ زہیر کے اشعار سُن رہے تھے، یہ شعر آیا۔

فان الحق مقطعہ ثلاث	یمین او نفار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کیے۔ ایک اور دفعہ ابن الطبیب کا لامیہ قصیدہ سُن رہے تھے اس شعر کو سن کر۔

والموت ساع لامر لیس یدرکہ	والعیش شح واشفاق وتامیل

پھڑک اُٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے، اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ سُنا تو بعض اشعار دیر تک دوہرایا کیے[2]۔

امراء القیس کی نسبت حضرت علی کی رائے

شعر کا ذوق

[1] آغانی تذکرہ نابغہ [2] کتاب العمدۃ باب المشاہیر من الشعراء [3] یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان التبیین صفحہ ۹۶ و ۵۸ میں نقل کی ہیں

اشعار

اگرچہ اُن کو مہماتِ خلافت کیوجہ سے اِن اشغال میں مصروف ہونیکا موقع نہیں ملسکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سیکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے علمائے ادب کا بیان ہے کہ اُنکے حفظ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری، آزادی، اشرافت نفس، حمیت، غیرت کے مضامین ہوتے تھے اسی بناپر اُمرائے فوج اور عمال اضلاع کو حکم بھیجدیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

مر من قبلك بتعلم الشعر فانه يدل على معالي الاخلاق وصواب الرأي ومعرفة الانساب	لوگوں کو اشعار کے یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف رستہ دکھاتے ہیں

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اُسکے یہ الفاظ تھے[1]

اشعار کی تعلیم کیا واسطے حکم

علموا اولادكم العوم والفروسية ورووهم ما سار من المثل وحسن من الشعر۔	اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔

شاعری کی اصلاح

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے اُسوقت تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعرا شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے اور اُن سے اپنا عشق جتاتے تھے حضرت عمرؓ نے اس رسم کو بالکل مٹا دیا اور اسکی سخت سزا مقرر کی۔ اسی طرح ہجوگوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حطیئہ کو جو مشہور ہجوگو تھا اس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ

لطیفہ۔ بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ تھا۔ ایک شاعر نے اُنکی ہجو لکھی، اُنھوں نے حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟ اُنھوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا الله عادى اهل لوم ورقة	فعادى بني العجلان رهط ابن مقبل
خدا اگر کمینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے	تو قبیلۂ عجلان کو بھی دشمن رکھے

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو ہجو نہیں بددعا ہے اور ممکن ہے کہ خدا اُسکو قبول نہ کرے۔ اُنھوں نے دوسرا شعر پڑھا

قبيلتهم لا يغدرون بذمة	ولا يظلمون الناس حبة خردل
یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا	اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۹۲

حضرت عمرؓ نے فرمایا "کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا، حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

اذا اصدر الوارد عن کل منھل	ولا یردون الماء الا عشیۃ
جب اور لوگ واپس آ چکتے ہیں	یہ لوگ پشمے یا کوئیں پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک مفلس اور کمزور لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ شعر سن کر کہا کہ بھیڑیے سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے" انھوں نے آخر یہ شعر پڑھا۔

خذ القعب واحلب ایھا العبد واعجل	وما سمی العجلان الا لقولھم
کہ اے غلام! پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دوہ لا	اسکا نام عجلان اس لیے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے

حضرت نے فرمایا "سید القوم خادمھم"

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، حضرت عمرؓ کا خانہ زاد علم تھا، یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا، اُن کے باپ خطاب مشہور نساب تھے۔ حضرت عمرؓ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر انکا حوالہ دیا کرتے تھے۔ خطاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں، لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر انھوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور چونکہ مسلمان عبری نہیں جانتے تھے اسلئے یہودی پڑھکر سناتے عربی میں ترجمہ کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ۔

علم الانساب

عبرانی زبان سے واقفیت

کان اھل الکتاب یقرؤن التوراۃ بالعبرانیۃ	یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور
ویفسرونھا بالعربیۃ لاھل الاسلام	مسلمانوں کیلئے عربی میں اُس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے

مسند دارمی میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اسکو پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ اس قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اسقدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

سلہ صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۹۴ سلہ مسند دارمی مطبوعہ کانپور صفحہ ۶۲

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جسدن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمر اکثر شریک ہوتے تھے، انکا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن اسکے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمھارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو[1]

حضرت عمر کی نقادی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا یعنی جسقدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے، اُسی قدر اُنکے بیہودہ افسانوں اور قصّوں سے انکو نفرت ہوتی گئی نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمر نے لوگوں کو نہایت سختی سے اُنکے پڑھنے سے روکا، اُنکی ذہانت اور طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ اُنکے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جسکا ذکر علمی کمالات میں اُوپر گزر چکا۔ لیکن اُنکی معمولی سے معمولی باتیں بھی ذہانت و طباعی سے خالی نہیں ہوتی تھی چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

ذہانت وطباعی

حضرت عمار بن یاسر کو جب اُنھوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزرا تھا کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہیں حضرت عمر نے اُنکو واپس بلالیا اور کہا کہ میں خود بھی اسبات کو جانتا تھا لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید خدا آپ کو اس آیت کا مصداق بنائے۔

وَنُرِیدُ اَن نَّمُنَّ عَلَی الَّذِینَ اسْتُضْعِفُوا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِینَ	ہم چاہتے ہیں کہ اُن لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور اُن کو امام اور زمین کا وارث بنائیں۔

ایکدفعہ ایک شخص کو دُعا مانگتے سُنا کہ "خدایا مجکو فتنوں سے بچانا"، فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ خدا تمکو آل و اولاد نہ دے۔ خدا نے قرآن مجید میں آل و اولاد کو فتنہ کہا ہے انما اموالکم و اولادکم فتنة

ایکدفعہ ایک شخص سے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں؟ اُنکی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کیوں نہیں، خدا خود فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِی یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	وہ (خدا) وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے۔

[1] کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اول صفحہ ۲۲۴ [2] تاریخ طبری واقعہ عزل عمار بن یاسر [3] ازالۃ الخفا صفحہ ۲۰۵

حکیمانہ مقولے

اُن کے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ میں کثرت سے نقل کیئے ہیں، نمونہ کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کیئے جاتے ہیں۔

مقولہ	ترجمہ
مَنْ كَتَمَ سِرَّهُ كَانَ الْخِيَارُ فِي يَدِهِ	جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے
اِتَّقُوا مَنْ تُبْغِضُهُ قُلُوبُكُمْ	جس سے تم کو نفرت ہو اُس سے ڈرتے رہو۔
أَعْقَلُ النَّاسِ أَعْذَرُهُمْ لِلنَّاسِ	سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کرسکتا ہو
لَا تُؤَخِّرْ عَمَلَ يَوْمِكَ إِلَى غَدِكَ	آج کا کام کل پر اُٹھا نہ رکھو۔
أَبَتِ الدَّرَاهِمُ إِلَّا أَنْ تُخْرِجَ أَعْنَاقَهَا	روپیہ، سر اونچا کیئے بغیر نہیں رہتے۔
مَا أَدْبَرَ شَيْءٌ فَمَا أَقْبَلَ	جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی۔
مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الشَّرَّ وَقَعَ فِيهِ	جو شخص برائی سے بالکل واقف نہیں۔ وہ برائی میں مبتلا ہوگا
مَا سَأَلَنِي رَجُلٌ إِلَّا تَبَيَّنَ لِي فِي عَقْلِهِ	جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجکو اسکی عقل کا اندازہ معلوم ہوجاتا ہے
(دوسرے مخاطب کرکے) لا يلهك الناس عن نفسك	لوگوں کی فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ۔
أَقْلِلْ مِنَ الدُّنْيَا تَعِشْ حُرًّا	دُنیا تھوڑی سی لو۔ تو آزادانہ بسر کرسکوگے۔
تَرْكُ الْخَطِيئَةِ أَسْهَلُ مِنْ مُعَالَجَةِ التَّوْبَةِ	توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔
لِي عَلَى كُلِّ خَائِنٍ أَمِينَانِ الْمَاءُ وَالطِّينُ	ہر بددیانت پر میرے دو داروغے متعین ہیں۔ آب و گل۔
لَوْ أَنَّ الصَّبْرَ وَالشُّكْرَ بَعِيرَانِ مَا بَالَيْتُ عَلَى أَيِّهِمَا رَكِبْتُ۔	اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اسکی پروا نہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔
رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا أَهْدَى إِلَيَّ عُيُوبِي	خدا اُس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفے بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)

صائب الرائے ہونا

رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے، تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُنکا گمان ہوتا تھا[1]، اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ اُنکی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آجتک قائم ہیں۔ نماز کے اعلان کے لیے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں، کسی نے ناقوس کا نام لیا، کسی نے تُرہی کی رائے دی، حضرت عمر نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے، آنحضرت نے اُسیوقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں، چنانچہ یہ

اذان کا طریقہ حضرت عمر کی رائے سے قائم ہوا

[1] صحیح بخاری باب اسلام عمر ۱۲

پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا، اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لیئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ موثر اور موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔

اسیران بدر

اسیران بدر کے معاملہ میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمرؓ نے جو رائے دی، وحی اُنہی کے موافق آئی۔

ازواج مطہرات کا پردہ

آنحضرت کے ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں، حضرت عمرؓ کو اس پر بار بار خیال ہوا اور انہوں نے آنحضرت سے عرض کیا لیکن آنحضرت وحی کا انتظار فرماتے تھے، چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جسکو آیت حجاب کہتے ہیں۔

منافقوں پر نماز جنازہ

عبداللہ بن اُبی جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرا تو آنحضرت نے خلق نبوی کی بنا پر اُسکے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمرؓ نے نہایت الحاح سے عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازہ پر نماز پڑھتے ہیں؟ اسی پر یہ آیت اُتری، ولا تصل علی احد منہم۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدوّن و مرتب ہوا اور نہ حضرت ابوبکرؓ اور زید بن ثابت دبیر وحی، دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔ تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوا باستثنا بعض موقعوں کے عموماً حضرت عمرؓ ہی کی رائیں صائب نکلیں۔ ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق الرائے[1] تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں، ایک حضرت عمرؓ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے انکی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے حضرت عمرؓ نے حقوق و کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں صاحبوں نے اُمہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز کیا۔ حضرت عمرؓ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

قابلیت خلافت کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے۔ نکتہ سنجی اور غور رسی

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون اس بار گران کو اٹھا سکتا ہے تو چھ صاحبوں کے نام لیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ایک سے متعلق خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں، وہ ہر کام میں غور و فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ انکا قول

---

[1] قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب استشار الناس فی السواد حین افتتح فرأی عامتہم ان یقسمہ دوسری جگہ لکھتے ہیں ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و جماعۃ المسلمین ارادوا عمر بن الخطاب ان یقسم الشام الخ (کتاب مذکور صفحہ ۱۵)

لا یُعجِبنکُم مِنَ الرَّجُلِ طَنطَنَتُہٗ [۵۱]	یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سُن کر دھوکے میں آؤ۔
لا تنظُرُوا الیٰ صَلوٰتِہٖ احدٍ و لا صِیامِہٖ ولکِن انظُرُوا الیٰ عَقلِہٖ وَصِدقِہٖ	یعنی آدمی کے نماز روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اُس کی سچائی اور عقل کو دیکھو۔

ایکدفعہ ایک شخص نے اُنکے سامنے کسیکی تعریف کی، فرمایا کہ تم نے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اُسنے کہا نہیں، پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اُسنے کہا نہیں، فرمایا کہ تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں [۵۲]۔ روایات کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی کہ محدثین جس شخص کو ظاہر میں زاہد اور پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اُس سے روایت شروع کر دیتے تھے عبد الکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایۃ شخص تھا اُس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں اُنھوں نے فرمایا کہ

غرّنی بکثرۃ جلوسہ فی المسجد	یعنی اسکی بات نے دھوکا دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔ [۵۳]

زہد و قناعت

دن کو مہمات خلافت کیوجہ سے کم فرصت ملتی تھی اسلیئے عبادت کا وقت رات کو مقرر کیا تھا معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے رہتے، جب صبح ہونیکو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وَاْمُرْ اَھْلَكَ بِالصَّلٰوۃِ فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ آیتیں پڑھتے عبد اللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایکدفعہ انکے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انھوں نے سورہ یوسف تمام جماعت اور سورہ حج پڑھی تھی یونس، کہف، ہود کا پڑھنا بھی اُن سے مروی ہے۔ نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اسکو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں کوئی ضروری کام آپڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اُسکو انجام دیتے، ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں کہ ایک شخص صف سے نکلکر انکی طرف بڑھا۔ وہ اُسکی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اُس سے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو تو تب نماز پڑھو بعض اوقات، جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اسقدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا خود اُنکا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوتا ہوں اور فوجیں تیار کیا کرتا ہوں، ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے نماز میں

[۵۱] یہ قول ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۹۷ میں نقل کیا ہے [۵۲] فتح المغیث صفحہ ۱۲۸ [۵۳] مؤطا امام مالک

[۵۴] ازالۃ الخفا بحوالہ مصنف بن ابی شیبۃ صفحہ (۹۰)

بحرین سے جزیہ کا حساب[1] کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے یہ آیت فَلْیَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ آئی تو کعبہ کیطرف انگلی اُٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں اسقدر اشارہ کرنا جائز[2] ہے۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے موطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اُسوقت پہنچے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمرؓ نے اُنکی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ اُنھوں نے کہا میں بازار سے آرہا تھا کہ اذان سنی، فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔ ابو بکر ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے لیکن انہی کی یہ بھی روایت ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم الدہر ہے تو اُسکے مارنے کے لیئے درہ[3] اُٹھایا

روزہ

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

حج

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اسکا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ تم اسپر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ کیخدمت میں ہر جگہ موجود رہے۔ ان تمام باتوں کا صلہ ہمکو یہ ملے کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں یعنی ہمکو ثواب ملے نہ عذاب" ابو موسیٰ نے کہا نہیں میں تو ہرگز اسپر راضی نہیں، ہمنے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہمکو بہت کچھ اُمید ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسیقدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں مرنیکے وقت یہ شعر پڑھتے تھے

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم	اُصلی الصلٰوة کلھا و اصوم
میں نے اپنی جان پر ظلم کیئے ہیں۔ ہاں اتنا ہے	کہ مسلمان ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں

حضرت عمرؓ اگرچہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد متقشف نہ تھے اور آجکل کے مقدس لوگوں کی طرح تعصب اور سختی نہ تھی۔ ہمارے علماء عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام شافعی اور امام بخاری نے روایت کی ہے کہ توضا من ماء فی جرة نصرانیة بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے توضأ عمر من ماء

بے تعصبی

[1] ازالۃ الخفا بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ [2] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۹ [3] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۰۰ [4] ازالۃ الخفا صفحہ ۷۰ جلد دوم [5] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۳۸

فی جبن نصرانیۃ اور حضرت عمر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہیں اُسکو کھاؤ[1]
عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آجکل مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمر نے معاہدات میں یہ قاعدہ
داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گذر ہو تو عیسائی اُسکو تین دن مہمان رکھیں آجکل غیر قوموں سے عداوت
اور ضد رکھنے کی تعلیم دیجاتی ہے لیکن حضرت عمر کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا
کو نہ بھولے چنانچہ انکی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں
مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ
(یعنی وہ عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے
تھے چنانچہ شاہ صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں "و از انجملہ آنکہ باحسان اہل ذمہ تاکید فرمود[2]"
محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر اپنے افسروں کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے سے
بہت منع کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کر لیا ہے لیکن جس
شخص نے محب طبری کی کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ انکی روایتوں
کا کیا پایہ ہے۔ ان بزرگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ عراق، مصر، شام۔ کا دفتر مالگذاری جسقدر تھا سُریانی و
قبطی وغیرہ میں تھا اور اسوجہ سے دفتر مالگذاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی تھے۔ ملازمت اور خدمت
ایک طرف حضرت عمر نے تو فرائض کی ترتیب اور درستی کے لیے ایک رومی عیسائی کو مدینہ
منورہ میں طلب کیا تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بتصریح لکھا ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں

ابعث الینا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا — ہمارے پاس ایک رومی بھیجدو جو فرائض کے حساب کو درست کرے

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معظمہ میں نہیں جا سکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن
حضرت عمر کے زمانہ میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ معظمہ جاتے تھے اور جبتک چاہتے تھے مقیم
رہتے تھے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل[3] کئے ہیں۔ آجکل یورپ
والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں اُنکو سمجھنا چاہیئے کہ آجکا زمانہ اسلام کی اصلی
تصویر نہیں ہے اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔

علمی صحبتیں

حضرت عمر کی مجلس میں اکثر مسائل علمی پر گفتگو ہوا کرتی تھی ایکبار اصحاب بدر (وہ صحابہ جو جنگ

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۴۰ جلد دوم [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۳۰۷ جلد دوم [3] کتاب الخراج صفحہ ۷۷ و ۹۰۔

بدر میں رسول اللہ کے شریک تھے، مجلس میں شریک تھے حضرت عمر نے، مجمع صحابہ کیطرف خطاب کر کے کہا کہ اذا جاء نصر اللہ والفتح سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں، بعض بالکل چپ رہے حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا انھوں نے کہا اس میں آنحضرت کی وفات کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محمد! جب فتح و نصرت آچکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے اسلیئے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ بے شبہہ خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا بھی خیال ہے[1]۔

ایک دن اور صحابہ کا مجمع تھا، عبداللہ بن عباس بھی شریک تھے، حضرت عمر نے اس آیت کے معنی پوچھے ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ لوگوں نے کہا خدا زیادہ جانتا ہے حضرت عمر کو اس لا حاصل جواب پر غصہ آیا اور کہا نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیئے کہ نہیں معلوم ہے عبداللہ ابن عباس آیت کے صحیح معنے جانتے تھے۔ لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے۔ حضرت عمر نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔ عبداللہ بن عباس نے کہا خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے، چونکہ جواب ناتمام تھا حضرت عمر نے اسپر قناعت نہ کی۔ لیکن عبداللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمر نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جسکو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے لیکن اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے[2]۔

ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عمر کے سامنے آئے، حضرت عمر نے سزا دینی چاہی انھوں نے کہا کہ قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ پر سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے؛ پھر یہ آیت

لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا	یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کیئے انھوں نے جو کچھ کھایا پیا، ان پر الزام نہیں۔

استدلال میں پیش کر کے کہا کہ میں بدر، حدیبیہ، خندق، اور دیگر غزوات میں آنحضرت کے ساتھ رہا ہوں اس لیئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنھوں نے اچھے کام کیئے؛ حضرت عمر نے صحابہ کیطرف دیکھا عبداللہ بن عباس بولے کہ یہ معافی تو پچھلے زمانے کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی

[1] صحیح بخاری تفسیر اذا جاء۔ [2] صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۶۰۱

حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی اُنکے اور اعمال اگر صالح ہیں تو اُن پر کچھ الزام نہیں اسکے بعد یہ آیت پڑھی جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے[۱]۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہلِ علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ نوعمر اور معمروں کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے[۲]۔

وکان القراء اصحاب مجالس عمر ومشاورته کهولا کانوا او شبانا۔	یعنی حضرت عمرؓ کے اہلِ مجلس اور اہلِ مشورہ علما تھے خواہ بوڑھے ہوں خواہ جوان۔

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منقح ہوا اور جو فقہ عمری کہلاتا ہے۔ انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے ارکان، اُبی بن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد الرحمن بن عوف، حر بن قیس تھے۔ حضرت عمر ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے۔ تو حسبِ مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے۔ یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر اُن سے قریب رتبہ والے وعلیٰ ھذا لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص اُن لوگوں کے لیے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے چنانچہ عبد اللہ بن عباس کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا تھا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں[۳]۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمر اُن کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی و زیادتی پر نہیں ہے[۴]۔ عبد اللہ بن عباس اُسوقت بالکل نوجوان تھے، اُن کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی حضرت عمر نے اُنکی خصوصیت کی وجہ بتائی اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبد اللہ بن عباس کے کسی شخص نے صحیح نہیں دیا عبد اللہ بن مسعود کی بھی نہایت قدر کرتے تھے سنہ ۲۱ھ میں جب اُنکو کوفہ کا مفتی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہلِ کوفہ کو لکھا کہ میں اُنکو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ اُنکو اپنے

۱ ازالۃ الخفا بحوالہ روایت حاکم صفحہ ۲۱۳ ۲ صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۹۶۹۔ بغوی نے زہری سے روایت کی ہے کان مجلس عمر مغاصا من القراء ازالۃ الخفا ۱۱۹، ۳ فتح الباری شرح صحیح بخاری تفسیر اذا جاء نصر اللہ ۴ ازالۃ الخفا بحوالہ بغوی صفحہ ۱۱۹

پاس سے جدا کرتا ہوں"۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعودؓ نے حل کیا تو انکی شان میں فرمایا۔

کنیفٌ مُلِئَ علماً	ترجمہ ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص انکا ہمسر نہ تھا تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خورد بزرگ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اُبی بن کعب کی نہایت تعظیم کرتے تھے، اور اُن سے ڈرتے تھے اُبی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا"۔ زید بن ثابت کو اکثر اپنی غیبت میں اپنا جانشین کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر انکو عطا کرتے تھے۔ اسی طرح ابوعبیدہؓ سلمان فارسی، عمیر بن سعد، ابوموسیٰ اشعری، سالم، ابودردا، عمران بن حصین وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بنا پر مقرر کئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں، ابوذر غفاری، جنگ بدر میں شریک نہ تھے لیکن انکا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا اس بنا پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

اُنکی قدردانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اُسکے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہب الجمحی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بنا پر مقرر کیا کہ وہ پُرخطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ خارجہ بن حذافہ اور عثمان بن ابی العاص کے وظیفے اس بنا پر مقرر کئے کہ خارجہ بہادر اور عثمان، نہایت فیاض تھے۔

لطیفہ ایکدفعہ مغیرہ بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جسقدر شعرا ہیں اُنکے وہ اشعار جو اُنھوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں، لکھوا کر بھیجو مغیرہ نے پہلے اغلب عجلی کو بلوایا اور شعر پڑھنے کی فرمایش کی۔ اُس نے یہ شعر پڑھا۔

اَقَدْ طَلَبْتَ هَيِّنًا مَوْجُودًا	اَرَجَزًا تُرِيدُ اَمْ قَصِيدًا
تم نے بہت آسان چیز کی فرمایش کی	بولو! قصیدہ چاہتے ہو یا رجز؟

پھر لبید کو بلا کر یہ حکم سنایا، وہ سورۂ بقر لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجکو یہ عنایت کیا ہے مغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی، وہاں سے جواب آیا کہ اغلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینہ

سلہ سیرۃ العمرین لابن الجوزی سلہ۲ فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶ سلہ۳ کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۱۷۔

میں پانسو کا اضافہ کر دو، اغلب نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہی صلہ ہے!
حضرت عمرؓ نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اُسکی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔
اُس زمانے میں جسقدر اہل کمال تھے، مثلاً شعرا، خطبا، نساب، پہلوان، بہادر، سب اُسکے
دربار میں گئے اور اُنکی قدردانی سے مشکور ہوئے، اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جسکے
بھائی کو ابوبکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالد نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اُسکو
اسقدر صدمہ پہنچایا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا، جس طرف سے نکل جاتا زن و مرد اُسکے گرد جمع
ہوجاتے اور اُس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے، مرثیہ پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا اور سبکو رلاتا جاتا حضرت
عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپنے مرثیہ پڑھنے کی فرمایش کی اُسنے چند شعر پڑھے آخر کے شعر یہ تھے۔

وَکُنَّا کَنَدْمَانَیْ جَذِیْمَۃَ حِقْبَۃً	مِنَ الدَّھْرِ حَتّٰی قِیْلَ لَنْ یَّتَصَدَّعَا
ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے)	کے ندیموں کی طرح ساتھ رہے یہانتک کہ لوگوں نے کہا کہ اب یہ جدا نہونگے
فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا کَاَنِّیْ وَمَالِکًا	لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَیْلَۃً مَعًا
پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے	تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی

حضرت عمرؓ نے متمم سے خطاب کر کے کہا اگر مجکو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا۔
اُسنے کہا امیر المومنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہوکر) مارا جاتا تو میں ہرگز
اُسکا ماتم نہ کرتا، حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی
اِسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ **خنسا** تھی، اُسکا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیہ
کے سوا اور کچھ نہیں ہے علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آجتک خنساء کا مثل نہیں پیدا
ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو کعبہ میں روتے اور چیختے دیکھا، پاس جاکر تعزیت و تسلی کی اور جب اُسکے
چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنخواہیں اُسکے نام جاری کر دیں۔
پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلیحہ بن خالد اور عمرو معدیکرب عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار
سوار کے برابر مانے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا اور قادسیہ کے معرکہ
میں جب انکو بھیجا تو سعد بن وقاص کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں، عمرو معدیکرب پہلوانی
کے ساتھ خطیب اور شاعر بھی تھے حضرت عمرؓ اکثر ان سے فنونِ حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ

ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کیے اور عمرو معدیکرب نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اُسکو اہلِ ادب نے عموماً اور مسعودی مروج الذہب میں متفصیل لکھا ہے، چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اَخوكَ وَرُبَّمَا خَانَكَ	یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دیجاتا ہے
پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا۔	
بُرُدُ المنایا تُخطِئُ وَتُصِیبُ	یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی بھک جاتے ہیں

ڈھال کی نسبت کہا علَیهِ تَدُورُ الدَّوائِرُ اسی طرح ایک ایک ہتیار کی نسبت عجب عجب بلیغ فقرے استعمال کیے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمر کے اس طریق عمل سے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کردیا اور حضرت عمر نے اُنکی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لیے۔

متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس ولحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبد الرحمن بن عوف وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آنحضرت کے تعلقات کے قرب و بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اُسمیں بھی حضرت عباس و حضرت علی کے ناموں سے ابتدا کی۔ بنو ہاشم کے بعد، آنحضرت سے نسب میں قریب بنو اُمیہ تھے۔ پھر بنو عبد الشمس و بنو نوفل پھر عبد العزیٰ یہانتک کہ حضرت عمر کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجہ میں پڑتا تھا، چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے حضرت امام حسن وحسین علیہما السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن اُنکی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں۔ رسول اللہ کی ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبد اللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلعم اُسامہ کو تجھ سے اور اُسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت علی کے ساتھ حضرت ابوبکر کے ابتدائے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسیقدر شکر رنجی رہی جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکر کی خلافت پر بیعت نہیں کی چنانچہ

سلہ یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و ۲۵ میں ہے۔

صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ زہرا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علی نے حضرت ابوبکر کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن جب یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں کیونکہ حضرت علی، حضرت عمر کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے[۱]

لیکن جب رفتہ رفتہ حضرت علی کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی، چنانچہ حضرت عمر بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے نہاوند کے معرکہ میں اُنکو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا لیکن اُنھوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت اُنہی کے ہاتھ میں دیکر گئے اتحاد اور یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علی نے حضرت اُم کلثوم کو جو فاطمہ زہرا کے بطن سے تھیں اُنکے عقد میں دیدیا چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔ اُنکے اخلاق و عادات کے بیان میں مؤرخوں نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان قایم کیا ہے اور درحقیقت اُنکی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرّہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے اُنکی زندگی کی تصویر کا ایک رُخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے، خالد و امیر معاویہ سے باز پرس ہے، سعد وقاص، ابوموسیٰ اشعری، عمرو بن العاص کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں، دوسرا رخ یہ کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے! سر پر پھٹا سا عمامہ ہے، پانوں میں پھٹی جوتیاں ہیں پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لیے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرنا ہے یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اسلیئے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے۔ بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ جہاں ٹھیرے کسی درخت پر چادر ڈالدی اور اُسی کے سایہ میں پڑ رہے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ اُنکا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جسکے کم و بیش ۱۰ ہوتے ہیں۔ ایکدفعہ احنف بن قیس، سارعرب کے ساتھ اُنکے ملنے کو گئے۔ دیکھا تو دامن چڑھائے ادھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ احنف کو دیکھکر کہا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو، ایک اُونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے، ایک شخص نے کہا امیرالمومنین آپ کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے کہ وہ ڈھونڈ لائیگا فرمایا اَیُّ عَبْدٍ اَعْبَدُ مِنِّی یعنی "مجھ سے بڑھکر کون غلام ہو سکتا ہے"

موطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچکر قضائے حاجت کے لیئے سواری

---

[۱] بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کراہیۃ المحضر عمر ۔ کتاب مذکور صفحہ ۳۸۰۔

سے اُترے اسلم انکا غلام بھی ساتھ تھا، فارغ ہو کر آئے تو دبھولکر یا کسی مصلحت سے) اسلم کے اونٹ پر سوار ہوگئے۔ اِدھر اہل شام استقبال کو آرہے تھے جو آتا پہلے اسلم کیطرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر کیطرف اشارہ کرتا تھا، لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں دحیرت سے) سرگوشیاں کرتے تھے حضرت عمر نے فرمایا کہ انکی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈھ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں؟)

ایکدفعہ خطبہ میں کہا کہ صاحبو! ایک زمانے میں میں اسقدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا وہ اُسکے صلے میں مجکو چھوہارے دیتے تھے وہی کھاکر بسر کرتا تھا، یہ کہکر ممبر سے اُتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ ممبر پر کہنے کی کیا بات تھی، فرمایا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آگیا تھا، یہ اُسکی دوا تھی۔

سنہ ۲۳ھ میں سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اُنکی سطوت وجبروت کا آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا، سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گزرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے انکا بیان ہے کہ حضرت عمر جب ابطح میں پہنچے تو سنگریزے سمیٹ کر اُسپر کپڑا ڈال دیا اور اُسیکو تکیہ بناکر فرش خاک پر لیٹ گئے، پھر آسمان کیطرف ہاتھ اُٹھائے اور کہا کہ خدا! اب میری عمر زیادہ ہوگئی اور قوی کمزور ہوگئے اب مجکو دنیا سے اُٹھالے[1]۔ اگرچہ خلافت کے افکار نے اُنکو خشک مزاج بنا دیا تھا لیکن یہ اُنکی طبعی حالت نہ تھی، کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایکدفعہ حضرت عبداللہ بن عباس سے رات بھر اشعار پڑھوا کیے، جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ «اب قرآن پڑھو» محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایکطرف سے گانے کی آواز آئی، اُدھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سُنتے رہے ایکدفعہ سفر حج میں حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر وغیرہ ساتھ تھے عبداللہ بن زبیر اپنے ہمسنوں کے ساتھ چہل کرتے اور حنظل کے دانے اُچھالتے چلتے تھے۔ حضرت عمر صرف اسقدر فرماتے تھے کہ دیکھو اُونٹ بھڑکنے نہ پائیں۔ لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمایش کی وہ حضرت عمر کے خیال سے رُکے، لیکن جب حضرت عمر نے کچھ ناراضی ظاہر نہ کی تو رباح نے گانا شروع کیا، حضرت عمر بھی سُنتے رہے، جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ «بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے»[2]۔ ایکدفعہ سفر حج میں ایک سوار گاتا جاتا تھا لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ اسکو منع نہیں کرتے، فرمایا کہ «گانا شتر سواروں کا زاد راہ ہے»[3]۔ خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ سفر میں حضرت عمر کے ساتھ تھا، ابوعبیدہ اور عبدالرحمن بن عوف بھی ہمرکاب تھے لوگوں نے مجھ سے فرمایش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ، حضرت عمر نے

زندہ دلی

[1] موطا امام محمد صفحہ ۳۰ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۳ [3] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۵۰

فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔[1]

مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسّم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدّتوں تک اسکا اثر نہیں گیا۔

غزوۂ بدر میں آنحضرت نے فرمایا کہ مجھکو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کرکے اپنے ساتھ لیا ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے۔ اس لیئے اگر ابو البختری، یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو انکو قتل نکرنا۔ ابو حذیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے واللہ اگر عباس مجھکو ہاتھ آ گئے تو میں انکو تلوار کا مزا چکھاؤنگا۔ آنحضرت کو انکی یہ گستاخی ناگوار گزری حضرت عمر کیطرف مخاطب ہوکر فرمایا۔ ابو حفص! (حضرت عمر کی کنیت تھی) دیکھتے ہو! عم رسول اللہ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمر آپے سے باہر ہوگئے اور کہا اجازت دیجئے کہ میں اسکا سر اُڑا دوں" حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ انکی زبان سے نکل گیا تھا چنانچہ آنحضرت نے انسے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔ حاطب بن ابلتعہ ایک معزز صحابی تھے، اور غزوۂ بدر میں شریک رہے تھے انھوں نے ایکدفعہ ضرورت سے، کفار مکہ سے خفیہ خط وکتابت کی، یہ راز کھل گیا، حضرت عمر برافروختہ ہو کر آنحضرت کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہوگیا، مجھکو اجازت دیجئے کہ اسکو قتل کردوں آنحضرت نے فرمایا ابن الخطاب تمکو کیا معلوم ہے خدا نے شاید اہل بدر سے کہدیا ہو کہ تم جو چاہو کرو۔ میں سب معاف کردونگا، ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایکدفعہ آنحضرت سے گستاخانہ کہا کہ "محمد! عدل اختیار کر"، حضرت عمر غصے سے بیتاب ہوگئے اور چاہا کہ اسکو قتل کر دیں لیکن حضرت نے منع کیا۔ ان واقعات سے تمکو اندازہ ہوگا کہ کس طرح ہر موقعہ پر انکی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی، اور کافر تو کافر، خود مسلمانوں کے ساتھ انکا کیا سلوک تھا، لیکن اسلام کی برکت، اور عمر کے انحطاط، اور خلافت کی مہمات نے انکو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور حلیم بنا دیا یہانتک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحم دلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے، آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے ٭

آل و اولاد کے ساتھ محبت

انکی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں قرائن سے اسقدر ثابت ہے کہ وہ ازواج اور اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کیساتھ انکو بالکل شغف نہ تھا جسکی وجہ زیادہ یہ بھی کہ وہ عورتوں کی جسقدر عزت کرنی چاہیئے نہیں کرتے تھے صحیح بخاری باب اللباس میں خود انکا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے جب قرآن نازل ہوا

[1] ازالۃ الخفا بحوالہ ابو عمر صفحہ ۱۴۴۔

اور اُس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں تاہم ہم اُنکو معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔ اسی روایت میں ہے کہ ایکدفعہ اُنھوں نے اپنی بیوی کو سخت کہا اُنھوں نے بھی برابر کا جواب دیا آپ نے کہا کہ اب تمھارا یہ رتبہ پہنچا وہ بولیں تمھاری بیٹی تو رسول اللہ سے دو بدو ایسی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی ایک بیوی جمیلہ تھیں اُنکے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اُنکو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ تھا، اور حضرت عمرؓ قبا سے جہاں پہلے رہتے تھے اُٹھکر مدینے میں آگئے تھے۔ ایکدن اتفاق سے قبا کی طرف جا نکلے۔ عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت عمرؓ نے اُنکو پکڑکر اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور ساتھ لیجانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی۔ وہ آنکر مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہی میں اپنے ساتھ رکھونگی، جھگڑا طول کھینچا اور وہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاں فریادی آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے، حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لیئے وہ مجبور رہ گئے۔ یہ واقعہ موطا امام مالک وغیرہ میں مذکور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ اُنکا سلوک محبت اور رحم کے اُس پایہ پر نہ تھا جیسا اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی اُنکو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زیدؓ سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت اُلفت تھی چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجکو زید کی خوشبو آتی ہے عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب اُنکی خدمت میں آیا تو فرمایش کی کہ زید کا مرثیہ کہو، مجکو تمھارا سا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔ حضرت عمرؓ نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں مکہ سے جب

مسکن

ہجرت کی تو عوالی میں آکر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑدی اور شہر میں آرہے یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچکر ان کا قرض ادا کیا جائے چنانچہ امیر معاویہ نے اُسکو خریدا اور زرقیمت سے قرض ادا کیا گیا۔ اس لیئے یہ مکان مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔[1]

وسائل معاش تجارت

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذان کی لاعلمی کا اُنھوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونیکی وجہ سے آنحضرت کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہوجاتی تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں پہنچکر ابوبکرؓ و

[1] دیکھو خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۷۰ و حاشیہ موطا امام محمد صفحہ ۲۷۲۔

جاگیر

وعمر کو جاگیریں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرت نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر کے حصہ میں جو زمین آئی اُسکا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی مورخ بلاذری نے لکھا ہو کہ آنحضرت نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلمبند کرا دیئے تھے، یہودی حارثہ سے بھی اُنکو ایک زمین ہاتھ آئی تھی اور اُسکا نام بھی ثمغ تھا لیکن اُنھوں نے یہ دونوں زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں[1] خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے۔ وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں یہ زمین نہ بیچی جائیگی۔ نہ ہبہ کیجائیگی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقرا ذوی القربی، غلام، مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ

خلافت کے چند برس بعد اُنھوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لیے درخواست کی اسپر حضرت علی کی رائے کیموافق اسقدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو سنہ ۱۵ھ میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ اُنکے بھی پانچہزار درہم سالانہ مقرر ہوگئے

زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر اول اول زراعت بھی کی تھی لیکن اسطرح کہ کھیت بٹائی پر دیدیتے تھے تخم کبھی خود مہیا کرتے تھے اور کبھی اُسکا بہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزارعۃ میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے۔

غذا

غذا نہایت سادہ تھی، معمولی روٹی اور روغن زیتون دستر خوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو کا التزام کر لیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چیزیں دستر خوان پر ہوتی تھیں اور وہ یہ ہوتی تھیں گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ۔ مہمان یا سفرا آتے تھے تو کھانے کی اُنکو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادی اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس

لباس بھی معمولی تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی ہوتی تھی جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اسکا رواج ہو چلا تھا چنانچہ حضرت عمر بھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے جوتی وہی عربی وضع کی ہوتی تھی جس میں تسمہ لگا ہوا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایکدفعہ دیر تک گھر میں رہے باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اسلیئے اُنہی کپڑوں کو دھوکر سوکھنے کو ڈال دیا تھا خشک ہو گئے تو وہی پہنکر باہر نکلے۔

[1] خلاصۃ الوفا لفظ ثمغ

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ وہ رہبانیت اور تقشف کو پسند کرتے تھے اس باب میں انکی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جسکو انھوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے اُن سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اُترواکر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان مُو اور پھٹے پُرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پراگندہ مُو رہنا چاہیے نہ پٹیاں جمانی چاہئیں حاصل یہ کہ نہ وہ بیہودہ تکلفات اور آرایش کو پسند کرتے تھے نہ رہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گوں، قد لانبا یہاں تک کہ سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو انکا قد سب سے نکلا ہوتا تھا۔ رخسارے کم گوشت۔ گھنی داڑھی مونچھیں بڑی بڑی سر کے بال سامنے سے اُڑگئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جو جو باتیں نئی ایجاد کیں اُنکو مؤرخین نے یکجا لکھا ہے اور انکو اولیات[۵] سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہم اُنکے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول بآخر نسبتے دارد

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔
(۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔
(۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آجتک جاری ہے۔
(۴) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔
(۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔
(۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
(۷) دفتر مال قائم کیا۔
(۸) پیمایش جاری کی۔
(۹) مردم شماری کرائی۔
(۱۰) نہریں کھدوائیں۔
(۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ جیزہ۔ فسطاط۔ موصل۔
(۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں پر تقسیم کیا۔
(۱۳) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی اسکی تفصیل صیغہ محاصل میں گذر چکی ہے۔

[۵] اس میں اکثر اولیات کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری اور تاریخ طبری میں یکجا مذکور ہیں۔ باقی جستہ جستہ موقعوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

(۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کیے۔
(۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
(۱۶) جیلخانہ قائم کیا۔
(۱۷) درہ کا استعمال کیا۔
(۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔
(۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
(۲۰) جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
(۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اُسوقت عرب میں نہ تھی۔
(۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے۔
(۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیئے مکانات بنوائے۔
(۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے۔
(۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔
(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب گو کافر ہوں، غلام نہیں بنائے جا سکتے۔
(۲۷) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔
(۲۸) مکاتب قائم کیے۔
(۲۹) معلموں اور مدرسوں کے روزینے مقرر کیے۔
(۳۰) حضرت ابوبکر کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔
(۳۱) قیاس کا اُصول قائم کیا۔
(۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔
(۳۳) فجر اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم اضافہ کیا چنانچہ موطا امام مالک میں اسکی تفصیل مذکور ہے
(۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔
(۳۵) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دیجائیں طلاق بائن قرار دیا۔
(۳۶) شراب کی حد کے لیے اسّی کوڑے مقرر کیے۔

(۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ مقرر کی۔

(۳۸) بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوۃ مقرر کی۔

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

(۴۱) مساجد میں وعظ کا طریقہ قایم کیا چنانچہ انکی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا

(۴۲) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قایم کی۔

(۴۵) غزلیہ اشعار میں، عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔ انکے سوا اور بہت سی اولیات ہیں، جنکو ہم طوالت سے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں

ازواج و اولاد

ازواج

حضرت عمر نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کیے پہلا نکاح عثمان بن مظعون کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعون سابقین صحابہ میں سے تھے۔ یعنی اسلام لانیوالوں میں انکا چودھواں نمبر تھا ۲ھ میں وفات پائی اور جناب رسول اللہ کو انکی وفات کا اسقدر صدمہ ہوا کہ آپ انکے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے اور بے اختیار روتے جاتے تھے۔ عثمان کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں تھے۔ زینب مسلمان ہوکر مکہ معظمہ میں مریں، حضرت عبد اللہ اور حضرت حفصہ انھی کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیۃ المخزومی تھیں جو آنحضرت کی زوجہ مبارک ام سلمہ کی بہن تھیں، چونکہ اسلام نہیں لائیں اور مشرکہ عورت سے نکاح جائز نہیں اسلیے صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں انکو طلاق دیدی تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول الخزاعی تھیں۔ انکو ام کلثوم بھی کہتے ہیں، یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور اس وجہ سے ۶ھ میں انکو بھی طلاق دیدی، عبید اللہ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں، مدینہ منورہ میں آکر انصار میں قرابت پیدا کی، یعنی ۷ھ میں عاصم بن ثابت بن الافلح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے، انکی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرت نے

بدلکر جمیلہ نام رکھا لیکن انکو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی۔

اخیر عمر میں انکو خیال ہوا کہ خاندانِ نبوۃ سے تعلق پیدا کریں جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا چنانچہ جناب امیر سے حضرت ام کلثوم سے کیلئے درخواست کی، جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا، لیکن جب حضرت عمر نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجکو حصولِ شرف مقصود ہے، تو جناب امیر نے منظور فرمایا اور ۱۷ھ میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔[۵]

حضرت عمر کی اور بیویاں بھی تھیں یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی فکیہہ یمنیہ، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ حضرت عمر کی چچیری بہن تھیں انکا نکاح پہلے حضرت ابوبکر کے فرزند عبد اللہ سے ہوا تھا، اور عاتکہ چونکہ نہایت خوبصورت تھیں عبد اللہ انکو بہت چاہتے تھے، عبد اللہ غزوہ طائف میں شہید ہوگئے۔ عاتکہ نے انکا نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فآلیت لا تنفك عینی حزینة	علیك ولا ینفك جلدی اغبرا
میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ	تیرے اوپر غمگین رہیگی اور بدن خاک آلودہ رہیگا

حضرت عمر نے ۱۲ھ میں اُن سے نکاح کیا۔ دعوتِ ولیمہ میں حضرت علی بھی شریک تھے۔

حضرت عمر کے اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہ اسلئے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہیں۔ انکا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے خنیس جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو وہ ۳ھ میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں، اُن سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے اُنسے حدیثیں روایت کی ہیں ۴۵ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

[۵] حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتمد مورخوں نے بتفصیل لکھا ہے علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابن قتیبہ نے معارف میں ابن اثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمر کی زوجہ تھیں ایک دوسری ام کلثوم بھی انکی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں میں مورخوں نے صاف تصریح کی ہے۔ علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گذری ہیں اور ان سے بڑھکر تاریخی واقعات کے لیے اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ میں وہ عبارتیں اس موقع پر نقل کرتا ہوں۔ ثقات ابن حبان: ذکر خلافت عمر و اقعات ۱۷ھ میں ہے فیہا تزوج عمر ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب وہی من فاطمة ودخل بها فی شهر ذی القعدة۔ معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر میں ہے وفاطمة وزید وامهما ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ اسد الغابہ فی احوال الصحابہ ابن الاثیر میں جہاں حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ انکی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی جابجا تصریح کی ہے جسکو ہم تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں سب سے بڑھکر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آگیا ہے جسکا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے عورتوں کو چادریں تقسیم کیں ایک بچ رہی اسکی نسبت انکو تردد تھا کہ کس کو دیجائے ایک شخص نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المومنین اعط هذه ابنة رسول الله صلی الله علیه وسلم التی عندك یرید ام کلثوم (صحیح بخاری باب الجہاد مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۴۰۳) اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں خاندانِ نبوت سے تھیں۔

اولادِ ذکور کے یہ نام ہیں عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابوشحمہ عبدالرحمٰن، زید، مجیر، ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں، حضرت عبداللہ فقہ وحدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں بخاری ومسلم میں اُنکے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرتؐ کے ہمرکاب رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں انکا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس سے اُنکے علم وفضل اور زہد وتقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے علم وفضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بیباک تھے، ایکدفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا عین اُسی حالت میں، اُنھوں نے کھڑے ہو کر کہا۔ "یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے" چنانچہ اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے اُنکو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اِسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہ نے اپنا معاملہ حَکَم کے ہاتھ میں دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ سے آکر کہا کہ "تمام مسلمان آپکی خلافت پر راضی ہیں آپ آمادہ ہو جیئے تو ہم لوگ آپکے ہاتھ پر بیعت کر لیں" اُنھوں نے انکار کیا اور کہا میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

حضرت عبداللہ کے بیٹے سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے اُن سات فقہا میں محسوب ہیں جن پر حدیث وفقہ کا مدار تھا اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا سالم کے علاوہ باقی چھ فقہا کے یہ نام ہیں، خارجہ بن زید، عروہ بن الزبیر، سلیمان بن یسار، عبیداللہ بن عبداللہ سعید بن المسیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں، اور محدثین اس سلسلے کو۔ زنجیر زر کہتے ہیں یعنی اول وہ حدیث جسکی روایت کے سلسلے میں امام مالک نافع۔ عبداللہ بن عمر ہوں۔ دوسری وہ حدیث جسکے سلسلے میں زہری۔ سالم اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں، امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمر ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبداللہ اُنکے بیٹے اور سالم پوتے اور نافع غلام تھے۔ حضرت عمرؓ کے دوسرے بیٹے عبیداللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور ہیں۔ تیسرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم وفاضل تھے ۷۰ھ میں جب اُنھوں نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے اُنکا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

اولاد ذکور

عبداللہ بن عمر

سالم بن عبداللہ

عبیداللہ

عاصم

فلیت المنایا کن خلفن عاصما	فعشنا جمیعا او ذھبن بنا معا
کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی	تاکہ ہم سب ساتھ رہتے یا لیجاتا تھا تو سب کو لیجاتی

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور شعر خوب کہتے تھے، چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں حضرت عمر بن عبد العزیز انہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمر کے پوتوں پروتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے۔ لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

خاتمہ

لیس علی اللہ بمستنکر	ان یجمع العالم فی واحد
خدا کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہے	کہ تمام عالم ایک شخص میں سما جائے

حضرت عمر کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے، دنیا میں اور جسقدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں، انکی مفصل سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر کا کوئی ہمپایہ گزرا ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں۔ اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا، لیکن اور فضائل سے اسکو بہت کم حصہ ملا تھا سکندر سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا۔ لیکن کشورستاں نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایکطرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوئی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمر کے حالات اور انکی حیثیتوں پر نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی۔ مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، تیمور بھی تھے، اور نوشیرواں بھی۔ امام ابو حنیفہ

ؔ حضرت عمر کے ازدواج و اولاد کا حال میں نے اسد الغابہ۔ کتاب المعارف۔ ابن خلکان کامل ابن الاثیر اور فتح المغیث سے لکھا ہے۔

بھی سنتے اور ابر آسیم ادہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو۔ دُنیا میں جسقدر حکمراں گزرے ہیں ہر ایک کی تہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مُدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعۃً فتوحات بھی رُک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لیکر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابو الفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان برامکہ کے دم سے تھی۔ لیکن حضرت عمر کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب و غریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جب حضرت عمر نے اُنکو معزول کر دیا تو کسیکو احساس تک نہوا کہ کل میں سے کونسا پرزہ نکل گیا ہے۔ سعد وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا، وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے اُن میں سے کسی کے پابند نہ تھے وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا اور جہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے سے نکالدیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لیئے

دُنیا میں کوئی ایسا حکمراں نہیں گذرا جسکو ملکی ضرورتوں کیوجہ سے، عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوشیرواں کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اُسکا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اسکے حضرت عمر کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے، وہاں مدت سے حکومت کے قواعد و آئین قائم تھے اور اس لیئے ان سلاطین کو کوئی نئی بُنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اسکے حضرت عمر جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی خود حضرت عمر نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گزرا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع، انتظام محاصل صیغہ عدالت، فوجداری اور پولیس پبلک ورکس، تعلیمات صیغہ فوج کو اسقدر ترقی دینی اور اُنکے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر

کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟ تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جسکی معاشرت یہ ہو کہ قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں۔ کاندھے پر مشک رکھکر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو فرش خاک پر پڑ رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ در و دربار۔ نقیب و چاؤش حشم و خدم کے نام سے آشنا نہ ہو اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اسکے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لیکر نکلتے تھے جب انکا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق کے سفر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آگیا ہے

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس۔ زید بن ثابت۔ ابوہریرۃ۔ عبداللہ بن عمر عبداللہ بن مسعود انکے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمر کے مسائل اور اجتہاد سے موازنہ کرو صاف مجتہد اور مقلد کا فرق نظر آئیگا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین و ائمہ فن پیدا ہوئے۔ مثلاً امام حنیفہ۔ شافعی۔ بخاری۔ غزالی۔ رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمر نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اسپر کچھ اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضا و قدر۔ تعظیم شعائر اللہ حیثیت نبوت احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا۔ احادیث کا درجہ اعتبار۔ خبر احاد کی قابلیت احتجاج۔ احکام خمس و غنیمت۔ یہ مسائل شروع اسلام سے آجتک معرکہ آرا رہے ہیں۔ اور ائمہ فن نے انکے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو حضرت عمر نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا انکی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔ اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیا کے سوا اور کون شخص ان کا ہمپایہ ملسکتا ہے؟ زہد و قناعت تواضع و انکسار، خاکساری۔ و سادگی۔ راستی و حق پرستی۔ صبر و رضا۔ شکر و توکل۔ یہ اوصاف ان میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا۔ لقمان۔ ابراہیم ادہم۔ ابوبکر شبلی معروف کرخی میں اس سے بڑھکر پائے جا سکتے تھے؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

سینۂ **فاروق** اعظم را بمنزلۂ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد۔ در ہر درے صاحب کمالے نشستہ دریک در مثلاً سکندر ذوالقرنین باآنہمہ سلیقۂ ملک گیری وجہاں ستانی وجمع جیوش وبرہم زدن اعداء ودر درِ دیگر نوشیروانے باآن ہمہ رفق ولین ورعیت پروری وداد گستری (اگرچہ ذکر نوشیروان در مبحثِ فضائل حضرت فاروق سوءِ ادب ست) ودر درِ دیگر امام ابوحنیفہ یا امام مالکے باآن ہمہ قیام بہ علمِ فتویٰ واحکام۔ ودر درِ دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاء الدین ودر در دیگر محدثے بروزن ابوہریرۃ وابن عمر ودر درِ دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطار۔ ومردمان گرداگرد این خانہ ایستادہ اند۔ وہر محتاجے حاجتِ خود را از صاحب فن درخواست مینماید وکامیاب میگردد۔"

شبلی نعمانی

مقامِ کشمیر

۵ جولائی سنہ ۱۸۹۸ء